جمالیات

(قرآنِ حکیم کی روشنی میں)

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

ایم اے ، ڈی لٹ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نیشنل بک فاؤنڈیشن

کراچی ۔ اسلام آباد ۔ لاہور ۔ پشاور ۔ کوئٹہ ۔ ملتان ۔ سکھر

ادبیات ۱۳۳۸

2 97.8
ن ا ص

جملہ حقوق محفوظ

اشاعت اول : ۱۹۷۶ء

تعداد : ایک ہزار

ناشر : نیشنل بک فاؤنڈیشن

طابع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

217
22/2/82

toobaa-elibrary.blogspot.com

فہرس

	دیباچہ ثانی	۱
	مقدمہ	۵
	(حواشی)	۱۹

پہلا حصّہ

باب اوّل	: جمالیات کا تاریخی پس منظر	۲۳
	(حواشی)	۵۸
باب دوم	: حُسن کی ماہیت و حقیقت	۶۳
باب سوم	: قرآن حکیم کا حرکی نظریہ حسن	۷۶
	(حواشی)	۸۰
باب چہارم	: حسن ، حقیقت کی حرکی قوت کی حیثیت میں	۸۱
باب پنجم	: وحدت مشاہدہ	۸۶
باب ششم	: نظریہ وحدت جمال	۹۲
باب ہفتم	: قدر	۹۹
	(حواشی)	۱۰۷
باب ہشتم	: اساسی جمالیاتی قدریں	۱۰۸
	(حواشی)	۱۱۱
باب نہم	: وحدت حواس و قلب	۱۱۲
	جمالیاتی حس	۱۱۶
	حسن سے محروم قلب کی مختلف حالتیں اور ان کے اسباب و علل	۱۱۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱- بیماری - - - - ۱۸
۲- قساوت - - - ۲۳
۳- کجی - - - - ۲۷
۴- زنگ آلودگی - - - ۳۱
۵- حجاب - - - ۳۳
۶- غفلت و جہالت - - ۳۶
۷- اندھا پن - - - ۳۷
۸- تقفل - - - - ۳۸
۹- طبع - - - - ۳۹
۱۰- ختم - - - - ۴۶
(حواشی) - - - ۵۰

باب دہم : صفاتِ حسن - - - ۵۱
۱- بوقلمونی - - - ۵۱
۲- موزونیت - - - ۶۱
۳- فنی جامعیت - - - ۶۴
۴- پاکیزگی - - - ۶۶
(حواشی) - - - ۷۱

باب یازدہم : جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق - - ۷۲
جمال و جلال - - - ۷۶
جمالیاتی حظ - - - ۷۹
جمالیاتی لمحات - - - ۸۱

دوسرا حصہ

باب دوازدہم : حسن اور فن - - - ۸۷
فن کی تعریف - - - ۸۷

toobaa-elibrary.blogspot.com

شرائطِ فن	۱۹۱
تخلیقی فعلیت کی تکنیک یا اسلوبِ فنکاری	۱۹۲
تسویہ	۲۰۲
تعدیل	۲۰۳
تعیینِ اقدار	۲۰۴
ترکیبِ صوری	۲۰۵
انفاخِ روح	۲۰۵
(حواشی)	۲۰۷
باب سیزدہم : تخلیقی فعلیت کے محرکات	۲۰۸
(حواشی)	۲۱۲
باب چہاردہم : کمالِ فن کی شرائط	۲۱۳
۱- وحدت	۲۱۵
۲- ربوبیّت	۲۱۹
۳- رحمت	۲۲۱
۴- علم و حکمت	۲۲۸
(ا) علم	۲۲۸
مشاہدۂ انفسی	۲۴۵
علم و ظن	۲۴۹
علم و عقل	۲۵۰
علم کی گمراہی کے عوامل	۲۵۴
(ب) حکمت	۲۵۷
۵- صلاحیت	۲۶۲
کمال شخصیت کا مکمل اظہار	۲۶۵
کمالِ شخصیت کے مظاہر : جمال و جلال	۲۶۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسانِ کامل	٦٥
فنی تخلیق کا مواد اعلیٰ درجے کا ہو	٦٥

ڈرامہ

نصب العین	٦٦
پلاٹ	٦٧
واقعات و حادثات	٧٠
مناظر	٧٠
کردار	٧١
اسلوب	٧٢

شاعری

تخیّل یا فکر	٧٣
الفاظ	٧٥
وزن	٧٦
فنی تخلیق کی شکل و صورت حسین ہو	٧٦
فنی تخلیق سے جو نتیجہ مرتب ہو وہ ہر اعتبار سے بہترین ہو	٧٧
(حواشی)	٧٨
باب پانزدہم : فن اور حقیقت	٨٠
حقیقی فنکار	٨٥
(حواشی)	٨٨
باب شانزدہم : فن کار کا فرض منصبی	٨٩
(حواشی)	٠٣

toobaa-elibrary.blogspot.com

حرفِ آخر	۳۰۴
مصطلحات	۳۰۵
اسماے مغربی مصنفین	۳۰۸
مآخذ	۳۱۰
اشاریہ	۳۱۳

☆ ☆ ☆

toobaa-elibrary.blogspot.com

دیباچۂ ثانی

حُسن کو دیکھا ، سنا اور محسوس کیا تو یہ راز کھلا کہ زندگی اصلاً حسن اور طبعاً حسن پسند ہے ۔ زندگی کا تقاضا حسن اور اس تقاضے کی تسکین کی مساعیِ جمیلہ کا حاصل ثقافت ہے ۔ حسنِ فکر و یقین (جسے ایمان کہتے ہیں) ، حسنِ عمل کا سرچشمہ ہے ، جس سے ویرانۂ دل اور کارزارِ حیات امن و سلامتی کے بہشت بنتے ہیں ۔

انسان کی ایک دنیا یہ عالمِ زمان و مکان ہے اور دوسری اس کے دل کی دنیا ہے ۔ اسے ان دونوں عالموں میں رہنا پڑتا ہے ۔ وہ نہ تو داخلی دنیا سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ خارجی دنیا ہی سے ۔ جب یہ دونوں جہاں اس کے ہیں اور وہ ان میں رہنے پر مجبور ہے تو پھر اپنے جمالیاتی تقاضوں کی تشفی کے لیے اسے ان دونوں جہانوں کو حسین بنانا ناگزیر ہوا ۔ انسان کی یہ سچی آرزو ہے جس کے پورا کرنے میں اس کی اپنی ذات کی تکمیلِ مسلسل کا راز مضمر ہے ۔ زندگی کو کمال کی آرزو ہے ، اور کمال متشابہیت پر نہیں بلکہ کمالِ نو کے نقطۂ آغاز پر دلالت کرتا ہے ۔ زندگی ، حسن اور کمال ہمیشہ حالتِ ارتقاء میں رہتے ہیں ، کیونکہ تینوں کا یہ خاصہ ہے ۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ٥ (الرحمٰن ٥٥ : ٢٩) اور رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (التحریم ٦٦ : ٨) آیات میں یہی نکتہ مضمر ہے ۔

زندگی کو حسن کی آرزو ہے اور حسن حرکی و ارتقائی ہے ، اس لیے اسے خوب سے خوب تر کی طلب و جستجو رہتی ہے ۔ جب کسی قوم کو اپنی اس آرزوے حسن کا احساس و شعور ہو جاتا ہے اور وہ اس آرزو کی تشفی کی شعوری و ارادی کوشش میں لگ جاتی ہے تو اس کے داخلی اور خارجی دونوں جہاں حسن و سلامتی کے بہشت اور اس کی ثقافت بلحاظِ حسن و کمال مثالی بن جاتی ہے ۔ چنانچہ مطالعۂ جمالیات کا ایک فائدہ انسان کو یہ پہنچتا ہے کہ اسے ایک طرف اپنی آرزوے حسن کا احساس و شعور ہوتا ہے تو دوسری جانب حسن کے حقائق کا ادراک و

toobaa-elibrary.blogspot.com

عرفان - ظاہر ہے جب تک انسان کو اپنی آرزوے حسن کا احساس و شعور نہ ہو وہ اس کی تشفی بھی نہیں کر سکتا ؛ اور جب تک اس آرزو کی تشفی نہیں ہوتی انسان طمانیت و مسرت سے محروم رہتا ہے - اسی طرح وہی قوم اپنی ثقافت کی تحسین کر سکتی ہے جو حسن کے حقائق سے آشنا اور ذوقِ جمال رکھتی ہو - اس امر سے مطالعۂ جمالیات کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے .

اسلام کی جمالیاتی انداز میں تعریف کی جائے تو اسے ''آرزوے حسن'' سے تعبیر کر سکتے ہیں - وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے اندر کی اور باہر کی دنیا حسین بنائے اور اس میں حسین انداز سے زندگی بسر کرے - انسان ایسا اسی صورت میں کر سکتا ہے جب اس کے فکر و عمل حسین ہوں - فکرِ انسانی اسی صورت میں حسین ہو سکتی ہے جب اسے اپنے مقصودِ حقیقی کا عرفان و اذعان بھی ہو اور وابستگی بھی ، اور اس کا مقصودِ حقیقی وہ ہے جو اپنی ذات میں محض حسن ہے - اس اعتبار سے دیکھا جائے تو جمالیات کا مطالعہ اسلامی ثقافت کو اس کے صحیح اور وسیع ترین تناظر میں دیکھنے اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی ایک ناگزیر پیش شرط ہے .

حسن اسلامی ثقافت کا بنیادی عنصر ہے ، لہٰذا اپنی ثقافت کی تعمیرِ نو اور تحسین و تکمیل کے لیے جمالیات کے مطالعے کی اہمیت میں مبالغہ نہیں کیا جا سکتا .

لیکن یہ کس قدر تلخ حقیقت اور افسوس کا مقام ہے کہ پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں جمالیات کا شعبہ نہیں ہے ، اور یہ مضمون کسی بھی جماعت کے نصاب میں شامل نہیں ہے - حالانکہ جمالیات قرآنِ مجید کا بنیادی موضوع ہے ، جس کا ایک زندہ ثبوت یہ کتاب ہے ، اور دوسرا ثبوت یہ ہے کہ میں نے جمالیات کو قرآنِ حکیم سے پڑھا اور سیکھا ہے اور یہ زندہ خدا کی اس زندہ کتاب کا اعجاز ہے کہ اس کتاب پر مجھے پنجاب یونیورسٹی نے علمی دنیا کا سب سے بڑا اعزازِ فضیلت ڈی - لٹ (ڈاکٹر آف لٹریچر) عطا کیا - اور اہلِ علم و نظر نے اسے خوب سراہا ہے - علاوہ ازیں ، پنجاب یونیورسٹی نے اسے ۱۹۵۸ء کی بہترین علمی کتاب قرار دے کر مجھے پہلا انعام بھی دیا تھا .

میں نے اس طبعِ نو میں بعض اہم اضافے بھی کیے ہیں ، جس کی وجہ سے مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی افادی قدروں میں معتدبہ اضافہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوا ہے:

(ا) ماخذ کو جامع بنانے کی کوشش کی ہے ۔
(ب) اشاریہ شامل کیا ہے ۔
(ج) جمالیاتی حسن اور جمالیاتی ذوق ، جمال و جلال ، جمالیاتی حظ اور جمالیاتی لمحات پر نئے باب لکھے ہیں ۔
(د) متن میں ترمیمات و اضافے کرنے کے علاوہ کتاب کو حواشی سے مزین کیا ہے ۔
(ہ) حوالوں میں سورتوں کے نام بھی درج کیے ہیں ۔

آخر میں مجھے نیشنل بُک فاؤنڈیشن کے ارباب حل و عقد کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا ہے کہ انھوں نے علم و ادب کی ترویج و اشاعت کی خاطر اس کتاب کی طبعِ نو کا اہتمام کیا جو دس بارہ برس سے نایاب تھی ۔ جمالیات پہلی مرتبہ ۱۹۵۸ء میں مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی تھی ۔

(ڈاکٹر) **نصیر احمد ناصر**
ایم ۔ اے ۔ ڈی ۔ لٹ ۔
سیکریٹری
اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ،
پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ۔

۱۲ ربیع الآخرہ ۱۳۹۴ھ/۵ مئی ۱۹۷۴ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

مقدمہ

زندگی ایک کُل ہے جس کی اصل وحدت ہے ۔ جب یہ اپنے آپ کو معرضِ اظہار میں لاتی ہے ، تو اس کی فروع نمودار ہوتی ہیں ، جن کی کثرت ، بوقلمونی ، اختلاف و تضاد سے یہ وحدت کچھ اس طرح کثرت کے ساتھ گھل مل جاتی ہے کہ شہود میں غیب اور ظاہر میں باطن کے جلوے پیدا کرتی ہے ۔ کائنات ، جو گوناگوں نظاروں کا مرقع ہونے کے باوجود ، وحدت کی آئینہ دار ہے ، اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کے ہر پیکرِ تخلیق کے عناصرِ ترکیبی میں **تعدیل و تسویہ**[1] پایا جاتا ہے ۔ بالفاظِ دیگر فطرت کا ہر پیکرِ تخلیق خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ، معروضی اور موضوعی ، ہر اعتبار سے تعدیل و تسویہ کا مکمل مظہر ہے ، لہٰذا زندگی نہ تو نظر کا دھوکا ہے ، اور نہ تخیل کی تخلیق ۔ یہ نہ تو خود رو میکانکی پیداوار ہے اور نہ بے مقصد شے ۔ الغرض یہ ایک باطل تصور یا باطل واقعیت نہیں ، بلکہ یہ ایک **حقیقت** اور **واقعیت** ہے ۔ حقیقت و واقعیت کے الفاظ چونکہ بہت کم شرمندۂ معنی ہوتے ہیں اور اکثر اہلِ علم بھی ان دونوں الفاظ کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھتے ہیں ، اور ان کے اصل مفہوم سے کم آشنا نظر آتے ہیں ، دوسرے یہ دونوں لفظ فلسفۂ جمال میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ، اس لیے اس جگہ ان کی علٰحدہ علٰحدہ صراحت کر دینا ضروری ہے ۔ حقیقت کی توضیح کرنے سے پیشتر ، میں اس واقعیت کو بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ حقیقت چونکہ معنی کا ایک محیطِ بیکراں ہے ، اس لیے اس کا الفاظ کی متناہیت میں کُلّی طور پر سما جانا ، ازبس دشوار ہے ۔ دوسرے یہ کہ مجھے اپنی کم علمی اور بے ہنری کا بھی احساس ہے ، لیکن باوجود ان دونوں دشواریوں کے میں اس لفظ کے مفہوم کی بیکرانی کو الفاظ کی تنگ دامانی میں سمو دینے کی کوشش کروں گا ۔

حقیقت ہمہ گیر افادی حکمت و مقصدیت کے ثباتِ دوام کے حرکی[2] **اور تغیر آشنا حسن کا دوسرا نام ہے** ۔ یہ تعریف بظاہر پیچیدہ اور دقیق

toobaa-elibrary.blogspot.com

معلوم ہوتی ہے ، لیکن اس تعریف کا ہر لفظ چونکہ اپنی ایک مستقل حیثیت رکھنے کی وجہ سے اٹل ہے ، اس لیے کوئی لفظ اپنی جگہ سے ہٹایا یا تبدیل نہیں کیا جا سکتا ۔ بہر کیف اس تعریف کا تجزیہ کرنا ضروری ہے ، تاکہ اس کے مضمرات و غوامض کی نقاب کشائی ہو سکے ۔

(۱) **حقیقت ہمہ گیر ہے** ، یعنی یہ ایک کُل ہے ، جو سب کو محیط ہے اور غیرمنقسم وحدت کا آئینہ دار ہے ۔ لہٰذا حقیقت کا عرفان وہ سچا ہوگا جو کُل کا کُلّی طور پر ادراک کرتا ہے ۔ اسی طرح حقیقت کا مشاہدہ وہ سچا ہوگا ، جو کُل کو کُلّی حیثیت میں دیکھتا ہے ۔ حقیقت ، مشہود کی حیثیت میں چونکہ وحدتِ کُل ہے ، اس لیے سچا مشاہدہ وحدتِ کُل کے شہود کا حاصل ہوا ۔

(۲) **حقیقت افادی ہے** ، یعنی یہ ہمہ گیر افادیت کی آئینہ دار ہے جو معروضی بھی ہے اور موضوعی بھی ۔

(۳) **حقیقت حکمت کی آئینہ دار ہے** ، یعنی یہ زمان و مکان ، احوال و ظروف ، امیال و عواطف سے کُلّی طور پر مطابق و ہم‌آہنگ افادی مصلحت کی مظہر ہے ۔

(۴) **حقیقت مقصدیت ہے** ، یعنی یہ زندگی کی غایتِ کُلّی کی حامل ہے ۔

(۵) **حقیقت کو ثباتِ دوام لازم ہے** ، یعنی یہ قائم بالذات ہے ، اس لیے اس کو ایسا ثبات لازم ہے ، جو زمان و مکان سے ماوراء ہونے کی وجہ سے ان کے تعلق و اثر سے بے نیاز ہے ۔

(٦) **حقیقت حرکی ہے** ، یعنی حقیقت اپنی مطلق حیثیت میں ہر قسم کے تغیر سے ماوراء ہے ، مگر اپنی اضافی حیثیت کے اعتبار سے اعلیٰ حرکتِ ارتقائی کی آئینہ دار ہے ۔

(۷) **حقیقت تغیر پذیر ہے** ، یعنی حقیقت اپنی مطلق حیثیت میں قائم بالذات ہونے کی وجہ سے ناقابل تغیر ہے ، مگر اپنی اضافی حیثیت میں ، یہ تغیر و تبدل ، یعنی تنوع ، بوقلمونی اور تضاد و تخالف کی مظہر ہے ۔

(۸) **حقیقت حسن ہے** ، یعنی یہ ایک سرور انگیز خوشنمائی ہے ، لہٰذا یہ ہر مکروہ ، قبیح ، زشت اور حزن انگیز شے کی ضد ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقیقت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد ، اب واقعیت کے مفہوم کی توضیح کی جاتی ہے ۔ واقعیت کا معنیٰ ، صداقتِ واقعہ ہے ، لہٰذا یہ اور حقیقت دو جداگانہ چیزیں ہیں ۔ واقعیت کا مفہوم واضح طور پر سمجھنے کے لیے میں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں ، جسے لیبان نے نفسیاتِ اجتماع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے :

ایک دن ، ایک شخص بحری سفر کے دوران میں عرشہٗ جہاز پر کھڑا سمندر کی نیلگوں بیکرانی کے نظارے سے لطف اٹھا رہا تھا کہ دفعۃً اسے دور افق پر کوئی شے تیرتی ہوئی نظر آئی ۔ اس کی نظریں خود بخود اس شے پر جم گئیں ، جس نے فوراً ہی جہاز کی صورت اختیار کر لی ۔ چند ساعت بعد وہ جہاز اس طوفان میں گھرا ہوا ، ہچکولے کھاتا ہوا دکھائی دینے لگا ۔ اس نظارے کے ساتھ ہی اس کے کانوں میں اس جہاز کے خوفزدہ لوگوں کی چیخ و پکار کی صدائیں گونجنے لگیں ۔ اس نے فوراً اپنے ایک شخص کو اس صورت حال کی طرف متوجہ کیا ۔ اس نے اس کے خیال کی تائید کی ۔ یہ خبر آناً فاناً تمام جہاز میں پھیل گئی ۔ چنانچہ تمام اہلِ جہاز نے اس جہاز کو گرداب میں ہچکولے کھاتے دیکھا اور لوگوں کی چیخ و پکار سنی ۔ یہ خبر آخر جہاز کے کپتان تک پہنچی ۔ اس نے اصل واقع کو معلوم کرنے کی خاطر فوراً اپنے جہاز کا رخ ، ڈوبتے ہوئے جہاز کی سمت موڑ دیا ، لیکن یہ جہاز جب اس جگہ پہنچا ، جہاں جہاز ڈوبتا نظر آ رہا تھا ، تو یہ دیکھ کر تمام اہلِ جہاز کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ وہ شے جسے وہ جہاز سمجھ رہے تھے ، ایک چٹان تھی اور جن آوازوں کو وہ چیخ و پکار سمجھ رہے تھے ، وہ ان کے ذہن کی خود ساختہ صدائیں تھیں ۔

ظاہر ہے کہ لوگوں کا جہاز کو ڈوبتے ہوئے دیکھنا اور اس کے مسافروں کی چیخ و پکار کو سننا ، واقعہ تو ہے ، مگر سچا واقعہ نہیں ۔ اس تمام واقعہ کی واقعیت یا اصلیت یہ ہے کہ ڈوبتے جہاز کا نظارہ اور چیخ پکار کی صدائیں ، محض نفسیاتی دھوکا تھا ؛ لہٰذا ہم اسے واقعہ سے تو تعبیر کر سکتے ہیں ، مگر واقعیت سے نہیں ، کیونکہ واقعیت کا معنیٰ صداقتِ واقعہ ہے ۔

ان تشریحات کے بعد ، اب منقطع سلسلہٗ کلام پھر شروع کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ زندگی ایک واقعیت و حقیقت ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ حقیقت ایسی ہے جس سے فطرتِ انسانی کُلّی طور پر مطابقت و ہم آہنگی رکھتی ہے؛ لہٰذا انسان فطرۃً اسے جانتا اور پہچانتا ہے۔ اس مفہوم کو اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ انسان میں ادراکِ حقیقت کی استعداد فطری طور پر ودیعت کی گئی ہے۔ اس فطری استعداد کو حکیمانہ غور و فکر سے بیدار کرنے اور حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کی باقاعدہ اور منظم کوشش کو فلسفے کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں نے نرا غور و فکر نہیں بلکہ حکیمانہ غور و فکر کہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دل کی انفعالی اور دماغ کی فعلی قوتوں میں تعدیل و تسویہ پیدا ہوتا ہے اور یہ حقیقت کو بصورتِ وحدت یا کُلّی طور پر دیکھنے اور محسوس و معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ خلقتِ کائنات کے معروضی اور موضوعی مظاہر پر حکیمانہ غور و فکر کرنے سے، قلبِ انسانی بیک وقت اس کے حسن سے کیف و سرور، اس کی موضوعیت کے اسرار و رموز سے عرفان اور اس کے معروضی نوامیس یا قوانین سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اس مقام سے گزرنے سے پہلے یہاں کچھ دیر کے لیے حقیقت اور قلب کے تعلق پر غور کر لینا ضروری ہے۔

حقیقت چونکہ اپنی ذات میں منزہ ہے، اس لیے اس کا مشاہدہ یا ادراک ہمیشہ اس کی اضافی حیثیت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور یہ اضافی حیثیت وہ ہے جسے مجاز کہتے ہیں۔ مجازیت کے دو رخ ہیں، جو موقع و محل کی مناسبت سے کئی ایک ناموں سے موسوم ہیں، مثلاً اس کے ظاہری رخ کو خارجی اور معروضی بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح اس کے باطنی رخ کو داخلی اور موضوعی بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ حقیقت محض اپنی مجازیت میں، اس معروضیت و موضوعیت کی آئینہ دار ہے، ورنہ وہ اپنی مطلق حیثیت میں محض موضوعی ہے اور اس موضوعیت کے ادراک و احساس کا جو ذریعہ ہے وہ صرف ایک ہے، جسے قلب[۳] کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قلب کا ایک معروضی رخ بھی ہے، جسے حواس کہتے ہیں۔ حواس و قلب کے تعلق پر بحث کرنے سے پہلے قلب کے مفہوم کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ قلب انسان کی ایسی موضوعی قوتوں کا سرچشمہ ہے جو اپنی نوعیت میں فعلی اور انفعالی ہیں۔ فعلی قوتوں کے مآخذ کا نام دماغ ہے اور انفعالی قوتوں کے مبدأ کو دل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دماغ بہت سی قوتوں کا سرچشمہ ہے،

toobaa-elibrary.blogspot.com

جن میں سے تَصَوُّر، تَخَیُّل، تَعَقُّل، تَفَکُّر اور تَذَکُّر جمالیات کی رو سے بہت اہم ہیں۔ اسی طرح دل بھی متعدد انفعالی قوتوں کا منبع ہے، جن میں سے وجدان اور حسِ جمال یا جمالیاتی حس[۳] کی قوتیں اہم امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دونوں قوتیں ہمارے احساسات و انفعالات، تأثرات و جذبات اور عواطف و امیال کے سرچشمے ہیں۔ وجدان، عرفان حقیقت کی انفعالی قوت ہے اور جمالیاتی حس حسن کے احساس و شعور کی انفعالی قوت ہے۔ حقیقت دماغ کی فعلی قوتوں کی مدد کے بغیر منکشف ہوتی ہے تو اس کا ذریعہ وجدان ہوتا ہے، جسے میں عرفانِ وجدانی کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔

(حواس اور قلب کی باہمی حیثیت ایک دوسرے کے مقابلے میں فعل و انفعال کی سی ہے۔ حواس مظاہرِ فطرت کے مشاہدے کے اثرات کو قلب کی انفعالی قوت کے سرچشمے، یعنی دل پر مرتسم کرتے ہیں۔ دل کے ان اِرتسامات پر دماغ غور و فکر کرکے حکم لگاتا ہے اور اس کا یہ فیصلہ دل کی رضامندی کے ساتھ ارادے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔) دل کی مثال صرف ایک اعتبار سے عکسی کیمرے کی صاف و شفاف شیشے کی پلیٹ کی سی ہے، جس پر عکس اترتا ہے اور حواس کی مثال بھی ایک لحاظ سے اس کے بیرونی شیشے کی سی ہے، جس کے ذریعے خارج کے نقوش کیمرے کی اندرونی پلیٹ پر اُترتے ہیں۔ جس طرح صحیح تصویر اُتارنے کے لیے کیمرے کے بیرونی اور اندرونی شیشوں کا صاف و شفاف، بے داغ اور اپنی اصلی حالت پر ہونا لازمی ہے، اسی طرح حقیقت و واقعیت کے مشاہدہ و اِدراک کے لیے حواس اور قلب دونوں کا اپنی اصلی حسین حالت پر ہونا ناگزیر ہے۔ یہاں اس بات کی صراحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ انسان جس طرح فطرۃً صوری طور پر حسین ہے، اسی طرح وہ فطرۃً معنوی طور پر بھی حسین ہے۔ لہٰذا حقیقت کا جو کہ بذات خود حسن ہے، اس وقت تک مشاہدہ و اِدراک نہیں ہو سکتا جب تک کہ قلب حسین نہ ہو۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دل و دماغ کا حسن، ان کی بیداری و زندگی اور حسن کا فقدان، ان کی خفتگی و موت کی دلیل ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کائنات کا خارجی حسن اور قلب کا داخلی حسن، جب تک کُلّی طور پر ہم آہنگ ہو کر وحدت کی صورت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اختیار نہیں کر لیتے ، حقیقت کُلّی طور پر مشاہدہ و اِدراک میں نہیں آ سکتی - اس امر کی تصریح یہ ہے کہ عرفان حقیقت کے لیے زندگی کے تمام کثیر و بوقلمون مظاہر کو وحدت کی صورت میں ، حسنِ قلب کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے - ظاہر ہے ، حسنِ قلب کی ترکیب ، عقلِ سلیم اور دلِ زندہ و بیدار پر دلالت کرتی ہے ۔

زندگی اپنی اصل کے اعتبار سے چونکہ اکائی یا وحدت ہے ، اس لیے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جزوی طور پر دیکھنے سے حقیقت کے تمام پہلو بیک وقت سامنے نہیں آ سکیں گے اور مشاہدہ ادھورا اور ناقص رہ جائے گا - اس جگہ ایک اہم نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ بعض مفکرین جو اِدراک حقیقت کے معاملے میں عقل کے ضعف و عجز کے قائل ہیں یا عقل کو حریفِ وجدان سمجھتے ہیں ، وہ حسنِ قلب کے مفہوم اور عقلِ سلیم کی اصل سے بے خبر معلوم ہوتے ہیں - واقعہ یہ ہے کہ عقل وجدان کی حریف نہیں ، بلکہ حقیقت کے مشاہدہ و اِدراک کے معاملے میں اس کی زبردست معاون و مددگار ہے ،کیونکہ وجدان محض انفعالی قوت ہے اور اس کے انفعالات کے داخلی محرکات میں عقل از بس اہمیت رکھتی ہے ۔

حقیقت حسین ہے ، جس کے حسن کی حرکی قوت کا نام زندگی ہے - زندگی دو عناصر کا مرکب ہے - ان میں سے ایک فعلی ہے اور دوسرا انفعالی - فعلی قوت کا خاصہ جذب ہے اور انفعالی قوت کا انجذاب - جذب و اِنجذاب کی یہ دو قوتیں کائنات کی ہر شے میں اس طرح پائی جاتی ہیں کہ ہر شے اپنی متضاد صنف رکھتی ہے ، یعنی ہر شے کی ایک صنف مادہ اور دوسری نر ہوتی ہے - نر میں قوتِ جذب اور مادہ میں قوت اِنجذاب ودیعت کی گئی ہے - یہ دونوں قوتیں جو اپنی نوعیت میں فعلی اور انفعالی ہیں ، آپس میں ایک دوسری سے متحد ہونے کا فطری میلان رکھتی ہیں اور ان کا یہ فطری میلان ارتقاے حیات کا محرک ہے اور ان دونوں قوتوں کی وحدت ارتقاے حیات اور لذت و طمانیت کی وجۂ حقیقی ہے ۔

زندگی کی قوتِ جذب و اِنجذاب کے دو مظاہر ہیں ، جنھیں جمال و جلال کے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے - جمال قوتِ اِنجذاب کا مظہر ہے اور یہ ہر صنفِ نازک کی لطافت و دلکشی اور نظر افروزی و رعنائی کا سبب

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ اسی طرح جلال ، قوتِ جذب کا مظہر ہے ، جو مرد کی جاذبیت و جبروت اور شان و شوکت کا سبب ہے ۔ جلال کی ایک پہچان یہ ہے کہ اس میں فعالیت کا حسن پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح جمال کی ایک پہچان یہ ہے کہ اس میں انفعالیت کی دلکشی پائی جاتی ہے ۔

زمان و مکان کی ماہیت پر غور کرنے سے اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ جسے ہم زمانہ کہتے ہیں وہ زندگی کا ایک موضوعی رخ ہے ، اور جو شے مکان کہلاتی ہے وہ اس کا معروضی رخ ہے ۔ بظاہر زمانہ ایک مستقل حرکت کا آئینہ دار معلوم ہوتا ہے اور مکان مستقل سکون و ثبات کا اور یہ دونوں ایک دوسرے کے حریف معلوم ہوتے ہیں ، حالانکہ زمانہ بذاتِ خود رنگِ ثبات اور مکان رنگِ تحرک سے مزین ہے ۔ غور سے دیکھیں تو زمان و مکان زندگی کے دو نہایت اہم اور ناگزیر مظاہر ہیں ۔ ایک اعتبار سے زمان کو ہم زندگی کی سلبی اور مکان کو ایجابی قوت کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں اور ان دونوں کی وحدت کا نام ہی زندگی ہے ۔ زمانہ ، زندگی کا موضوعی رُخ ہے ۔ اس لحاظ سے اس کی حیثیت مطلق ہے ۔ اس کے عَلَی الرَّغم ، مکان زندگی کا معروضی رخ ہے اور یہ اضافی حیثیت کا حامل ہے ۔ اظہارِ زندگی کے اعتبار سے زمان و مکان اس کے دو ناگزیر عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں ، جو ایک دوسرے سے علٰحدہ نہیں کیے جا سکتے اور نہ ان کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کر کے دیکھنے سے حقیقت کا مشاہدۂ کُلّی حاصل ہو سکتا ہے ۔

ہندو فلسفے کی فکر و نظر اس مقام پر پہنچ کر ایسی بے بس ہوئی کہ وہ زمان و مکان کی اعتباری اور اضافی حیثیت کو نہ سمجھ سکے ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے زمان و مکان کو ایک مطلق حیثیت کا حامل اور ازلی و ابدی ، یعنی قدیم تسلیم کر لیا اور پھر اپنے اس نظریے کو عقیدۂ دینی کی حیثیت دے کر اس پر باطلیتِ دوام کی مہر ثبت کر دی ۔

کامرانیِ حیات کا راز اس حقیقت میں مضمر ہے کہ زندگی اپنی اضافی حیثیت میں حرکتِ دوام کی اور مطلق حیثیت میں سکونِ ابدی کی آئینہ دار ہونی چاہیے ، یعنی قلب کی فعلی قوتوں کو مستقل حرکت میں رہنا چاہیے اور انفعالی قوتوں کو مستقل سکون میں — دوسرے لفظوں میں دماغ حرکت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا سزاوار ہے ، اور دل سکون کا ۔ دل کا یہ سکونِ مدام ہے جو دماغ کی حرکی قوتوں میں سلامتی پیدا کرتا ہے ۔ چنانچہ دماغ کی حرکی قوتوں کے ساتھ جب یہ سلامتی ، اِعتدال کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہے تو اس حسین امتزاج یا وحدت سے دماغ اپنا وظیفہ فطری احسن طور سے سرانجام دینے کے قابل بنتا ہے اور اس کی بدولت ہی عقل ، **عقلِ سلیم** کہلاتی ہے ۔ یہ عقلِ سلیم کامرانیِ حیات کی حسین راہ کو واضح طور پر اُجاگر کرتی اور انسان کو اس پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ عقلِ سلیم ہی حیاتِ انسانی کی مرشدِ کامل اور خضرِ راہ ہے ، جس کی رہنمائی میں انسان اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے ۔ لہٰذا جب کبھی بھی عقلِ سلیم کی شمع بجھنے سے دنیا پر ظلمت محیط ہوئی اور انسانیت وہم و گمان کی بھول بھلیوں میں سر گرداں ہوئی ، قدرت فوراً اپنی رحمتوں کے ساتھ اس کی دستگیری کو آئی اور اس نے انبیاء و رسل[۴] کو وحی و تنزیل کے نور کے ساتھ اس عقلِ سلیم کی بجھی ہوئی شمع کو از سرِ نو روشن کرنے کے لیے مبعوث کیا ۔

زندگی چونکہ اپنی مکانی اور زمانی دونوں قوتوں کے ساتھ وجودِ انسانی میں مکمل ترین صورت میں ظاہر ہوتی ہے ، اس لیے وجودِ انسانی جمال و جلال کے مظاہر کا مکمل ترین نمونہ ہے ۔ وجودِ انسانی زندگی کی انفرادیت کی معروضی صورت ہے ، جس کی موضوعی صورت منزہ ہونے کے سبب بے مثل و غیرمرئی ہے اور اسے 'روح ، جان ، نفس ، خودی ، ایغو وغیرہ کئی ایک ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ایغو ، انفرادیتِ حیات کی مکمل ترین ، مگر نامصور شے ہے ، اور چونکہ یہ روح اُلوہیت کی اضافی حیثیت کی مظہرِ کامل ہے ، اس لیے اس کی تمام صفات کی یہ حامل ہے ، مطلق حیثیت میں نہیں ، مجازی حیثیت میں ۔ ایغو بلاشبہہ اپنی ہستی میں روحِ اُلوہیت کی نسبت سے اضافی حیثیت رکھتی ہے ، لیکن چونکہ یہ اپنی انفرادی حیثیت بھی رکھتی ہے ، اس لیے یہ اپنی انفرادیت کے اعتبار سے مطلق حیثیت کی بھی حامل ہے ۔ یہاں ایک اہم نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ ایغو اپنی تکمیل کرنے اور کیف و سرور حاصل کرنے کے لیے اپنی اصل ، یعنی روحِ اُلوہیت کا قرب تو چاہتی ہے ، مگر اس میں مدغم ہو کر اپنی انفرادیت کو کھو دینا نہیں چاہتی ، جیسا کہ بعض مذاہب کا نظریہ ہے ۔ الغرض ایغو کی یہ تقدیر ہے کہ وہ کسی

toobaa-elibrary.blogspot.com

حال میں بھی اپنی انفرادیت سے محروم نہیں ہو سکتی ۔

روحِ اُلوہیت کی صفات میں سے جو صفت سب سے پہلے ارادۃً ظہور پذیر ہوئی وہ خلاق تھی ۔ اس صفتِ خلاق کا محرک اس کا ارادۂ خودنمائی تھا ، یعنی وہ جانی پہچانی جائے ۔ چنانچہ خودنمائی کی یہ خواہش ایغو میں بھی پائی جاتی ہے اور جو ایغو اپنی اس خواہش کی تکمیل عملی طور پر کرتی ہے ، اس سے صفتِ خلاق کا ظہور ہوتا ہے (بے شک مجازی رنگ میں) اور وہ فنکار کہلاتی ہے ۔ جس طرح روحِ اُلوہیت کے اظہارِ ذات سے حسن و خوبی کی یہ کائنات معرضِ وجود میں آئی ، اسی طرح ایغو کے ارادی اظہارِ ذات سے جمیل و جلیل صورتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں ، جنھیں فنی تخلیقات کہا جاتا ہے ۔ ایغو کے اس اظہارِ ذات کو جمالیات کی اصطلاح میں تخلیقی فعلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

روحِ اُلوہیت کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ حسین ہے ، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے اظہارِ ذات سے یہ کائنات ہر اعتبار سے حسین و نظرافروز ہے ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'حسن کیا ہے ؟ اگرچہ ہر سلیم الفطرت شخص حسن سے فطری لگاؤ اور شناسائی رکھتا ہے اور اس سے طبعی طور پر متأثر بھی ہوتا ہے ، مگر پھر بھی حسن کی وہ تعریف نہیں ہو سکتی ، جس کا وہ مستحق ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حسن اپنی ذات میں منزہ اور نامصور ہے ۔ چنانچہ مجاز کے دبیز پردوں میں اس کو اس کی اصلی شان میں پیش کرنا ، اگر محال نہیں تو از بس دشوار ضرور ہے ۔ الفاظ بلاشبہ اظہارِ معنی کا جامع ترین ذریعہ ہیں ، مگر پھر بھی یہ اصل معنی کے مقابلے میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں ۔ بہرکیف جہاں تک الفاظ کے اظہارِ معنی کی صلاحیت کا تعلق ہے ، حسن کی تعریف ان الفاظ میں کی جا سکتی ہے :

'حسن نظر افروزی و 'سرور انگیزی کی منزّہ نامصوّر شے ہے ۔

اس تعریف کی رو سے نظر افروزی و سرور انگیزی حسن کی دو ناگزیر ذاتی صفات ہوئیں اور جب یہ صفات کسی شے میں پائی جاتی ہیں تو اسے حسین یا خوب صورت کہتے ہیں ۔ ماہیتِ حسن کی تحقیق میں جب ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور خوب صورت اشیاء کا فنی طور پر اِستقصاء کرتے ہیں تو اس واقعیت کا پتا چلتا ہے کہ ان کی نظرافروزی و 'سرورانگیزی

toobaa-elibrary.blogspot.com

دو چیزوں کی مرہونِ منت ہے جنھیں اصطلاح میں تعدیل و تسویہ کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ ان میں سے تسویہ کی قدر بنیادی حیثیت رکھتی ہے ۔ چنانچہ اس قدر کے بغیر کوئی شے حسین و نظرافروز نہیں ہو سکتی ۔ اس لحاظ سے حسن اور فن کا چولی دامن کا تعلق ہوا اور دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے ، اس اعتبار سے کہ حسن منزہ ہونے کے سبب مجاز کے بغیر معرضِ اظہار میں نہیں آ سکتا ۔ مرزا غالب نے اس واقعیت کو اس طرح بیان کیا ہے :

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے ، آئینۂ بادِ بہاری کا

حسن جب مجاز کے پردے میں جلوہ نما ہوتا ہے تو اس شے کو ، جس کی صورت میں وہ ظاہر ہوتا ہے ، **فنی تخلیق** ، اور اس کے عمل کو ، **تخلیقی فعلیت**[۶] اور اس کے ہنر کو **فن**[۷] کہتے ہیں ۔ اس اعتبار سے فن کی مقصدیت کا راز حسن آفرینی میں مضمر ہوا ، یعنی فنکار کا اپنے پیکرِ تخلیق کو تعدیل و تسویہ کی جمالیاتی قدروں سے مزین کرنا ، تاکہ وہ شے حسن و نظرافروزی کا پیکر بن کر اپنی اثر آفرینی کے ذریعے اپنی مقصدیت کو پورا کر سکے ۔ قرآنِ حکیم نے مقصدیتِ فن کو بیان کرنے کے لیے **تخلیق بِالْحَقّ** کی نہایت جامع اور بلیغ اصطلاح وضع کی ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر فنی تخلیق ، تعدیل و تسویہ کی جمالیاتی قدروں کی حامل ہونی چاہیے ۔ ظاہر ہے یہ جمالیاتی قدریں حقیقی افادیت کی مظہر ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ مقصدیتِ فن کا یہ نظریہ 'فن برائے فن' اور 'فن برائے زندگی' کے متخالف نظریات پر قولِ فیصل کا حکم رکھتا ہے ۔

نرے مشاہدے[۸] سے بے شک کیف و سرور حاصل ہوتا ہے ، لیکن اس پر غور و فکر کرنے سے جو کیف و سرور ملتا ہے وہ کمیت میں بہت زیادہ اور کیفیت میں بہت ارفع ہوتا ہے ۔ اس قسم کے کیف و سرور سے انسان کی حیرت بڑھتی ہے اور یہ حیرت معرفتِ حقیقت کا ذریعہ بھی ہے اور حاصلِ عرفان بھی :

تری دنیا میں مرے علم کا حاصل حیرت
ایسی حیرت کہ جسے حاصلِ عرفاں کہیے

ایغو[۹] ، بلاشبہ رُوحِ اُلوہیت کا مکمل ترین مظہر ہونے کی وجہ سے اپنے اندر حسن کا ایک عالمِ بیکراں رکھتی ہے ، لیکن وہ اس عالمِ باطنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے علاوہ ، اس کائنات کے مشاہدے سے بھی کیف و سرور حاصل کرتی ہے جو روحِ اُلوہیت کے اظہارِ ذات سے معرضِ وجود میں آئی ہے اور وہ حسن و جاذبیت کا مرقع اور تخلیق بالحق کا بے مثال نمونہ ہے۔ اس اعتبار سے حسن نہ صرف موجودات ، یعنی معروض یا ظاہر میں پایا جاتا ہے ، بلاشبہہ یہ ایغو ، یعنی موضوع یا باطن میں بھی موجود ہے۔ اس سے ان تمام مکاتبِ فکر کے نظریات کا بُطلان ہوتا ہے ، جو حسن کو یا تو محض معروضی مانتے ہیں یا موضوعی ، یعنی جو **وحدتِ حُسن** کے منکر ہیں۔ ظاہر ہے حسن کا موضوعی نظریہ ہو یا معروضی ، وہ چونکہ حقیقت کے صرف ایک رخ کا آئینہ دار ہوگا ، اس لیے اس کے ناقص اور ادھورا ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ حسن چونکہ معروضی اور موضوعی دونوں پہلو رکھتا ہے ، اس لیے حسن کے اس نظریے کو جو حسن کی وحدت ، یعنی اس کی معروضیت اور موضوعیت دونوں کا قائل ہے ، میں **"وحدتِ جمال"** کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ ظاہر ہے وحدتِ جمال کا نظریہ صحت و جامعیت کا حامل ہونے کی وجہ سے ان تمام نقائص سے مبرا ہے جو فرداً فرداً حسن کے معروضی اور موضوعی نظریات میں پائے جاتے ہیں۔

وحدت چونکہ حسن کی ناگزیر صفت ہے ، اس لیے حسن کے مکمل نظارے کے لیے **وحدتِ مشاہدہ** کا ہونا ناگزیر ہے۔ وحدتِ مشاہدہ سے مراد یہ ہے کہ حسن کے دونوں پہلوؤں کا بیک وقت غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے۔ وحدتِ مشاہدہ کی غیر معمولی اہمیت کا اس امر سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے مشاہدے میں برقی قوت پیدا ہوتی ہے ، جس سے ایغو میں حرکی نُور پیدا ہوتا ہے ، جس کے ذریعے وہ روحِ اُلوہیت کے موضوعی جلووں کو دیکھ کر کیف و سرور اور عرفان و آگاہی حاصل کرتی ہے۔ علاوہ بریں اس نور کی برقی قوت کی کمیت و کیفیت کے مطابق ، اس کے احوال و مقامات کی تعین ہوتی ہے۔

حسن تو طمانیت و سُرور کا سرچشمہ ، زندگی کا مقصود اور اس کی کامرانی کی منزلِ آخر ہے ، اور اس کے مشاہدہ و آگاہی میں ہی عرفانِ حقیقت کا راز مضمر ہے ، لیکن یہ واقعیت نہایت افسوسناک اور تعجب خیز ہے کہ مسلم مفکرین نے فلسفۂ جمال کی طرف بہت کم توجہ دی ہے اور اس پر حکیمانہ طرزِ بیان میں کچھ نہیں لکھا۔ جب میں ایک طرف آخری

toobaa-elibrary.blogspot.com

الہامی و زندہ کتاب ، یعنی قرآنِ حکیم کو حقائقِ جمالیات اور حسن کی تشریحات سے معمور دیکھتا ہوں اور دوسری طرف آئمۂ تفسیر ، علمائے دین اور اہلِ فکر و نظر کی تحریرات میں فلسفۂ جمال کے موضوعات کا فقدان پاتا ہوں ، تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی ، اور جب میرا ذہن اس فروگزاشت کی کوئی وجۂ جواز نہیں سوچ سکتا ، تو میں قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھ کر خاموش ہو جاتا ہوں :

وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ٥ (الفرقان ۲۵ : ۳۰) :

اور رسولؐ نے کہا ! اے میرے رب ! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآنِ حکیم کو چھوڑی ہوئی چیز (کی طرح) قرار دیا .

قرآنِ حکیم نے اس واقعیت کی صراحت کر کے کہ کائنات کی ہر شے حسن و نظر افروزی کا پیکرِ دل آویز بھی ہے اور نشانِ حقیقت بھی ، انسان کو اس پر تقریباً آٹھ سو آیتوں میں غور و فکر کرنے کی تلقین کی ہے ۔ اس کے علاوہ اس نے صاف لفظوں میں حسن کے معروضی اور موضوعی پہلوؤں پر تدبر کرنے میں علم و حکمت کی حقیقت کو مضمر قرار دیا ہے اور اسی کو نجاتِ انسانی کا ایک ذریعہ بھی بتایا ہے ، مگر افسوس کہ ہم نے وحیِ الٰہی کی اس بصیرت افروز حق بیانی کی طرف کماحقہ توجہ نہیں دی ۔ بہر کیف متقدمین اگر کسی وجہ سے حقیقتِ حیات کے اس حسین عالم کو اپنی فکر و نظر کا مرکز نہیں بنا سکے تو نہ سہی ، ہم تو اب ایسا کر سکتے ہیں ، درآنحالیکہ اس موضوع پر مغربی علمائے جمالیات کا گرانقدر لٹریچر بھی اب ہمارے پاس موجود ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حقیقتِ حسن کی تلاش و جستجو میں مغربی علمائے جمالیات کی کوششیں اِخلاص و کاوش میں بے مثال ہیں ، لیکن وحی و تنزیل اور عقلِ سلیم کی روشنی کے بغیر جہاں انہوں نے کوئی قدم اٹھایا ، گمراہی ان کی پیشوائی کو آئی اور وہ وہم و گمان کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگے ۔ میں نے ہر مفکرِ جمالیات کے ساتھ خلوص دل کے ساتھ چلنے کی کوشش کی ، لیکن کسی ایک کو بھی حقیقت کے اس حسین و بیکراں عالم کا پورے طور پر شناسا نہ پایا اور ہر دفعہ تھوڑی دور چلنے کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

بعد رہبر کو گم کردۂ راہ پایا تو ناچار یہ کہنا پڑا :

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک رہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں (غالب)

تلاشِ حقیقت میں یہ میرا صدق و یقین تھا یا **"اس"** کی نظرِ التفات کہ میں بار بار کی محرومیوں اور نامرادیوں سے مایوس نہیں ہوا بلکہ اخلاص و شوق سے معمور دل کے ساتھ ، جالیات کے ہر گوشے میں تنہا پھرتا رہا ، رہبر اور راہ و منزل کے نشان کے بغیر اور میں جس گوشے میں پہنچا ، میرے کانوں میں آواز آئی :

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یا رب
اک آبلہ پا ، وادیِ پُر خار میں آوے (غالب)

حسن و جاذبیت کے اس جہانِ نو میں ، جب اپنی فکر و نظر کی کوتاہی و ناشناسی کی وجہ سے کچھ بن نہ آیا اور میں شب و روز کی مسلسل بادیہ پیمائی سے تھک کر ہمت ہارنے والا تھا کہ مجھے دفعۃً کسی نامعلوم دستِ قدرت نے آخری وحی و تنزیل کی سدا منور شمع کی طرف اشارہ کیا ۔ جس طرح لق و دق صحرا میں پیاس کی شدت سے نڈھال ، تھکے ماندے مسافر کی مایوس نظر دفعۃً کسی چشمے کو دیکھ پاتی ہے اور وہ بے تابانہ اس کی طرف دوڑتا ہے ، اسی طرح میں بھی بے تابیِ شوق کے ساتھ اس سرچشمۂ ہدایت کی طرف لپکا اور جب اس کے ہر گوشے کو حقیقتِ حسن کا آئینہ دار پایا ، تو وفورِ حیرت و مسرت سے مجھ پر جذب و مستی کی کیفیت طاری ہوگئی اور میں برسوں اس حیرت کدۂ حسن میں مشاہدہ و تدبر کے عالم میں رہا ۔ جب حسن کے اثرات میرے دل و دماغ کی گہرائیوں میں "نقش فی الحجر" کی طرح جم گئے تو میں نے اپنے تأثرات و واردات کو معرضِ اظہار میں لانے کی کوشش کی جس کا حاصل یہ پیشِ نظر کتاب ہے ۔ رہا یہ سوال کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا ہوں یا نہیں ؟ تو اس کا جواب میں دینے سے معذور ہوں ۔ اس کے محاسن و عیوب پر حکم لگانا ، ان اہلِ نقد و نظر کا منصب ہے جو فلسفۂ جمال اور قرآن حکیم کے اسرار و غوامض سے آگاہی رکھنے کے ساتھ ساتھ تبصرہ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ بہر کیف اس جگہ میں اس واقعیت کا صاف الفاظ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری اس پیشِ نظر کتاب میں ہر غلطی میری سہو و خطا ہے ، کیونکہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحی و تنزیل تو ہر حال میں ہر عیب ، نقص اور خامی سے مبرا اور منزہ ہے ۔ میں نے جو کچھ دیکھا ، بے شک شمعِ ہدایت کی روشنی میں دیکھا ہے ، لیکن میری نظر آخر بشر کی نظر ہے ، باوجود کمال حزم و احتیاط کے اگر لغزش یا دھوکا کھا گئی ہو تو کچھ بعید نہیں ۔ نورِ وحی سے بلاشبہہ اسرارِ حقیقت آشکارا ہو جاتے ہیں ، مگر نگاہِ انسانی نورِ حقیقی کی تابانیوں کی تاب نہ لا سکے ، تو اس کا خیرہ ہو کر لغزش کھا جانا لازمی ہے ۔ لہٰذا اس کتاب میں ہر غلطی نور قرآنی کی بے پناہ تابانی اور میری خیرہ نظری کی دلیل ہے ، لہٰذا اس بارے میں اہلِ علم و نظر کے ہر مشورے کو میں بصد امتنان و تشکر قبول کرنے میں اپنی سعادت سمجھوں گا ۔

آخر میں اس امر کی وضاحت کر دینا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآنِ حکیم نے جمالیات پر اس انداز میں بحث نہیں کی جس طرح علمائے جمالیات کا شیوہ ہے ۔ اس کے بر عکس اس کا اپنا ایک منفرد اسلوبِ بیان ہے ، جس میں اس نے فلسفۂ جمال کے اسرار و رموز کو اس طرح منکشف کیا ہے کہ حقیقتِ حسن اپنی ایک وحدت کی صورت میں خود بخود بے نقاب ہو گئی ہے ۔

ناصر

۲۱ - اگست ۱۹۵٦ء

نوٹ : متن میں ، ہر آیت کے بعد جو نمبر درج ہیں وہ سورت اور آیت پر دلالت کرتے ہیں ، مثلاً (۲۵ : ۱۲) کا مطلب پچیسویں سورت اور بارہویں آیت ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی مقدمہ

۱- یہ الفاظ بلاغت و جامعیت اور وسعتِ معنویت میں چونکہ اپنی مثال آپ ہیں اور اردو میں ان کے مترادفات کا فقدان ہے ، اس لیے ان دونوں لفظوں کو اردو میں مصطلحاتِ جمالیات کے طور پر استعمال کرنے کے سوا چارۂ کار نہیں - ان الفاظ کی تشریحات آگے چل کر ملیں گی .

۲- dynamic

۳- mind

۴- senses

۵- aethetic sense

۶- creative activity

۷- art

۸- experience

۹- ego

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمالیات کا تاریخی پس منظر

حسن اور فن کے فلسفے کا نام جمالیات ہے ۔ بام گارٹن[1] (۱۷۱۴ تا ۱۷۶۲ء) نے تاریخِ جمالیات میں سب سے پہلے فلسفۂ حسن کے لیے ایستھیٹکس[2] (یعنی جمالیات) کی اصطلاح کو استعمال کیا ، اور اس کو فلسفے کا ایک علٰحدہ مستقل شعبہ قرار دیا ۔ جمالیات کا علم اس لحاظ سے اپنے نام سے زیادہ قدیم ہے ؛ لغوی اعتبار سے اس کا وہ مفہوم نہیں جو اس سے اصطلاحاً لیا جاتا ہے ۔ ایستھیٹکس دراصل یونانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ایسی شے کے ہیں جس کا اِدراک حواس کے ذریعے ہوتا ہے ، لیکن بام گارٹن نے اس علم کو جمالیات کے لفظ سے تعبیر کیا جو اِحساس اور اِدراک دونوں پر دلالت کرتا ہے ، اور اس کا اِطلاق حسن پر کیا اور اس طرح یہ لفظ امتدادِ وقت کے ساتھ ساتھ رواج پاتا گیا اور مستقل طور پر فلسفۂ جمال کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا ، لیکن اس مفہوم میں بتدریج وسعت و گیرائی پیدا ہوتی رہی اور بالآخر ایستھیٹکس یا جمالیات کی مصطلحۂ جدیدہ حسن اور فن دونوں کو محیط ہو گئی ۔ اب اس کا موضوع صرف حسن ہی نہیں بلکہ فن بھی ہے اور اس کے تحت دونوں کے فلسفے سے بحث کی جاتی ہے ، لہٰذا حسن و فن کا فلسفۂ جمالیات کا نفسِ مضمون ہوا ۔ حسن اور فن زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھتے ہیں ، اسے کلچر یا ثقافت کہتے ہیں ۔ اس اعتبار سے خالصۃً ثقافتی سرگرمیوں کو جمالیات کی وسعتِ مضمون قرار دے سکتے ہیں ۔ ثقافت کے لفظ کا چونکہ لغوی اعتبار سے وہ مفہوم نہیں ، جو اس سے آج کل مراد لیا جاتا ہے ، اس لیے اس جگہ اس لفظ کے مفہوم کی صراحت کر دینا ضروری ہے ۔ وائٹ ہیڈ[3] نے ثقافت کی یہ تعریف کی ہے : ''ثقافت تخیل کی فعلیت ، اثر پذیریِ حسن اور ہمدردانہ احساس ہے''[4] ۔ اس تعریف کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

واضح طور پر سمجھنے کے لیے ثقافت کی ان تینوں شرائط پر فرداً فرداً غور کر لینا ضروری ہے ۔ تخیل کی فعلیت کے بغیر ظاہر ہے انسان نہ علم حاصل کر سکتا ہے نہ فن اور نہ اس کے بغیر کوئی علمی اور فنی تخلیق ہی معرضِ ظہور میں آ سکتی ہے ، اس لیے اس سے علم و فن دونوں مراد ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ ثقافتی اظہار علم کے بغیر ممکن نہیں ۔ مزید برآں تخیل کی فعلیت کی ترکیب لفظی میں حرکتِ مسلسل کا مفہوم پایا جاتا ہے ۔ چنانچہ ثقافت کی بقا و ترقی کے لیے جس طرح علم و فن کا ارتقاے مسلسل ناگزیر ہے ، اسی طرح علم و فن میں جمود و تعطل ثقافت کے تنزل و تخریب کی دلیل ہے ۔ اس کے علاوہ تخیل کی فعلیت میں تفکر کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے ، چنانچہ اس سے وہ علم و فن مراد ہے جو نتیجۂ فکر ہو ، مستعار نہ ہو ۔ علم جو فکر کا نتیجہ ہوگا ، عقل و حکمت کا سرچشمہ ہوگا اور علم جو مستعار ہوگا وہ محض معلوماتی ہوگا اور اس سے جہالت لازم آئے گی ۔ ایسا علم ثقافت کا حریف اور اس کے جمود و تعطل کا باعث ہوگا ۔

ثقافت کی دوسری شرط اثر پذیریِ حسن ہے ، یعنی حسن کے اثرات کو قبول کرنے کی استعداد ، جسے جمالیاتی حس[۵] کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ ثقافت نہ صرف حسن کی معروضی یا خارجی حیثیت سے تعلق رکھتی ہے ، بلکہ اس کی موضوعی یا داخلی حیثیت سے بھی ۔ حسن کی صفات قرآنی نقطۂ نظر سے چار ہیں : بوقلمونی ، موزونیت ، اتقان اور پاکیزگی ۔ اس لحاظ سے ثقافت ان چاروں صفات حسن کی آئینہ دار ہونی چاہیے ۔ بوقلمونی بے شک اختلاف و تضاد پر دلالت کرتی ہے ، لیکن اس سے مراد ایسا اختلاف و تضاد ہے جس میں ہم آہنگی یا تال میل پایا جائے اور وہ حسن نظرافروزی کا باعث ہو ۔ اس جگہ اس نکتے کی صراحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اختلاف و تضادات میں اگر تناسب و ہم آہنگی پائی جائے تو ان میں وحدت پائی جاتی ہے ، جو حسن و نظر افروزی اور دلکشی و جاذبیت کی وجۂ حقیقی ہے ۔ بوقلمونی ثقافت میں معروضی اور موضوعی دونوں طرح سے پائی جانی چاہیے ، نہ صرف یہ کہ ثقافتی اظہار رنگا رنگ کا ہو ، بلکہ تخیلات میں بھی بوقلمونی کا پایا جانا لازمی ہے ۔

موزونیت ، ثقافت کی ضروری صفت ہے ، کیونکہ اس کے بغیر اس میں جمال و جلال اور عظمت و وقار پیدا نہیں ہو سکتے ۔ ثقافت میں جس

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرح جمال کا پایا جانا ضروری ہے اسی طرح اس کا رنگِ جلال سے مزین ہونا بھی لازمی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ جمال و جلال کے حسین امتزاج ہی سے ثقافت حقیقی معنوں میں حسین بنتی ہے ۔ جب کسی قوم کی ثقافتی زندگی میں موزونیت موضوعی اور معروضی طور پر پائی جاتی ہے تو اس سے نہ صرف اس کے افراد کے تخیلات و افکار میں ، بلکہ ان کی شخصیت و کردار میں بھی عظمت و وقار پیدا ہو جاتا ہے اور دل خود بخود ان سے متأثر ہونے لگتے ہیں ۔

اتقان سے مراد ایسی پختگی و مضبوطی ہے جو ہر قسم کے عیوب اور نقص سے منزہ بھی ہو اور حدِ کمال تک بھی پائی جائے ۔ دوسرے لفظوں میں اِتقان کمال کا مظہر ہے ، اس لیے یہ ثقافت کی ایک ناگزیر صفت ہے ۔ ثقافتی زندگی میں اِتقان کے پیدا ہو جانے سے اس میں نظر افروزی اور دل آویزی ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس سے ہی حیاتِ اجتماعی میں اِستحکام و سالمیت ، نظم و ضبط اور قوت و جبروت پیدا ہوتے ہیں ۔

پاکیزگی ثقافت کی چوتھی صفت ہے اور اس سے مقصود طہارت و معصومیت اور تزکیۂ نفس ہے ۔ ثقافتی زندگی ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاک و صاف ، معصیت کے اثرات سے مبرا اور نیکی کی مظہر ہونی چاہیے ؛ نیز اس میں جمالیاتی اقدار کے لحاظ سے ترقی کرنے کی قابلیت کا پایا جانا بھی ضروری ہے ۔ ثقافت کی پاکیزگی جسم ، قلب اور ماحول کی طہارت پر دلالت کرتی ہے ۔ یہ انسان کے حسنِ ذوق کی مظہر ہے ۔ اس سے تخیل میں رفعت اور عقل میں سلامتی پیدا ہوتی ہے ۔ یہ نہ ہو تو انسان کور ذوق کہلاتا ہے (تزکیۂ نفس سے فکر و نظر میں حسن پیدا ہوتا ہے ؛ اس سے جمالیاتی حس زندہ و بیدار ہوتی ہے ؛ اس سے جذبات و اِحساسات کی صحیح طور پر نشو و نما ہوتی ہے ؛ اور اس سے شخصیتِ انسانی میں ایسی قوتِ اثر و نفوذ پیدا ہوتی ہے جو اس میں کسی اور طرح سے پیدا نہیں ہو سکتی ۔ اس سے انسان کے ذوق اور اس کی ثقافت میں نفاست بتدریج بڑھتی رہتی ہے ، جو اس کے ارتقاے مسلسل کی دلیل ہے ۔

ایک مکتبِ فکر ثقافت سے مراد محض فطرت و فن کے محاسن کی ستائش ہی لیتا ہے ، حالانکہ اس میں حسن آفرینی کا مفہوم زیادہ پایا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ ثقافت نہ صرف حیاتِ انسانی کی آرائش و تزئین کرتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے بلکہ اس کی طمانیت و مسرت کا سامان بھی بہم پہنچاتی ہے۔ یہ انسان کی زندگی کا حاصل ہے، اس لیے اس کی اہمیت پر جتنا زیادہ زور دیا جائے کم ہے۔ شلر[۶] جس نے جرمنی میں شاعرِ آزادی کا خطاب حاصل کیا، مشہور علمائے جمالیات میں سے ہے۔ وہ اپنی تصنیف ''جمالیاتی ثقافت پر خطوط''[۷] میں ثقافت اور سیاست کا موازنہ کرتے ہوئے ثقافت کی اہمیت و ضرورت کے پیشِ نظر، سیاست پر اس کی فوقیت کو تسلیم کرتا ہے اور حسن کو آزادی کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ ''فلسفی اور دنیا دار آدمی کی پُرامید نگاہیں سیاسی اکھاڑے کی طرف لگی ہوئی ہیں، جہاں یہ یقین کیا جاتا ہے کہ انسان کی ارفع و اعلیٰ قسمت نشو و نما پا رہی ہے۔ اگر میں **حُسن کو آزادی** پر فوقیت دوں تو مجھے یقین ہے کہ اس سے نہ صرف میں اپنے میلان کی تشفی کروں گا بلکہ اسے اصولوں کے ذریعے ثابت بھی کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں یہ بات آپ کو باور کرا سکوں گا کہ جمالیاتی ثقافت کا یہ معاملہ ضروریات کے لیے بہت کم اجنبی ہے، بہ نسبت ذوقِ زمانہ کے . . . کیونکہ مشاہدے میں آئے ہوئے سیاسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے انسان کو یقیناً جمالیات سے گزرنا چاہیے، کیونکہ یہ حسن ہے جو آزادی کی طرف رہنمائی کرتا ہے''۔

جیمز ایس کوئنرنز اپنی ''کام اور عبادت''[۸] میں شلر کے مندرجۂ بالا اقتباس کو نقل کر کے اس کی یہ تشریح کرتا ہے: ''دوسرے لفظوں میں، جمالیاتی ثقافت نہ صرف ذوقِ حسن کی تشفی کا ذریعہ ہے، بلکہ انسانی آزادی کو حاصل کرنے کی ایک ضرورت ہے''۔

گوئٹے نے بھی ثقافت کو آزادی کی راہ خیال کیا، کیونکہ یہ سچی انسانیت کے لیے جو ہم میں سے ہر ایک کے دل میں مقید ہے، اظہار کا ایک ذریعہ مہیا کرتی ہے۔ سیاست منتشر مفادات سے تعلق رکھتی ہے اور جذبہ و عمل میں بھونڈا تشدد پیدا کرتی ہے۔ فنون متحدہ مفادات سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ باہمی ہم آہنگ عمل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں''۔

ثقافت کی تیسری شرط ہمدردانہ احساس ہے۔ یہ حسن کے اثر کا فطری نتیجہ ہے اور تخلیقی فعلیت یا فن کاری کے لیے فن کار کے دل میں اس احساس کا ہونا ناگزیر ہے۔ ظاہر ہے یہ تینوں شرائطِ ثقافت جمالیات سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، اس لیے ثقافت کو میں نے جمالیات کی وسعتِ مضمون قرار دیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن اور فن کا چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ فن دراصل حسن کاری کا دوسرا نام ہے ، یعنی حسن کو مشکّل کرنا یا اسے شکل و صورت میں پیش کرنا ۔ حسن جب فن کار کی شعوری کوشش سے چاہے یہ آمد ہو یا آورد کوئی شکل و صورت اختیار کرتا ہے تو اسے فنی تخلیق کہتے ہیں ، اور فنی تخلیق کے حسن کی کمیت و کیفیت کے ایک اندازے کو جمالیات کی اصطلاح میں جمالیاتی قدر[۹] کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ جمالیاتی اقدار کا تعلق براہِ راست حواس اور قلب سے ہے ۔ حواس اور قلب جو ایک ہی سلسلے کی معروضی اور موضوعی کڑیاں ہیں ، مشق و مزاولت سے جب پوری طرح مشاق ہو جاتے ہیں ، تو کسی فنی تخلیق کی جمالیاتی قدروں کو صحیح طور پر معلوم اور متعین کر سکتے ہیں ۔ حواس سے مقصود ، ہماری حسیاتی قوتیں ہیں ، مثلاً سامعہ ، باصرہ ، شامہ ، لامسہ اور ذائقہ ؛ اور قلب سے مراد دل کی انفعالی اور دماغ کی فعلی قوتیں ہیں ۔

فعلی قوتوں کے سرچشمے کا نام دماغ ہے اور انفعالی یا اثرپذیر قوتوں کے مرکز کو دل کہتے ہیں اور پھر دل کی اس خاص قوتِ تأثر کو جس کا وظیفہ خاص طور پر حسن و قبح کے اثرات کو قبول کرنا ہے ، حسِ جمال یا جمالیاتی حس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جمالیاتی حس جتنی زیادہ بیدار و مشاق ہوگی اسی قدر وہ فنی تخلیقات کی جمالیاتی قدروں کا صحیح اندازہ کرنے کے قابل ہوگی اور ان کے محاسن و معائب پر حکم لگانے کی صلاحیت رکھتی ہوگی ۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسن اور فن کیا ہیں ؟ اصل یہ ہے کہ یہ سوال جمالیات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے پیشتر کہ اس سوال کے جواب کو قرآنِ حکیم کی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کی جائے ، میں اس جگہ حسن اور فن کے ان مشہور اور اہم نظریات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں ، جو تاریخِ جمالیات میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ، تاکہ اس سے قرآنِ حکیم کے اساسی جمالیاتی نظریات کو واضح طور پر سمجھنے میں مدد مل سکے ۔

واقعہ یہ ہے کہ حسن اور فن سے متعلق متعدد مکاتبِ فکر ہیں ، جن کے نظریات ایک دوسرے سے متخالف و متضاد ہیں ، لیکن اس تخالف و

toobaa-elibrary.blogspot.com

تضاد میں ایک ایسا تال میل پایا جاتا ہے جو فکرِ انسانی کے ارتقاء کا آئینہ دار ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ ان نظریاتِ حسن کا مطالعہ قرآنِ حکیم کے جمالیاتی نظریات کو سمجھنے کے لیے از بس مفید اور ضروری ہے ، لیکن ان پر مفصل بحث کرنا ، میرا نہیں بلکہ مؤرخ جمالیات کا فرضِ منصبی ہے ، لہٰذا اس جگہ میں ان پر صرف طائرانہ نگاہ ڈالنے پر ہی اکتفا کروں گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے پہلے قرآنِ حکیم ہی نے فلسفۂ جمال کے رموز و اسرار کی وضاحت کر کے ذہنِ انسانی کو اس کی حقیقت سے آشنا کیا اور حسن کو مقصدِ حیات قرار دے کر اس کی غیر معمولی اہمیت و ضرورت پر بجا طور پر زور دیا ۔ اس واقعیت کے باوجود مغربی مفکرین نے جو یقیناً اسلام کے جمالیاتی نظریات سے متأثر و مستفید ہوے ، جمالیات کی ترویج و ترقی میں نمایاں حصہ لیا ہے ۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں پہلے ان کے جمالیاتی نظریات کو بیان کرتا ، مگر ہندو مت کی قدامت اور اس قوم کی قربت کے احساس نے مجھے پہلے ہندوؤں کے جمالیاتی نظریات سے بحث کرنے پر مائل کیا ہے ، لیکن میں افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ جہاں تک میری تلاش و جستجو کا تعلق ہے ، ہندو فلسفے میں حسن پر کوئی بحث نہیں ملتی ۔ اس کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ آریہ قبائل در قبائل ہندوستان میں آئے تو اپنے مذہبی معتقدات کی وجہ سے وہاں کے قدرتی مناظر کے جمال سے زیادہ ان کے جلال سے متأثر ہوے ۔ وہ ان جلیل مناظر کی جمالیاتی قدروں سے آگاہی حاصل کرنے اور ان سے محظوظ و لطف اندوز ہونے کے بجائے ان سے اتنے مرعوب ہوے کہ ان کی پرستش کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ جمال سے تغافل اور جلال سے مرعوبیت کی وجہ سے ہندو فلسفے میں کہیں بھی حسن کو موضوعِ بحث نہیں بنایا گیا ہے ، لیکن اس کے باوجود ہنود کو فنونِ لطیفہ سے شغف رہا ہے ۔ چنانچہ انھوں نے سنگ تراشی ، مصوری ، موسیقی اور شاعری میں بڑے بڑے کمالات دکھائے ہیں ۔ ہندو قوم کی دیومالا چونکہ اس کے تمام علمی اور فنی نظریات کا منبع ہے اس لیے میں اس کے نظریاتِ فن کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے اس میں سے وہ قصہ نقل کرتا ہوں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ فنِ مصوری کی ابتدا کیسے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیوں کر ہوئی ؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک برہمن کا بیٹا مر گیا ۔ باپ غم و حزن کے عالم میں موت کے دیوتا — **یاما** کے پاس گیا اور اس سے بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگی ، مگر اس نے بیٹے کو واپس دینے سے انکار کر دیا ۔ اس پر وہ زندگی کے دیوتا — **برہما** کے پاس گیا ، اور اس سے درخواست کی کہ وہ **یاما** سے اس کا بیٹا واپس لے دے ۔ یہ ناممکن تھا کیوں کہ بیٹا موت کے بعد کی ہستی میں وہ نہیں رہا تھا جو پہلے تھا ، لیکن **برہما** نے باپ کی تسکین کے لیے اسے بیٹے کا بدل دینے کی پیش کش کی ۔ باپ نے عقل سے کام لے کر اسے قبول کر لیا ۔ تب زندگی کے دیوتا نے ماتم کناں باپ کو رنگ اور برش بنانے اور اس کے ساتھ اپنے مرے ہوئے بیٹے کی تمثیل بنانا سکھائی ۔ جب باپ نے اس طرح اپنے بیٹے کی اس تصویر کی دوبارہ تخلیق کر لی جو اس کے اپنے ذہن میں تھی تو **برہما** نے اس میں زندگی کی روح پھونک دی اور وہ تمثیل زندہ انسان بن گئی ۔

ہندو دیو مالا کے اس قصے سے مندرجۂ ذیل نتائج مستنبط کیے جا سکتے ہیں :

(۱) فن کا حقیقی سرچشمہ وہ روحِ خلاق ہے جو ہماری فطرت میں ودیعت کی گئی ہے ۔

(۲) احساس ، فن کا محرکِ حقیقی ہے ۔

(۳) تخیل اس تحریکِ احساس کی راہنمائی روحِ خلاق کی طرف کرتا ہے ۔

(۴) تخیل ان صورتوں کا عالَمِ موضوعی ہے جو معرضِ اظہار میں آ کر فنی تخلیقات کہلاتی ہیں ۔

(۵) فنی استعداد وہبی بھی ہوتی ہے اور اکتسابی بھی ۔

(۶) فن میں زندگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب فنکار اپنی روح اس میں پھونکتا ہے ، جسے سوز ، خونِ جگر ، اِخلاص ، عشق وغیرہ کئی ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

(۷) فن فطرت کی نقالی نہیں ، جیسا کہ قدیم یونانی فلاسفہ کا نظریہ تھا ، اور نہ یہ زندگی پر تبصرہ ہی ہے ، جیسا کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

دورِ حاضر کے بعض ناقدین خیال کرتے ہیں ، بلکہ یہ اس کا بدل ہے ۔

ہندو قوم کے سرمایۂ علم و ادب میں جمالیاتی نظریات کے فقدان کے سبب میں اسی ایک مثال پر اکتفا کرنے پر مجبور ہوں ۔ چنانچہ اب میں مغربی علمائے جمالیات کے نظریاتِ حسن و فن کو موقع و محل کے تقاضے کے پیشِ نظر نہایت اِختصار و اِیجاز کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کروں گا ۔

سقراط (۴۶۹ - ۳۹۹ قبل از مسیح)[۱۰] حسن کو ذاتِ الٰہی کا مظہر سمجھتا ہے ۔ اگرچہ اس نے واضح طور پر حسن کی ماہیت پر کچھ نہیں کہا ، لیکن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے متقدمین کی طرح تناسب و ہم آہنگی کو حسن کے ناگزیر اجزائے ترکیبی سمجھتا ہے ۔

حسن اور فن کے تعلق کی نوعیت اس کے نزدیک اصل اور فرع کی سی ہے ۔ وہ حسن کو اصل اور فن کو فرع خیال کرتا ہے ۔ اصل اور فرع چونکہ ایک نہیں ہو سکتیں ، اس لیے حسن اور فن بھی ایک نہیں ہو سکتے ۔ مزید براں حسن چونکہ حقیقت ہے ، اس لیے فن حقیقت نہیں ہو سکتا ، اور چونکہ یہ حقیقی قدروں کا حامل نہیں اس لیے اس کا باطل اور لاحاصل ہونا لازمی ہے ۔ سقراط نے حسن اور فن کے تعلق پر ایک اور انداز سے بھی روشنی ڈالی ہے ۔ اس کے نزدیک حسنِ مطلق کا مظہر کامل فطرت یا کائنات ہے ، لہٰذا وہ صرف اس شے کو خوب صورت سمجھتا ہے جو اپنی صورت میں فطرت سے مکمل مماثلت و مشابہت رکھتی ہے ۔ فن کار اپنے کمالِ فن کے باوجود چونکہ فطرت کی مثل اپنی فنی تخلیقات کی تکمیل نہیں کر سکتا ، اس لیے فن ناقص اور ادھورا ہوا ۔ سقراط حسن اور خیر کو چونکہ ایک ہی حقیقت کے دو رخ تصور کرتا ہے ، لہٰذا وہ ہر اس شے کو جو حسنِ مکمل نہیں ، حیاتِ انسانی کے لیے سود مند نہیں سمجھتا ۔ اس کا نظریۂ فن یقیناً افادی ہے ، لیکن اس کی افادیت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے ، جتنا کہ علمائے جمالیات عام طور پر سمجھتے ہیں ۔ وہ افادیت سے روح کی سکینت و رفعت مراد لیتا ہے اور اس کو پھر حسنِ عمل یا اخلاقِ حسنہ کا مبنیٰ سمجھتا ہے ۔ اس کے علاوہ روح چونکہ غیر فانی ہے اس لیے اس کی افادیت بھی زمان و مکان کی قیود سے ماوراء ہے ۔

سقراط نے ذاتِ الٰہی کو اگاتھوس (ayaqos) سے تعبیر کیا ، یعنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ ''اَلْخَیْر'' ہے ، سر تا سر خوبی اور حسن ہے ، لیکن اس کے شاگرد افلاطون (۴۲۷ - ۳۴۷ ق م)[۱۱] نے اس تصور سے ارفع تر تصور قائم کرنے کی کوشش کی ، جسے اس نے ''خیر محض'' کہا ، مگر سقراط کے صفاتی تصور پر کوئی اضافہ نہ کر سکا۔ افلاطون چونکہ عالَمِ حقیقت کو حسنِ مطلق کی جلوہ گاہ تصور کرتا ہے اس لیے اس کے عرفان کو علم و حکمت کی معراج سمجھتا ہے ، اور اس بنا پر وہ علم و حکمت یا عقل کو عشق پر ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ اپنے فلسفۂ غایت کی تشریح کرتے ہوئے وہ ایک جگہ لکھتا ہے : ''فلسفۂ غایت کی تشریح تجزیہ و تحلیل کے آخری مرحلے پر انسانی افعال کی روشنی میں نہیں بلکہ جمالیاتی قدر کی روشنی میں کرنا پڑتی ہے۔ اہلِ خرد جانتے ہیں کہ اس جمالیاتی قدر کا تعلق نظامِ عقل سے ہے اور یہ نظام ریاضی کی حسین نسبتوں میں پایا جاتا ہے۔ ہر شے جو نیک ہے خوب صورت ہے اور ہر شے بغیر وزن کے نہیں ہوتی۔ یہ صرف عالَمِ تَجْرِید ہے جہاں نیکی کی قوت اس عالَمِ حسن میں گوشہ نشیں ہو جاتی ہے ، جس کو ہمیں نیکی کی خاطر دیکھنا پڑتا ہے . . . نظام کے ابدی کمال میں ، نہ کہ مقاصد و ذرائع کے باہمی تعلق میں۔ صرف اسی مقام پر انسان کا فلسفۂ غایت اپنی حقیقی اہمیت حاصل کرتا ہے''۔ اس سے ہم یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتے ہیں کہ افلاطون حسن ، نیکی اور عقل کو ایک ہی سلسلے کی تین کڑیاں تصور کرتا ہے اور 'حسنِ مطلق کے مشاہدے میں غایتِ زندگی کو مضمر دیکھتا ہے۔

افلاطون نے فن کے مسئلے کو اپنے مشہور مابعدالطبیعیاتی نظریۂ تصوریت (یا عینیت)[۱۲] کی روشنی میں دیکھا ہے۔ اس کے اس نظریے کی رو سے اس زمان و مکان کے ماوراء ازلی اور غیر فانی تصورات یا امثال کا عالم ہے اور یہی حقیقی عالم ہے اور ہماری دنیا ان ازلی تصورات کے ناقص مظاہر کی جلوہ گاہ ہے ، لہٰذا یہ مجازی ہے۔ مجاز چونکہ حقیقت کا ظِل یا پرتو ہے اور فن حقیقت کی بجائے مجازی صورتوں کی نقالی کرتا ہے اس لیے وہ باطل ہے اور باطل تخلیق کبھی مقصودِ زندگی نہیں ہو سکتی ، بلکہ اس کے برعکس وہ غیر افادی اور سلبی قدروں کی حامل ہوگی۔ لہٰذا

toobaa-elibrary.blogspot.com

فن کار خصوصاً شاعر **مثالی حکومت** میں آزادی سے زندگی گزارنے کا سزاوار نہیں۔ افلاطون کے نظریہ ٔ فن کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے - مصور چیزوں کی نقل آتارتا ہے اور چیزیں تصورات کو ظاہر کرتی ہیں اور تصورات حقیقت ہیں - مصور اس طرح تیسرے درجے پر حقیقت کی نقالی کرتا ہے۔

اس کے نظریہ ٔ فن میں دائمی عنصر ایک دوسرے پر مبنی تین اصولوں میں مضمر ہے : (۱) فن میں تخیل ، صورت سے اوّلیت کا درجہ رکھتا ہے ؛ (۲) فن کی عظمت اخلاقیات پر مبنی ہے ؛ (۳) فن اور اخلاقیات ایک ہی سلسلے کی دو مربوط کڑیاں ہیں ان معنوں میں کہ فن کار کا کردار اس کی تخلیقی فعلیت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ کہ فنی تخلیقات انسان کی زندگی پر اس طرح اثرانداز ہوتی ہیں کہ انھیں اخلاقیات کی صورت میں تعبیر کر سکتے ہیں۔

افلاطون کے نزدیک حسن بے شک حسی اور روحانی خوشیوں کا مبدأ ہے ، لیکن وہ صرف ان مسرتوں کو مقصودِ زندگی سمجھتا ہے جو پاکیزہ ہیں اور یہ صرف حسنِ قلب کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہیں - چنانچہ نیکی اور مسرت کے باہمی تعلق کی صراحت کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے :

> ”موسیقی کو نفاست اور خوشی سے ناپ لیا جا سکتا ہے ، لیکن ہر کس و ناکس سامع کی خوشی سے نہیں - حسین ترین موسیقی وہ ہے جو سب سے زیادہ تعلیم یافتہ شخص کو سب سے زیادہ خوش کرتی ہے اور خاص کر وہ موسیقی جو اس شخص کو خوشی بخشتی ہے جو نیکی اور علم میں معروف ہے“ .

افلاطون اور اس کے شاگرد ارسطو[۱۳] کے جمالیاتی نظریات میں نمایاں فرق ہے - افلاطون تصوریت پسند ہے - اس کے نظریے کی بنیاد ان اصولوں پر قائم ہے جو حیاتِ انسانی کے مطالعے سے اخذ کیے گئے ہیں - ارسطو شیئیت یا حقیقت پسند ہے اور اس کے نظریے کا مبنیٰ وہ علمی مواد ہے جو اس کے سامنے موجود تھا - ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ افلاطون فن کو فلسفیانہ اظہار و ابلاغ کا ذریعہ سمجھتا ہے اور تنقید اس کی نظر میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کا نام ہے کہ فن کا پیام ، فلسفے کے پیام سے کس قدر مطابقت و ہم آہنگی رکھتا ہے - ارسطو اس کے برعکس فن کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اخلاق مقصدیت سے علٰحدہ اور آزاد تصور کرتا ہے۔ وہ اپنی کتاب اخلاقیات میں لکھتا ہے: ''فن تخلیقی صلاحیت اور عقل کی وحدت کی تخلیق ہے''۔ شعریات میں وہ کہتا ہے: ''تخلیقی صلاحیت کا سرچشمہ نقالی کا قدیمی جذبہ ہے''۔ ارسطو اور افلاطون کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ارسطو نقالی میں تمام تخلیقی فن کی اصل کو مضمر سمجھتا ہے اور اس سے تخلیقِ مکرر مراد لیتا ہے، لیکن افلاطون اس لفظ کو محض نقالی یا عکاسی کے مفہوم میں استعمال کرتا ہے۔

ارسطو کا نظریۂ حسن اپنے عہد کے نظریات سے بہت حد تک متأثر نظر آتا ہے، لہٰذا وہ بھی حسن کو نیکی اور نیکی کو مسرت سمجھتا ہے: ''حسن وہ نیکی ہے جو مسرت انگیز ہے کیونکہ یہ نیکی ہے''۔ اس سے وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حسن، نیکی اور مسرت حقیقتِ مطلقہ کے تین مظاہر ہیں اور اصل کے اعتبار سے ان میں ہی مقصدِ زندگی مضمر ہے۔

اعتدال اس کی نظر میں حسن، نیکی اور مسرت کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا جس طرح قول و فعل میں اعتدال نیکی کہلاتا ہے، اسی طرح کسی شے کے عناصرِ تخلیقی میں اعتدال، اس کے حسن اور سرور انگیزی کا باعث ہے۔

ارسطو 'قبح'[۱۳] کو حسن کی ایک ناگزیر صفت خیال کرتا ہے اور اسے کئی ایک طریقوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ''قابلِ تضحیک'' فرحیہ کا موضوع ہے اور چونکہ یہ فنِ لطیف کے ضمن میں آتا ہے اس لیے یہ خوب صورت شے کی ایک ضروری صفت ہوا۔

اپنے پیشرو فلاسفہ خصوصاً افلاطون کی طرح ارسطو بھی فن کو نقالی ہی خیال کرتا ہے، اور پھر نقالی کو علم و حکمت کے حصول کا ناگزیر ذریعہ بھی سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک نقالی اگرچہ ناپسندیدہ شے کی بھی کیوں نہ ہو، نشاط انگیز ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فن کار کی نقالی محض عام واقعے کی تمثیل آرائی نہیں، بلکہ آفاقی یا مثالی واقعیت ہوتی ہے، جس کی تہ میں معمولی واقعہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ فن کی ہر صنف خصوصاً شاعری کو تاریخ سے زیادہ حقیقت کا آئینہ دار سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک فنِ نقالی سے بد صورت شے بھی خوب صورت نظر آنے لگتی ہے، کیونکہ حقیقت سے اس کا مظہر اور مظہر سے اس کی فنی عکاسی زیادہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

خوب صورت ہوتی ہے۔ یہ نظریہ ایک اعتبار سے جدید رومانی فن کا سنگ بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ وہ فطرت کو حسن کا معیار تو سمجھتا ہے مگر فن کو عروج کمال تک پہنچانے کے لیے فن کار کے تصور کی اہمیت پر بھی زور دیتا ہے۔ **علامہ اقبال** بھی قریب قریب اسی نظریۂ فن کا حامی معلوم ہوتا ہے:

بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

ارسطو اپنے اس نظریے کی بنا پر فن کی یہ تعریف کرتا ہے: ''کسی پیش نظر حقیقت کی نقالی کو اپنے زور تخیل سے حد کمال تک پہنچانا'' — اور غالباً اپنے اس نظریے کی بنا پر وہ شاعری کو فن کی دیگر تمام اصناف پر ترجیح دیتا ہے۔

لون جائی نس[۱۵] تیسری صدی کا مشہور عالم ہے، جس کے نام سے ''**جلال**''[۱۶] نامی ایک کتاب منسوب ہے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے جلال کا تصور پیش کیا گیا ہے جس پر آگے چل کر دیگر فلاسفہ کے علاوہ کانٹ نے بھی خوب بحث کی ہے۔ لون جائی نس جلال کو حسن سے ارفع و اعلیٰ شے سمجھتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ اس کی یہ تعریف کرتا ہے: ''جلال روح کی عظمت کا سایہ ہے''، لیکن جلال سے وہ عام طور پر فطرت کے وہ عظیم الشان مظاہر مراد لیتا ہے جو مہیب و پرشکوہ نظر آتے ہیں۔ جب ہم زندگی کے تمام دائرے کا جائزہ لیتے ہیں اور ہر جگہ اسے ان چیزوں سے معمور دیکھتے ہیں جو نظر افروز، شان دار اور خوب صورت ہیں، تو ہم فوراً یہ بات سمجھ لیتے ہیں کہ حیات انسانی کی غایت حقیقی کیا ہے؟ اور یہی وجہ ہے کہ فطرت ہمیں محض ایک چھوٹی سی ندی کی صفائی اور افادیت کی تعریف کرنے پر نہیں، بلکہ نیل، ڈینیوب، رائن اور بحر زخار کے ماوراء ہر شے کی ستائش کرنے پر اکساتی ہے''۔

جلال جب مقصود زندگی ہوا تو پھر فن میں اس کی غیر معمولی اہمیت سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ ''جب کوئی ادیب، کوئی دوسرا ذریعہ استعمال کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو انسان ثابت کرتا ہے، لیکن جلال اسے خدائے تعالیٰ کے نفس کبریائی کے قریب اٹھا کر لے جاتا ہے''۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمالیات میں ارسطو کے بعد سب سے اہم فلسفی فلاطینوس[۱۷] ہے، جو عہد قدیم کے حکماء کے سلسلے کی آخری کڑی اور فلسفۂ اشراق کا بانی ہے۔ اس کے نظامِ فکر میں 'نور و ظلمت کا مابعدالطبیعی نظریہ چونکہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس نے جمالیات کے مسائل کو بھی اسی نظریے کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"حسن تناسب و ہم‌آہنگی کا نام نہیں، بلکہ وہ 'نور ہے جو چیزوں کے تناسب و ہم‌آہنگی کے اوپر چمکتا ہے اور اسی پر ان کی دلکشی و نظر افروزی کا انحصار ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ حسن کا نور زندہ چیزوں پر تو ہوتا ہے، مگر مردہ چہرے پر اس کا صرف شائبہ ہی ہوتا ہے، اگرچہ اس کی صورت عناصرِ ترکیبی کے تناسب و ہم‌آہنگی کے لحاظ سے ابھی خراب بھی نہ ہوئی ہو۔ یا اور کیا وجہ ہے کہ زندہ 'نما مجسمے نسبۃً زیادہ خوب صورت ہوتے ہیں، اگرچہ بے جان مجسمے ان سے زیادہ متناسب و ہم‌آہنگ کیوں نہ ہوں؟ اور یہ کیوں ہے کہ ایک نسبۃً زیادہ بدصورت زندہ شخص، کسی حسین شخص کے مجسمے سے زیادہ دلکش ہوتا ہے؟ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندہ حسن بے جان حسن سے زیادہ محبوب و مرغوب ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس سے زیادہ نیکی کی فطرت کا حامل ہوتا ہے"۔

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فلاطینوس حسن کی جاذبیت و نظرافروزی کو زندگی سے وابستہ سمجھتا ہے۔ زندگی کی اس تاثیر کو نطشے قوت سے، برگسان قوتِ حیات سے اور اقبال قوتِ خودی سے تعبیر کرتا ہے۔ فلاطینوس جب اس بات سے انکار کرتا ہے کہ حسن تناسب و ہم آہنگی کا نام ہے تو وہ یہ دلیل دیتا ہے اگر حسن تناسب و ہم آہنگی کا نام ہے تو پھر کسی حسین شے کے تمام عناصر کا فرداً فرداً اور مجموعی طور پر متناسب و ہم آہنگ اور خوب صورت ہونا لازمی ہوا ہے، لیکن مثال کے طور پر یہ کائنات جو اتنی خوب صورت نظر آتی ہے اس کے تمام عناصرِ ترکیبی جیسے رنگ، برق، تارے، وغیرہ ہم آہنگ اور خوب صورت نہیں ہیں۔ لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ حسن کا انحصار تناسب و ہم آہنگی پر نہیں بلکہ حسن کے 'نور پر ہے۔ چنانچہ رنگ کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن بھی جو سادہ ہوتا ہے ظلمت پر غالب آنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا غلبہ ایسے اصول کا شرمندۂ احسان ہے جو غیر مادی ہے اور اسے ''تَعَقُّل'' اور ''صورت'' کہتے ہیں ۔

فلاطیونس کے فلسفۂ جمال میں ایک عجیب بات یہ نظر آتی ہے کہ وہ اپنے تمام پیشرو مفکرین کے برعکس تخلیقِ حسن کے لیے عقل کو ضروری سمجھتا ہے ، مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے : ''تمام دیوتا یقیناً رفیع المرتبت اور حسین ہیں ، لیکن ان کا حسن ہمارے بیان سے ماوراء ہے - وہ کون سی چیز ہے جو انھیں ایسا بناتی ہے ؟ یہ عقل ہے ، خصوصاً وہ عقل جو ان کے باطن سے نکل کر عالمِ ظاہر تک سرگرم عمل رہتی ہے'' .

فن پر اس نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فن کی مثالیت کا قائل تھا ، اس لیے وہ فن کو محض نقالی نہیں سمجھتا تھا - اس کا یہ نظریہ یقیناً ترقی یافتہ معلوم ہوتا ہے - چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتا ہے :

''اگر کوئی شخص فنونِ لطیفہ کی محض اس وجہ سے تحقیر کرتا ہے کہ وہ نقالی کے ذریعے معرضِ وجود میں آئے ہیں ، تو پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کائنات کی تمام چیزیں بذاتِ خود کسی اور شے کی نقل ہیں ، مثلاً عقل و تخیّل کی - اس کے علاوہ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فنون محض عالَمِ مرئی کی نقالی نہیں کرتے بلکہ وہ اس عقل کی طرف رجوع کرتے ہیں جو فطرتِ کائنات کا سرچشمہ ہے - مزید برآں وہ اپنے آپ کو بہت کچھ تخلیق کرتے ہیں اور اس شے میں حسن و کمال کا اضافہ کرتے ہیں ، جو ناقص اور ادھوری ہوتی ہے ، اس حیثیت سے کہ ان کے اپنے تصرف میں حسن ہوتا ہے'' .

اس اپنے نظریے کو فلاطیونس نے دوسری جگہ ایجاز و اختصار کے باوجود نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے :

''ایک خوب صورت شے اس عقل میں حصہ لینے سے پیدا ہوتی ہے جس کا منبع الوہیت ہے'' .

فلاطیونس بار بار اس بات کو مختلف اسالیب سے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود حسن و نور بھی ہے اور حسن و نور

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا سرچشمہ بھی ؛ اور انسان حسنِ الٰہی کا مشاہدہ اپنے حسنِ باطنی کے نور ہی سے کر سکتا ہے ۔ مشاہدۂ الٰہی سے اوپر ایک اور منزل ہے جو انسان کی آخری منزلِ مقصود ہے اور وہ حضوری و وصال کی منزل ہے ۔ اس منزل پر پہنچ کر انسان کو جو وجد آفریں کیف و سُرور حاصل ہوتا ہے ، وہی حقیقت میں حاصلِ زندگانی ہے ۔

آگستائین۱۸ حسن کو تناسب و ہم آہنگی میں مضمر دیکھتا ہے ، لہٰذا اس کے نزدیک ہر خوب صورت چیز کے عناصرِ ترکیبی میں تناسب و ہم آہنگی کا پایا جانا لازمی ہے ۔ اس نے اس نظریے کو کائنات پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اس کا نظریۂ حسن دراصل ''ہم آہنگی میں ہم آہنگی'' کا نظریہ ہے جس کو دورِ جدید میں وائٹ ہیڈ نے نہایت جامع الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ بہر کیف آگستائین نے وحدت میں کثرت کی ضرورت و اہمیت پر بہت زور دیا ہے ۔ جس طرح ایک نغمہ مختلف و متضاد سروں سے خوب صورت بنتا ہے ، اسی طرح یہ کائنات بھی مختلف و متضاد چیزوں کے باعث خوب صورت نظر آتی ہے ۔ لہٰذا اگر متضاد و متخالف چیزوں کو صحیح ترتیب سے رکھا جائے تو ان میں حسن پیدا ہوتا ہے ۔ زہریلے اور خطرناک جانور تک اس دنیا میں اپنا ایک ضروری مقام رکھتے ہیں اور اس لیے وہ اس کائنات کے حسین عناصر میں سے ہیں ۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کی بظاہر ہر متخالف و متضاد شے میں چونکہ کُلّی اور انفرادی ہر حیثیت سے مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے ، اس لیے وہ خوب صورت ہے ۔

آگستائین نے رنگ کو تناسب و ہم آہنگی کے علاوہ ، حسن کا ایک عنصر قرار دینے پر زور دیا ہے ۔ وہ تاریخی طور پر اپنی ایک گونہ دلچسپی کا سامان رکھتا ہے : ''ہر مادی چیز کا حسن ، اس کے حصوں کا تناسب ، اعتدال اور رنگ کی نظرافروزی ہے''۔

اسپنوزا۱۹ کو حسن کا منکر کہیں تو بے جا نہ ہوگا ۔ اس کے نزدیک اس کائنات میں نہ حُسن ہے اور نہ قُبح ، کوئی شے یہاں نہ تو اچھی ہے اور نہ ہی بُری ۔ چنانچہ وہ حسن کو ایک بے معنی اصطلاح اور عقل کے اُلجھاؤ کی ایک صورت خیال کرتا ہے ۔

لوگوں نے جب اپنے آپ کو یہ بات ماننے پر آمادہ کر لیا کہ دنیا میں جو شے بھی معرضِ ظہور میں آتی ہے فقط انسان کی خاطر ہی آتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے ، تو پھر انھیں ہر اس شے کو جس کا اثر ان پر سب سے زیادہ خوشگوار پڑا ، اعلیٰ خیال کرنا پڑا ۔ لہٰذا چیزوں کی خاصیت بیان کرنے کے لیے انھوں نے نیکی ، بدی ، نظم ، بدنظمی ، حسن اور قبح کے تصورات وضع کر لیے اور پھر اپنے معتقدات کی بنا پر انھوں نے ستائش و مذمت اور گناہ و ثواب کے تصورات گھڑ لیے ۔ وہ ہر شے کو نیکی سمجھتے ہیں ، جو صحت ِ جسمانی اور عبادت ِ الٰہی کے لیے مفید ہے ، اور جو ان کے لیے ُبری ہے اسے بدی خیال کرتے ہیں :

''حقیقت یہ ہے کہ نیکی اور بدی چیزوں کی مثبت قدروں کو ظاہر نہیں کرتی ہیں ، یعنی ان کی ذاتی مثبت قدروں کو ؛ یہ محض سوچنے کے انداز ہیں ، یا موضوعی تصورات ۔ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں اچھی بھی ، بری بھی اور نہ اچھی نہ بری بھی ہو سکتی ہے ، مثلاً موسیقی ایک اداس شخص کے لیے تو اچھی ہے ، مگر ایک ماتم کناں شخص کے لیے ُبری ہے ، لیکن ایک بہرے کے لیے نہ اچھی ہے اور نہ بری''.

شیفٹس بری[۲۰] حسن کو کائنات کی اُلوہیتی زندگی کا اظہار سمجھتا ہے ، اِس لیے وہ قبح اور شر کی کوئی توجیہ نہ کر سکا ۔ بہرحال اس کے نزدیک فن کا حقیقی مقصد تصورات و جذبات کو صوری طور پر حواس کے ذریعے قلب کے سامنے لانا ہے ۔ یہ حسن و قبح میں امتیاز کرنے کے لیے آنکھ اور کان کی تربیت و مشق پر بہت زور دیتا ہے ۔

ہیوم[۲۱] کا فلسفۂ حسن رنگ ِ تشکیک سے داغ دار ہے ۔ وہ حسین کو بے حقیقت اور خیالی شے سمجھتا ہے :

''میں جانتا تو نہیں ، مگر ہو سکتا ہے کہ خار ِ مغیلاں اور پھول دار جھاڑیوں سے معمور میدان اتنا ہی خوب صورت ہو ، جتنی کہ انگور کی بیلوں یا زیتون کے درختوں سے چھپی ہوئی پہاڑی ۔ اگرچہ ایسا اس شخص کو دکھائی نہیں دے گا ، جو دونوں میں سے ہر ایک کی قدر سے واقف ہے ، لیکن یہ محض تصور کا حسن ہے ، اور جو کچھ حواس کو دکھائی دیتا ہے وہ قطعاً بے اصل ہے''.

''نیکی اور بدی اشیاء کی ذاتی صفات نہیں ، بلکہ یہ قلب کے اصول ہیں ، کیونکہ جب ہم کسی فعل کو ُبرا کہتے ہیں تو اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے مراد بجز اس کے کچھ نہیں ہوتی کہ ہم اپنی فطرت کی ساخت کے سبب اس شے پر غور کرتے وقت الزام کا ایک جذبہ یا احساس رکھتے ہیں"۔

بام گارٹن[۲۲] کے نظریۂ جمال میں تصورِ "کمال" کو مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ چنانچہ وہ کمال کو حسن کی ایک ناگزیر صفت سمجھتا ہے اور احساس یا جذبے کی تکمیل کو حسن کا نام دیتا ہے ۔ بوزنکٹ[۲۳] کی رائے میں بام گارٹن نے تصورِ کمال کو براہِ راست وولف سے لیا ہے اور وولف کے نزدیک کمال سے مراد کُل کا اپنے اجزاء سے منطقی تعلق یا کثرت میں وحدت ہے اور ان ہی معنوں میں بام گارٹن بھی کمال کے لفظ کو استعمال کرتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں وہ جذبے یا احساس کے مکمل اظہار کو حسن سے تعبیر کرتا ہے ۔ میرے نزدیک اس کا یہ نظریۂ حسن جمالیات کے اس مکتبِ فکر کا سنگِ بنیاد ہے جو "اِظہاریت" کے نام سے مشہور ہے اور جس کا سب سے بڑا علمبردار کروچے تھا ۔

بام گارٹن کے نزدیک یہ کائنات جو اختلاف و تضاد اور بوقلمونی و تنوع کی آئینہ دار ہے ، اپنے گوناگوں نظاروں کی کثرت میں ایک مکمل ہم آہنگی رکھتی ہے ، جسے وہ وحدت کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور اس وحدت کو وہ کمال اور کمال کو مظہرِ حسن سمجھتا ہے ۔ اس لحاظ سے وہ فقدانِ کمال یا حریفِ کمال شے کو قُبح خیال کرتا ہے ۔

لائبینز[۲۴] کی رائے میں سب سے زیادہ کمال اس کائنات میں پایا جاتا ہے ۔ اس کے علاوہ دوسرا ہر نظامِ تخلیق اس سے کم مکمل ہے ۔ بام گارٹن اس نظریے کی روشنی میں آگے بڑھتا ہے اور فطرت کو جسے ہم حواس سے مشاہدہ کر سکتے ہیں ، فن کا بہترین معیار اور نمونہ قرار دیتا ہے اور اپنے اسی نظریے کی بنا پر وہ ان نیچرل یا غیر فطری شاعری کو نسبتاً کم مکمل ، اس لیے کم حسین سمجھتا ہے ۔ غرض اس کے نزدیک فطرت کی نقالی ہی فن کا قانون ہے ۔ جان رسکن کے نظریۂ فن کی بنیاد بھی بام گارٹن کے اسی نظریۂ فن پر مبنی ہے ۔

حسن کی بنیادی صفت کا میلان لذت انگیزی سے زیادہ علم آموزی کی طرف ہے ، لیکن ہر کمال چونکہ خوشی بخشتا اور خواہش پیدا کرتا ہے ، اس لیے سُرور انگیز کمال کا دوسرا نام حسن ہے ۔

ہوگارتھ[۲۵] اپنے نظریۂ "خطِ حسن"[۲۶] کے لیے مشہور ہے ، جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ ہے : ''تمام ٹیڑھے خطوط میں'' وہ خط خوب صورت ہے ، جو نہ تو زیادہ ٹیڑھا ہے اور نہ ہی بہت کم ٹیڑھا ہے''۔ اس نظریے کا افلاطون کے اس نظریے سے تقابل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ، جس میں وہ خطِ مستقیم یا دائرے کو خوب صورت کہتا ہے ۔

ہوگارتھ پیچیدگی اور تسلسلِ بوقلمونی کو حسن کے ضروری عناصر سمجھتا ہے اور اسی نظریے کی بنا پر وہ مرصع اور 'پرتکلف ڈیزائن کو حسن آفرینی کے لیے ضروری خیال کرتا ہے اور اسے سادہ ڈیزائن پر ترجیح دیتا ہے ۔ اٹھارھویں صدی کے علمائے جمالیات میں وہ پہلا شخص ہے جس نے وضعیت اور ترصیع کو فن کا اہم جز قرار دیا ہے ۔

رینلڈز[۲۷] شاندار اسلوبِ فن کو تکلف اور تصنع کا مرہونِ منت نہیں سمجھتا ، بلکہ اس اسلوبِ فن کو شان دار تصور کرتا ہے جو فطرت کے اسلوب کی طرح سادہ ، معتدل اور حسن آفرین ہے ۔ لہٰذا وہ 'پر زور الفاظ میں فطرت کی ہر فنی تخلیق کو حسنِ کامل کا شاہکار کہتا ہے ۔

لیسنگ[۲۸] کا نظریۂ حسن معروضی ہے ، کیونکہ وہ حسن کے صرف خارجی یا مادّی پہلو کا قائل ہے اور مادّی حسن کے متعلق اس کا تصور صوری ، ہندسی اور وصفی ہے ۔ ان مصطلحات کی صراحت کر دینا ضروری ہے ۔ صوری حسن سے اس کا مقصود ایسا حسن ہے جو مشکل اور صورت پذیر ہو ، بالفاظِ دیگر وہ شکل و صورت کا رہینِ منت ہو ۔ ہندسی تصورِ حسن سے وہ ایسا حسن مراد لیتا ہے جس میں ہندسی تناسب پایا جائے ، یعنی حسن ایسے تناسب کا نام ہے جسے علمِ ہندسہ کے ذریعے معلوم کیا جا سکتا ہے؛ وضعی تصورِ حسن سے اس کی مراد یہ ہے کہ حسن ، سادگی کا نہیں بلکہ آرائش و تکلفات کا مرہونِ منت ہے ۔

لیسنگ کے تصورِ حسن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ حسن کی صفت جلال کو اس کی صفتِ جمال سے زیادہ اکمل سمجھتا ہے ۔ چنانچہ اس کے نزدیک مرد کا حسن نہ صرف صنفِ نازک کے حسن سے بلکہ کائنات کی ہر شے کے حسن سے اعلیٰ و اکمل ہے ۔ اسی بنا پر وہ اسے مثالی حسن کہتا ہے ۔

ونکل مان[۲۹] کی مشہور تصنیف **''تاریخِ فنون''**[۳۰] جب تک شائع نہ ہوئی تھی لیسنگ اظہاریت و صداقت کو حسن کے حدود سے خارج سمجھتا تھا اور فن میں حسن برائے حسن کے نظریے کا قائل تھا ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"فن کا مقصد حسن کی طلب و جستجو ہے نہ کہ اس کا اظہار"۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے مادی حسن کو اظہاریت و معنویت سے علٰحدہ اور بے نیاز تصور کرتا تھا اور غالباً اسی بنا پر وہ فن میں افادی اور احتیاجی نظریات کو غلط سمجھتا تھا، لیکن جب ونکل مان کی "**تاریخِ فنون**"، چھپ کر لیسنگ کی نظروں سے گزری تو اس کو حسن میں اظہاریت کا قائل ہونا پڑا۔ چنانچہ اس نے اپنی مشہور تصنیف **لا کون**[۳۱] کے حاشیوں میں جو تاریخِ فنون کے بعد شائع ہوئے، اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اظہاریت حسن کا ایک عنصر ہے۔ اظہاریت سے اس کا مقصود ایسی مستقل اظہاریت ہے جو شدید نہ ہو اور یہ نہ صرف حسن کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں بوقلمونی پیدا کرتی ہے۔ یہ تصور اصل میں ونکل مان کا ہے جو حسن کے شان دار اسلوب کو موزونی اور سکون سے وابستہ سمجھتا ہے۔

لیسنگ فن میں روایتی اصولوں کو نقد و نظر کے بغیر قبول کر لینے کو غلط سمجھتا ہے، لہٰذا وہ فن کار کو روایت کے بجائے اپنی زندہ بصیرت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ قوانینِ فن کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے اور ناقد کو شاعر (یعنی فنکار) کا رہنما سمجھتا ہے۔

ونکل مان مصطلحات کے استعمال میں لاپروا ہے، جس کی وجہ سے اس کے تصورات میں تناقض و اِبہام پایا جاتا ہے، مگر اس امر کے باوجود اس کے نظریات کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حسن سے وہ حسنِ صورت مراد لیتا ہے، جو کثرت میں وحدت کا جلوہ پیدا کرتا ہے۔ فنی تخلیقات کی جمالیاتی قدروں کو معلوم کرنے کے لیے وہ جمالیاتی ِحس کی بیداری کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں مشاہدے کی اہمیت پر بہت زور دیتا ہے۔ "یہ جمالیاتی ِحس کتابوں کے مطالعے سے نہیں بلکہ انسان کے فنی شاہکاروں کے مشاہدے سے بیدار ہوتی ہے"۔ وہ ایک ہی صفحے میں جمالیاتی قدروں کو معلوم کرنے کا ذریعہ کبھی عقل، کبھی جذبات اور کبھی قوتِ مدرکہ کو بتاتا ہے۔ اس نے جمالیات میں اظہاریت کے مسئلے پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان میں ابہام و تضاد بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، مثلاً:

اظہار حسن کے لیے مضر ہے ... اور یہ دونوں ایک دوسرے کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

متضاد صفات ہیں ۔

اظہار حسن کا دشمن ہے ، کیونکہ یہ جسمانی صورت کو بدل دیتا ہے ، جس میں حسن مقیم ہوتا ہے ۔

حسن ، بغیر اظہار کے بے اثر ہوگا اور اظہار بغیر حسن کے ناخوش‌گوار ۔ اظہار ایک ایسا عنصر ہے جو بیک وقت حسن کے لیے ضروری بھی ہے اور تباہ کن بھی ۔

اظہار ، جذبات ، افعال ، روح اور جسم کی فعلی اور بیمار حالت کی نقالی ہے ۔

وحدت اور آمد کو وہ عظمتِ فن کی ضروری شرائط قرار دیتا ہے ، لہٰذا وہ فن میں تکلف اور وضعیت کو پسند نہیں کرتا ، جس کو لیسنگ نہایت اہم سمجھتا ہے ۔ ونکل مان نے اسلوبِ فن کی تین اصناف کا ذکر کیا ہے : ''ارفع ، شان دار اور خوب صورت'' ۔ ارفع اور شان دار اسالیب اس کی نظر میں ''خوب صورت'' اسلوب کی طرح نہیں ہیں ، بلکہ ان کو خوب صورت اسلوب سے اتنا ہی دور خیال کرتا ہے ، جتنا کہ اس زمانے میں ''جلال'' کو خوب صورت سے بعید سمجھا جاتا تھا ، لیکن اس کے باوجود وہ ارفع اسلوب کے متعلق صاف طور پر کہتا ہے کہ اس کا مطمحِ نظر حسنِ حقیقی ہے ۔ اس طرح وہ ''شان دار'' ، ''ارفع'' اور ''خوب صورت'' میں‌ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔

نقالی اور تقلید کو وہ فن کے لیے نہایت مضر سمجھتا ہے اور اس بارے میں اس کا یہ مقولہ بہت مشہور ہے کہ ''جو شخص تقلید کرتا ہے ہمیشہ پیچھے رہتا ہے'' ۔

کانٹ[۳۲] کے نظامِ فکر میں جمالیاتی قوتِ محاکمہ کو درمیانی حیثیت حاصل ہے اور اس کو اس نے چار اقوالِ محال میں نہایت مؤثر طریقے سے واضح کیا ہے ۔ یہ اقوالِ محال ماورائے تجربی تصورات کے ان چار عنوانات سے مماثل ہیں ، جن کو ''عقلِ محض پر تنقیدی تحقیق''[۳۳] میں زیرِ بحث لایا گیا ہے اور ان کے ذریعے اس نے اپنے تمام مباحث کا خلاصہ بیان کیا ہے ۔ اس جگہ اس خلاصے کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے :

(۱) ذوق کی قوتِ محاکمہ جمالیاتی ہے اور حسن کا خوش گواری اور نیکی سے کوئی تعلق نہیں ؛ (۲) حسن ایسی حظ انگیز شے ہے جو آفاقی اور ضروری ہے اور یہ آفاقیت و ضرورت دونوں موضوعی ہیں ؛ (۳) حسن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک چیز میں اس حد تک صورتِ مقصدیت ہے جہاں تک تصور مقصد کے بغیر اس کا احساس ہو سکتا ہے ؛ (۴) حسن کا تعلق افادیت و کمال سے نہیں ہے ۔

جمالیاتی شعور[۳۴] کی اس نے دو تعریفیں کی ہیں : سلبی اور ایجابی ۔ سلبی تعریف اس طرح کی گئی ہے : ''جمالیاتی شعور کا تعلق نہ تو مجرد عقل سے ہے اور نہ حسیاتی تشفی اور اخلاقی تسکین سے''۔ اس کی ایجابی تعریف یہ ہے : ''جمالیاتی شعور حس اور عقل کا مقامِ اتصال ہے'' ۔ ظاہر ہے یہ دونوں تعریفیں ناقص اور ادھوری ہیں ۔

کانٹ حسن کی موضوعیت[۳۵] کا قائل ہے ۔ چنانچہ وہ ذوق کی قوتِ محاکمہ کو بھی موضوعی سمجھتا ہے اور ذوق کی یہ قوتِ محاکمہ ، ادراک و آگہی میں کوئی اضافہ نہیں کرتی ۔ یہ صرف اس ہم آہنگی کو ظاہر کرتی ہے جو کسی شے کے مشاہدے کے موقعے پر ہمیں اپنی قوتوں کو عمل میں لانے سے محسوس ہوتی ہے ۔ ہم لگاتار اس قسم کے فقروں سے دوچار ہوتے ہیں : ''حظ کی عالمگیر موضوعی باضابطگی جسے ہم اس شے سے منسوب کرتے ہیں جسے خوب صورت کہتے ہیں'' ۔ اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ کس طرح وہ احساس جو عالمگیر طور پر جائز ہو ، موضوعی رہ سکتا ہے ۔ ان معنوں میں کہ اس سے معروضی شے کا تصور خارج ہو ؟ کیا یہ سارا تصور ہی خود اپنی آپ تردید نہیں کرتا ؟ یہ درست ہے کہ ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا ، ایکن کانٹ پھر بھی مضبوطی سے اپنے خیال پر اڑا رہا ۔ حسن موضوعی ہے ، یہ دیکھنے والے میں اس کے لیے ہے اور اس کے علاوہ نہیں ہے ، لیکن ایسی موضوعیت کے لیے معروضی بننے میں کوئی شے مانع نہیں ہو سکتی ۔ کانٹ دراصل یہ بات کہنا تو چاہتا ہے ، مگر کھلے الفاظ میں نہیں ۔ اگر وہ یہ بات کہہ دیتا تو مجرد موضوعیت کی حد بندی ٹوٹ جاتی اور عقلِ محض اور عقلِ عملی کی حدبندیاں خود بخود دور ہو جاتیں ۔

اس نے صفاتی اعتبار سے حسن کی عجیب تقسیم کی ہے اور پھر ان کی تعریفیں بھی عجیب انداز میں کی ہیں ۔ اس کے نزدیک حسن کی دو قسمیں ہیں : آزاد اور متوسل ۔ آزاد حسن کسی واضح تصور پر مبنی نہیں ہوتا اور محاکمۂ ذوق جو اس کی ستائش کرتا ہے منزہ ہوتا ہے ، لیکن اس کے برعکس متوسل حسن کسی مقصد کے معینہ تصور سے وابستہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتا ہے۔ چنانچہ اس طرح وہ اپنے ''مقصدیت بغیر مقصد'' کے اصول کی خود ہی تردید کرتا ہے۔ اس تعریف کی رو سے اس نے نہ صرف پست ترین بلکہ ارفع ترین کو بھی متوسل حسن کا درجہ دیا ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کانٹ نظریۂ ''جلال''۳۶ کے بارے میں برک۳۷ اور ونکل مان سے بہت متأثر تھا۔ برک نے خوب صورت اور جلال کے درمیان جو امتیاز روا رکھا تھا اس کی اساس خوش گواری، انبساط اور خوش گواریِ الم کے درمیانی فرق پر رکھی ہوئی تھی۔

چنانچہ کانٹ کے نظریۂ جلال میں بھی یہی فرق مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ شروع میں برک کی طرح خوب صورت اور ''جلیل'' میں کسی ترکیبی ربط کا قائل نہیں معلوم ہوتا، مگر اس کے آخری مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں اس قسم کے ترکیبی ربط کی گنجائش پیدا ہو چکی تھی۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ جلال کو خوب صورت کی ایک نوع سمجھتا ہے، بلکہ وہ دونوں کو ہی محاکمۂ جمال کی انواع قرار دیتا ہے، لیکن اس کے نزدیک صرف حسن محاکمۂ ذوق سے تعلق رکھتا ہے اور جلال کی بنیاد جذبۂ عقل پر ہوتی ہے۔ حسن ہمیشہ نامصور یا بےصورت ہوتا ہے، لیکن جلال صورت یا ناصورت دونوں پر مبنی ہو سکتا ہے۔ نا مصور کی مصطلحہ سے اس کی مراد فقدانِ صورت سے بھی ہے اور بدصورتی سے بھی اور یہ ہمیشہ ہماری قوت محاکمہ سے مزاحمت کرتا ہے؛ اور اس طرح متوافق و ہم آہنگ ہونے کے بجائے اس سے نامتناسب ہوتا ہے۔

کانٹ فن کو وہبی سمجھتا ہے اور اس کی یہ دلیل دیتا ہے: ''فن کی صلاحیت جو اصل میں عبقریت ہے، فطری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عبقریت بھی ریاض و مزاولت سے بے نیاز نہیں، لیکن یہ ان سے حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ یہ انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اور اس کی غیر شعوری تخلیقی قوت کا سرچشمہ ہے؛ اور یہ فن کا عجیب عضو ہے اور اسے فنِ عبقریت کے نام سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سائنس کے لیے انسان کو فطرت کے اس عطیے کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے اسے اپنی شعوری عقل کی فعلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیوٹن کی طرح ہر شخص سائنس تو سیکھ سکتا ہے، مگر خیالات کے ہوتے بھی کوئی شخص شعر نہیں کہہ سکتا۔ فنِ لطیف اس لحاظ سے فطرت سے گہری مشابہت

toobaa-elibrary.blogspot.com

رکھتا ہے۔ فن کے اقوال محال اس مشابہت کی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ تمام حسن اس لیے فطرت کی طرح حسین مقصدیت کی صورت رکھتا ہے۔ تمام حسن، اس لیے فن کا حسن، ہر قابلِ وضاحت مقصد سے واضح ہے۔ فن اگرچہ معلوم بھی ہو کہ یہ فن ہے فقط اسی وقت حسین ہوتا ہے جب وہ فطرت کے کسی خاص مقصد یا قانون سے آزاد ہوتا ہے۔ فطرت حسین ہوتی ہے، جب وہ مقصدیتِ فن کی حامل دکھائی دیتی ہے''۔

یہ بکھرے ہوئے تصورات جو کانٹ نے مختصراً بیان کیے ہیں، ایک نئی صورت میں شلر اور ہارٹ مین کی تحریرات میں پائے جاتے ہیں۔

فنونِ لطیفہ کی تقسیم جو اس نے کی ہے اور جس پر اس نے خود زور نہیں دیا، اس اصول پر مبنی ہے کہ حسن چاہے فن کا ہو یا فطرت کا ''اظہار'' ہے۔ اظہار تقریر کے مترادف ہے اور یہ چونکہ بیک وقت خیال، مشاہدے، اور احساس کو منتقل کرتا ہے، اس لیے اس اعتبار سے یہ تین عناصر پر مشتمل ہوتا ہے۔ لفظ، اشارت اور زیر و بمِ آواز یا لہجہ۔ اس قیاسِ منطقی پر اس نے لطیف یا مظہر فنون کو تقریر، صورت اور ہیجان خیز تخیل کے فنون میں تقسیم کیا ہے۔ ایک جگہ اس نے فنونِ لطیفہ کی جمالیاتی قدروں کا تقابل بھی کیا ہے اور اس میں شاعری کو اس نے پہلا درجہ دیا ہے۔

شلر[۳۸] کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے نہ صرف کانٹ کی موضوعیت کے نقص کو معلوم کر کے معروضیت سے اس کو دور کرنے کی کوشش کی بلکہ محض معروضیت میں بھی اس نقص کو محسوس کیا اور حسن کا ایسا معروضی نظریہ پیش کیا جو ایک اعتبار سے موضوعیت کا بھی حامل ہے۔ غرض اس نے حقیقتِ حسن کے معروضی اور موضوعی دونوں کا مشاہدہ کیا، ان کی وحدت ہی میں حسن کی اصل کو مضمر دیکھا۔ شلر نے اپنے نظریۂ حسن کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''حسن اس لیے بلاشبہ ہمارے لیے معروضی یا خارجی شے ہے، کیونکہ غور و فکر ضروری شرط ہے، جس کے تحت ہمیں اس کا احساس ہوتا ہے، لیکن یہ بیک وقت ہمارے لیے موضوع یا نفس کی ایک حالت بھی ہے، کیونکہ احساس ایسی ضروری شرط ہے جس کے تحت ہی ہم اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ اس لحاظ سے ایک صورت ہے کہ ہم اس کو فکر میں لاتے ہیں۔ یہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

زندگی ہے کیونکہ ہم اس کو محسوس کرتے ہیں ۔ غرضیکہ یہ
بیک وقت ہماری حالت بھی ہے اور فعل بھی''۔

جمالیات میں شلّر نے جمالیاتی مشابہت کے نظریے کا اضافہ کیا ۔ یہ دراصل کانٹ کے ''جمالیاتی صورت'' کے نظریے کی ایک ارتقائی صورت ہے ، اگرچہ خود اس میں ابہام اور نقص پایا جاتا ہے ۔ شلّر حقیقت اور مشابہت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے : ''حقیقت اشیاء کا کام ہے ، مشابہت انسان کا کام ہے ۔'' مشابہت سے غالباً اس کی مراد حسیاتی شعور کے مشکل مفہوم سے ہے ۔ مشابہت کا یہ تصور جامع نہیں کیونکہ اس کے نقیض پر غور کریں تو وہ گنگ نظر آتا ہے کیونکہ ہر حسیاتی شعور ہمارے قویٰ کا ردِ عمل ہے ۔

جذبۂ خوش فعلیت کا تصور بھی اس نے کانٹ سے لیا ہے اور کانٹ نے اس اصطلاح کو اپنے پُرزور خطیبانہ انداز میں لگاتار استعمال کیا ہے اور اس سے اس کا مقصود قویٰ کی وہ آزادانہ حرکت ہے جو جمالیاتی محاکمہ پیدا کرنے والی شے کی ہم آہنگی میں معرضِ ظہور میں آتی ہے اور پھر نتیجۃً یہ اصطلاح اس وقت کے ہر اندازِ تسلسل کو ظاہر کرتی ہے ، جس میں موسیقی یا رنگ کے حسیاتی تأثرات فن کی سحر انگیزی پر دلالت کرتے ہیں ۔ شلر کی تشریحات کی روشنی میں جذبۂ خوش فعلیت کی اس طرح تعریف کر سکتے ہیں : ''خوش فعلیت سے مراد جمع شدہ قوت کا اخراج ہے ، جو نکاس کی متقاضی ہوتی ہے'' ۔ ''جانور اس وقت خوش فعلیاں کرتا ہے ، جب زندگی کی بہتات اپنے آپ کو حرکت پر اکساتی ہے ۔'' شلر اپنے ایک خط میں لکھتا ہے : ''جونہیں انسان آنکھ کے ذریعے حظ حاصل کرنا شروع کرتا ہے اور نظر اس کے لیے آزاد قدر مہیا کرتی ہے ، وہ جمالیاتی طور پر آزاد ہو جاتا ہے اور جذبۂ خوش فعلیت آزاد ہو جاتا ہے'' ۔

فخطے[۳۹] کے تصورِ حسن کا مطالعہ اس لحاظ سے بھی دلچسپ ہے کہ اس پر علامہ اقبالؒ کے تصورِ خودی کا گمان ہوتا ہے ۔ اس کے نظریۂ حسن کا خلاصہ یہ ہے :

یہ کائنات چونکہ مطلق ایغو کے اظہارِ مکمل سے معرضِ ظہور میں آئی ہے ، اس لیے اس کی حیثیت اضافی اور اعتباری ہے ۔ اسی طرح کائنات میں حسن و دلکشی کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب فرد کی خودی اپنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

اظہار کرتی ہے اور یہ اظہار جتنا زیادہ مکمل ہوگا اسی نسبت سے یہ کائنات اسے زیادہ حسین و نظر افروز دکھائی دے گی ۔ اس لحاظ سے حسن کی حیثیت بھی محض اضافی اور اعتباری ہوتی ہے ۔ بالفاظِ دیگر حسن کا ظہور چونکہ اظہارِ خودی پر منحصر ہے اس لیے اس کی اصل خارج میں نہیں ، بلکہ انسان کے اپنے اندر یا خودی میں ہے ۔ فخطے کا یہ نظریۂ حسن موضوعی ہے اور اس میں بھی وہی نقص ہے جو کانٹ کے نظریۂ حسن میں پایا جاتا ہے ۔

کائنات چونکہ ایغو کی لامتناہیت پر ایک حد ہے ، لہٰذا حیاتِ خودی کی یہ حد ہے ۔ وہ حسن ہے جسے وہ اخلاق سے تعبیر کرتا ہے ۔ چنانچہ فخطے کے نزدیک حسن اور اخلاق ایک ہی شے کے دو نام ہیں ۔ نظریاتی نقطۂ نظر سے جس شے کو حسن کہا جاتا ہے ، عمل کے لحاظ سے اسی کو اخلاق کہتے ہیں ، اور اسی میں انسان کی آزادی اور انبساط و مسرت کا راز مضمر ہے ۔

شیلنگ[۴۰] کے تصورِ حسن و فن کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے اس کی تصنیف **''موضوعی تصوریت کا نظام''**[۴۱] سے چند ایک اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں :

''یہ کل نظام'' ، وہ کتاب کے آخر میں لکھتا ہے : ''دو منتہائی نقطوں کے مابین واقع ہے ؛ ان میں سے ایک کو عقلی وجدان (جو کانٹ ثابت کرنا چاہتا ہے) سے تعبیر کرنا ہے اور دوسرے کو جمالیاتی وجدان (جو شلر کے نظام میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے) سے ۔ فلسفی کے نزدیک جو شے عقلی وجدان ہے وہی شے اس کے معروض کے لیے جمالیاتی وجدان ہے ۔ اول الذکر چونکہ محض فلسفی کے انوکھے رجحانِ قلب کے لیے ضروری ہے ، لہٰذا اس صورت میں وہ عام شعور میں واقع نہیں ہوتا ۔ مؤخرالذکر جو کہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ عقلی وجدان ہے جسے آفاقی یا معروضی بنا دیا گیا ہے ، کم سے کم ہر شعور میں واقع ہو سکتا ہے ۔ اس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فلسفہ ، فلسفے کی حیثیت سے کیوں اور کس لیے عالمگیر صحت و جواز کا حامل نہیں ہو سکتا ۔ وہ ایک شے ، جسے مطلق معروضیت دی جا سکتی ہے ، فن ہے ۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن سے اس کی معروضیت کو نکال لیں ، تو وہ ، وہ نہیں رہتا جو ہے اور فلسفہ بن جاتا ہے ۔ فلسفے کو معروضیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

عطا کریں تو یہ فلسفہ نہیں رہتا بلکہ فن بن جاتا ہے۔ فلسفہ منتہائے عروج کو پہنچتا ہے ، مگر یہ اس لفظ تک انسان کے محض ایک جز کو پہنچاتا ہے۔ فن کل انسان کو جیسا کہ وہ ہے — ''ارفع ترین'' کی معرفت تک لے جاتا ہے اور یہ ابدی امتیاز بھی ہے اور فن کا اعجاز بھی''۔

''ہر جمالیاتی تخلیق کا آغاز لازمی طور پر دو فعلیتوں کی لامتناہی تفریق سے ہوتا ہے (ان میں سے ایک آزادی کی شعوری فعلیت ہے اور دوسری فطرت کی غیر شعوری فعلیت) اور یہ دونوں عام آزاد تخلیقات میں علٰحدہ علٰحدہ کر دی جاتی ہیں ، لیکن یہ دونوں فعلیتیں چونکہ ہر تخلیق میں متحدہ طور پر پیش کی جاتی ہیں ، اس لیے یہ تخلیق لامتناہی کو متناہی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔ اب یہ غیرمتناہی جو کہ متناہی صورت میں پیش کیا جاتا ہے حسن ہے . . . اور حسن کے بغیر کوئی فنی تخلیق نہیں ہو سکتی''۔

آخر میں شیلنگ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جمالیاتی محاکمہ حس اور عقل کی وحدت کا نام ہے۔

ہیگل[۴۲] کے نزدیک ''آئیڈیا''[۴۳] یا ''حقیقی تصور مطلق'' جب ہمارے حواس پر اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے تو اسے حسن کہتے ہیں۔ ''حقیقی تصور مطلق'' سے اس کا مقصود وہ حقیقتِ مطلقہ ہے جس کا مظہر ہر وہ شے ہے جو موجود ہے۔ بالفاظِ دیگر حقیقتِ مطلق اصل ہے اور کائنات فرع اور کائنات کی ہستی اور حسن دونوں ہی حقیقتِ مطلق کے ظہور پر منحصر ہیں ، اس لیے حسن کی حیثیت محض اعتباری یا اضافی ہوئی ، جیسا کہ کانٹ کا خیال تھا۔ حسن اپنے مظہر کے لحاظ سے صداقت ، نیکی ، افادیت اور خوش گواری سے مختلف کوئی شے ہے۔ حسنِ مطلق غیر متنہائی ہے اور غیر متنہائی کے لفظ سے وہ عجیب و غریب مفہوم مراد لیتا ہے ، یعنی اپنی ذات میں مکمل اور ہر اضافی شے سے بے نیاز جو مشاہدۂ حسی کی تشفی کرتا ہے ، لیکن اپنی ذات کے علاوہ خارجی مقاصد یا اسباب کی طرف اشارہ کیے بغیر اگر لامتناہیت کے نہ ختم ہونے والے خطِ مستقیم سے مقابلہ کریں تو ہیگل کی حقیقی لامتناہیت کا جس کی سب سے بڑی مثال حسن ہے ، دائرے یا نصف دائرے سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ہیگل کا ''حقیقی تصور مطلق'' مطلقاً تنزیہی نہیں بلکہ اپنی ذات میں ٹھوس ہے ، لیکن اس ''حقیقی تصور مطلق'' کی پہلی ہستی

toobaa-elibrary.blogspot.com

فطرت میں ہوتی ہے اور پہلا حسن فطرت کا حسن ہے اور یہ بلاشبہ صرف شعور مدرکہ کے لیے ہستی رکھتا ہے - ہیگل اسے فن کے حسن سے ممیز کرتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک فن کے حسن کا جمالیاتی اثر پیدا کرنے کے لیے شعوری طور پر تخلیق نہیں کی جاتی - یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نے پہلے فطرت میں انسان کو شامل نہیں کیا، لیکن بعد میں وہ حسنِ فطرت میں حسنِ انسانی کو شامل کرتا ہے - حیوانات کی صورتوں میں حسن اور 'قبح پر بحث کرتے ہوئے وہ تسلیم کرتا ہے کہ 'قبح کی حیثیت اضافی ہو سکتی ہے، مگر مطلق نہیں - لہٰذا وہ حیوانات ہمیں بدصورت نظر آتے ہیں جن میں ہمارے اپنے نظریے کے مطابق عمومی قوتِ حیات یا تو مطلقاً نہیں پائی جاتی یا کم پائی جاتی ہے۔

خوب صورت شے کا ایک پہلو خارجی ہے اور اس کے حسن کا راز مادی عناصرِ ترکیبی کی وحدت میں مضمر ہے اور وحدت ان چیزوں سے پیدا ہوتی ہے: مطابقت، تعدیل، قانونیت، تمثیلی خطوط اور ہم آہنگی - جب کسی فنی تخلیق میں ان چیزوں کا امتزاج وحدت کی صورت اختیار کرتا ہے تو اسے حسین یا خوب صورت کہتے ہیں - ان چیزوں کے علاوہ وہ پاکیزگی کو بھی حسن کی ایک ضروری شرط تصور کرتا ہے۔

ہیگل فن میں نقالی کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس طرح ارسطو کے اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہے - چیزیں جب نقل کی جاتی ہیں تو وہ ہمیں اس لیے خوشی نہیں بخشتیں کہ وہ اپنی ذات میں فطری ہیں، بلکہ اس لیے کہ انہیں ایسا فطری بنایا گیا ہے - فن کار فطرت کی نقالی کرتا ہے، اس لیے نہیں کہ اس نے یہ بنایا اور وہ بنایا، بلکہ اس لیے کہ اس نے جو کچھ بنایا صحیح اور درست بنایا۔

اس نے فن کی بالترتیب ان تین ارتقائی منزلوں کا ذکر کیا ہے: (۱) مثالی؛ (۲) کلاسیکل اور (۳) رومانوی، اور اس کے نزدیک ان کے اکٹھا کرنے سے فنی شعور کی تاریخ کا خاکہ تیار ہوتا ہے - مثالی فن کی خصوصیت فنِ تعمیر ہے - کلاسیکل فن کی سنگتراشی اور رومانوی فن کی حیثیت اس کی لچک اور تنوع ہے، جس کے سبب بقیہ تینوں فنون، مثلاً مصوری، موسیقی اور شاعری امتیازی حیثیت رکھتے ہیں اور ان میں سے موسیقی سب سے زیادہ مرکزی اور رومانوی فن ہے۔

شوپن ھاور[۴۴] "ارادۂ مطلق"[۴۵] کو ہستی موجودات کی اصل بتاتا

ot.com

ہے ۔ چنانچہ ہر شے چونکہ تھوڑی بہت مقدار میں ارادے کا معروض یا ظاہری صورت ہے ، اس لیے ہر شے کچھ نہ کچھ خصوصیت ضرور رکھتی ہے ، اس لیے وہ کسی نہ کسی مقدار میں خوب صورت بھی ضرور ہے ۔ قبح محض ناقص مظہر ہے ، یا ارادے کا جزوی معروض ، یعنی اس کی ادھوری صورت ہے ۔ ''فن کا مقصد علم کا اظہار و ابلاغ ہے ، اور انسان کو ''ارادہ'' کی غلامی سے آزاد کرنا ہے'' اسے اپنے آپ اور مادی مواد سے فراموش کرنا اور ''ارادہ'' کے بغیر حقیقت پر غور و فکر کرنے کے لیے قلب کو بلند کرنا ، اس کا فرضِ منصبی ہے ۔ سائنس کا مقصد آفاقی ہے ، آفاقیت جو جزئیات پر مشتمل ہوتی ہے ۔ فن اس اعتبار سے بھی سائنس سے بڑا ہے کہ سائنس میں کام محتاط عقل و حکمت سے چلتا ہے ، لیکن فن وجدان اور پیشکش سے فوراً اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے ۔ سائنس میں ذہانت کی ضرورت ہے ، لیکن فن کے لیے عبقریت[۳۶] لازمی ہے ۔ مصوری اور شاعری کی طرح فطرت میں خوشی اس شے پر غور کرنے سے حاصل ہوتی ہے ، جس میں ذاتی ''ارادہ'' شامل نہیں ہوتا ۔ اگر ہم دشمن اشیاء پر بھی ''ارادہ'' کا جوش اور فوری خطرہ محسوس کیے بغیر غور کریں تو وہ ''جلیل'' دکھائی دیں گی ۔

فن کی قوت ، جو ہمیں ''ارادہ'' کی کشاکشوں سے بلند کرتی ہے ، سب سے زیادہ موسیقی میں پائی جاتی ہے ۔ موسیقی ، دوسرے فنون کی طرح ''تصورات'' کی نقل نہیں ، بلکہ یہ خود ''ارادہ'' کی نقل ہے ۔ یہ دائمی طور پر حرکت اور کوشش کرنے والے آوارہ ''ارادہ'' کو معرضِ اظہار میں لاتی ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ موسیقی کا اثر دوسرے فنون سے زیادہ طاقت ور اور شدید ہوتا ہے ، کیونکہ دوسرے فنون تو سایوں کا اظہار ہیں ، جب کہ یہ خود اصل چیزوں کی مظہر ہے ۔ اس کے علاوہ موسیقی اس اعتبار سے بھی دوسرے فنون سے مختلف ہے ، کہ یہ براہِ راست ہمارے حواس پر اثر انداز ہوتی ہے ، تصورات کے ذریعے سے نہیں ۔ یہ عقل سے زیادہ کسی لطیف شے کو ظاہر کرتی ہے ۔ مُصَوَّر و مُتَشَکَّل فنون میں جس چیز کا نام تناسب ہے ، موسیقی میں اسے تال کہتے ہیں ۔ فنِ تعمیر ، جیسا کہ گوئٹے[۳۷] کا خیال ہے ، منجمد موسیقی اور تناسب ساکن تال ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بوزنکٹ[۴۸] نے اپنی "تاریخِ جمالیات"[۴۹] میں حسن سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے ، ان میں ایک مؤرخ کا محاکمہ پایا جاتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے : "حسن کی کوئی تعریف ایسی نہیں جس کے متعلق کہا جا سکے کہ اسے عالمگیر قبولیت کی سند حاصل ہے ۔ قدماء حسن کے بنیادی نظریے کو موزونیت ، تناسب ، اور اجزاء کی ہم آہنگی کے تصورات سے وابستہ سمجھتے آئے ہیں ، یعنی کثرت میں وحدت کے عام اصول سے متعلق ، لیکن دورِ جدید کے لوگوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر زندگی جو کچھ رکھتی ہے اس کی معنویت ، اظہاریت اور اندازِ اظہار کے تصور پر زیادہ زور دیا جاتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں خصوصیت کے تصور پر ۔ اگر ان دونوں تصورات کو یکجا کر دیا جائے تو ہم حسن کی یہ تعریف کر سکتے ہیں : "خوب صورت وہ ہے جو حسی مشاہدے یا تخیل کے لیے امتیازی یا انفرادی اظہاریت رکھتا ہو اور ایک ہی سلسلے کی عمومی یا نظریاتی اظہاریت کی شرائط کا پابند ہو" .

کروچے[۵۰] کے نزدیک : "حسن اظہارِ مکمل ہے ، کیونکہ وہ حقیقی اظہار نہیں جو مکمل نہ ہو ، اس لیے ہم اس نہایت قدیم سوال کا نہایت آسانی سے جواب دے سکتے ہیں کہ حسن اظہار ہے . . . کوئی شخص آج تک مجھے راہ مستقیم دکھانے کے قابل نہ ہو سکا . . . جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں اپنے جذبۂ حسن کی متابعت کرتا ہوں ۔ کون شخص ہے جسے یہ یقین ہے کہ اس نے اس سے بہتر رہنما پایا ہے ؟ اگر مجھے حسن اور صداقت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ہو تو مجھے اس میں کوئی تذبذب نہ ہوگا ، یہ حسن ہے جسے میں منتخب کروں گا . . . دنیا میں اس کے سوا کوئی اور سچی بات نہیں".

وہ فن کو طبیعیات اور مابعدالطبیعیات دونوں پر فوقیت دیتا ہے ۔ فن کی اصل ، تصورات کو تشکیل کرنے کی قوت میں مضمر ہے ۔ تخیل بے مثال طریقے سے فن پر حکومت کرتا ہے ۔ فن کا کل سرمایہ تخیلات ہیں ۔ انسان جونہی تخیل آفرینی کرنے لگتا ہے ، فن کار ہوتا ہے ، اس سے بہت پہلے کہ وہ عقل سے کام لے .

جمالیاتی فعلیت کا راز اس پُرسکون کوشش میں مضمر ہے ، جو وہ اس مکمل تمثیل کو سوچنے میں صرف کرتا ہے ، جو اس نفس مضمون

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہے جو اس کے قلب میں ہوتا ہے ۔ یہ نفسِ مضمون وجدان کی صورت میں مستور ہوتا ہے ، جس میں متصوفانہ بصیرت کو کوئی دخل نہیں ہوتا ، بلکہ مکمل بصیرت ، کلی مشاہدے اور جامع تصور کو دخل ہوتا ہے ۔ فن کا اعجاز معروضی اظہار یا خارج میں صورت گری نہیں ، بلکہ تصور کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے میں ہے ۔ خارجی صورت گری تو میکانکی تکنیک اور جسمانی ہنرمندی سے تعلق رکھتی ہے ۔

اب وائٹ ہیڈ[۵۱] کا نظریۂ حسن پیش کیا جاتا ہے ۔ اس کا نظریۂ حسن اگرچہ نسبۃً دقیق ضرور ہے ، لیکن اپنی قدرت و جامعیت اور جدید ترین ہونے کی وجہ سے خاص توجہ کا مستحق ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے[۵۲] :

''مشاہدے کے موقع پر مختلف عناصر کی باہمی موزوں ترتیب حسن ہے ۔ چنانچہ حسن اپنے ابتدائی مفہوم میں ، ایک صفت ہے جو اصلی موقعوں پر اپنی واضح مثالی صورت اختیار کرتی ہے ۔ بالفاظِ دیگر یہ ایک ایسی صفت ہے جس میں ایسے موقعے پر جداگانہ طور پر حصہ لے سکتے ہیں ۔ حسن اور اصنافِ حسن میں ارتقائی مدارج ہوتے ہیں ۔

''ترتیب'' سے مراد غایت ہے ، لہٰذا حسن کی صرف اسی وقت تعریف ہو سکتی ہے جب کہ ترتیب کے مقصد کا تجزیہ ہو جائے ۔ یہ مقصد دُہرا ہے ، اولاً یہ کہ مختلف فہم و ادراک کے مختلف قویٰ کے درمیان باہمی مزاحمت کا فقدان ہوتا ہے ۔ اس طرح موضوعی صورت کی شدتیں ، جو فطری اور مناسب طور پر یا دوسرے لفظوں میں باہم ہم آہنگ ہو کر ، مختلف قوائے فہم و ادراک کے معروضی مشمولات سے پیدا ہوتی ہیں ، آپس میں ایک دوسری سے مزاحمت نہیں کرتیں ۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو یہ حسن کے ایک کم درجے کی صورت ہے . . . تکلیف دہ مزاحمت کا فقدان ، سوقیانہ پن کا فقدان ، ثانیاً حسن کی ہر اعلیٰ درجے کی صورت ہے ۔ اس صورت کو پہلی صورت بھی مستلزم ہوتی ہے ۔ مزید برآں اس میں اس شرط کا اضافہ کرتی ہے کہ مختلف قوائے فہم و ادراک کی ترکیب واحد میں تلازم معروضی مشمول کے ساتھ ، نئے معروضی مشمول کے تناقضات داخل کرتا ہے ۔ یہ تناقضات ، احساسات کی نئی ہم آہنگ شدتوں کو جو ہر ایک کے لیے فطری ہوتی ہیں ، پیدا کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے وہ باہمی ملے ہوئے دیرینہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

احساسات میں ہم آہنگ احساس کی شدتوں کو اور زیادہ تیز کرتے ہیں۔ اس طرح اجزائے کل کے ضخیم احساس کو زیادہ کرتے ہیں اور کل اجزاء کے احساس کی شدت کو بڑھاتا ہے۔ اس طرح قوائے فہم و ادراک کی موضوعی صورتیں، علٰحدہ اور مشترکہ طور پر گوناگوں تناقضات میں ایک دوسری سے خلط ملط ہو جاتی ہیں۔ بالفاظِ دیگر کمال حسن کی یہ تعریف ہے کہ یہ کمال ہم آہنگی ہے اور کمال ہم آہنگی کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ یہ موضوعی صورت کا کمال ہے۔ جزئیات اور آخری ترکیب میں موضوعی صورت کے کمال کو بھی ''قوت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جس مفہوم میں یہاں اس کا استعمال ہوا ہے اس اعتبار سے قوت کے دو عناصر ہیں، جن کے یہ نام ہیں: مؤثر تضاد کے ساتھ جزئیات کی بوقلمونی، جو حجم ہے اور شدت موزوں، جو صنعتی بوقلمونی کے تعلق کی طرف اشارہ کیے بغیر نسبتی مقدار ہے، لیکن شدت موزوں کی انتہائی مقدار انجام کار حجم پر منحصر ہوتی ہے''۔

اس اقتباس سے مترشح ہوتا ہے کہ وائٹ ہیڈ حسن کی معروضی اور موضوعی دونوں حیثیتوں کو تسلیم کرتا ہے اور ان کی وحدت کو جو قوت، کمال اور موزونیت کا مظہر ہے، حسن تصور کرتا ہے؛ اور ''ہم آہنگی میں ہم آہنگی''[۵۳] کو اصلی حسن قرار دیتا ہے۔

آخر میں علامہ اقبال کے[۵۴] جمالیاتی نظریات پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے جمالیاتی مسائل کو خودی کے حوالے سے حل کرنے کی کوشش کی ہے، چونکہ یہ کوشش انھوں نے شعری زبان میں کی ہے، اس لیے اگر ان کے اشعار کو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ یکجا کرکے نہ دیکھا جائے تو قاری کا مغالطۂ فکری میں مبتلا ہو جانا یقینی ہے، چنانچہ ایسا ہوا بھی ہے۔ بہرحال، علامہ اقبال کے نزدیک حسن موجود فی الخارج بھی ہے اور موجود فی الباطن بھی۔ بالفاظِ دیگر وہ حسن کو موضوعی و معروضی[۵۵] مانتے ہیں۔ وہ بنیادی طور سے چونکہ شاعر ہیں، اس لیے ان کی نظر حسن کے خارجی رخ، یعنی اس کی معروضیت پر پڑتی ہے تو وہ وہیں جم کے رہ جاتی اور وہ اسے اس طرح بیان کرتے ہیں:

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن کوہستاں کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضو گستری ، شب کی سیہ پوشی میں ہے
چشمۂ کہسار میں دریا کی آزادی میں حسن
شہر میں ، صحرا میں ، ویرانے میں آبادی میں حسن

(بانگِ درا ، ص ۹۵)

اسی طرح جب ان کی نظر حسن کے داخلی رخ یا اس کی موضوعیت پر پڑتی ہے تو وہ یوں گویا ہوتے ہیں :

این جہاں چیست ؟ صنم خانۂ پندارِ من است
جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے او را
حلقۂ ہست کہ از گردشِ پرکارِ منِ است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

(زبورِ عجم ، ص ۲۲ - ۲۳)

علامہ اقبال اپنے ارتقائے فکری کے اس دور میں کائنات اور حسن دونوں کو ''قائم بالخودی'' سمجھتے ہیں :

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودیِ است
ہرچہ می بینی ز اسرارِ خودی است
عذرِ این اسراف و این سنگیں دلی
خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی

(اسرار و رموز ، ص ۱۲ - ۱۳)

ایک عظیم شاعر کی طرح علامہ اقبال نے حسن کی موضوعیت کو مختلف اسالیب میں بیان کیا ہے :

حسن را از خود برون جستن خطا ست
آنچہ می بائست پیشِ ما کجا ست
حسن بے پایاں درونِ سینۂ خلوت گرفت
آفتابِ خویش را زیرِ گریبانے نگر

(زبورِ عجم ، ص ۸۶)

حسن سے متعلق علامہ اقبال کے ان دونوں تصورات کو یکجا کرکے دیکھا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جائے تو یہ نتیجہ مستنبط کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں آتی کہ وہ حسن کو معروضی و موضوعی سمجھتے تھے ۔ مندرجۂ ذیل شعر میں انھوں نے حسن کے نظریۂ موضوعی کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے :

حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن
دلِ انسان کو تیرا حسنِ کلام آئینہ

(بانگِ درا ، ص ۲۸۳)

اس شعر سے یہ بات یاد آئی کہ علامہ اقبال کے نزدیک حسن کا سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے ، اور اس کائنات میں جہاں اور جس چیز میں بھی حسن دکھائی دیتا ہے ، وہ حسنِ حقیقی ہی کا پرتو یا جلوہ ہے :

وہی اک حسن ہے ، لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا بیستوں بھی ، کوہکن بھی ہے!

(بانگِ درا ، ص ۷۳)

اور

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انسان میں وہ سخن ہے ، غنچے میں وہ چٹک ہے

(بانگِ درا ، ص ۸۴)

انسان کو دراصل حسن مجازی کی نہیں ، حسنِ حقیقی ہی کی طلب و جستجو ہوتی ہے :

دید تیری آنکھ کو اس حسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے

(بانگِ درا ، ص ۹)

جہاں تک اُن کی شاعری کا تعلق ہے اپنے اس ابتدائی دور میں علامہ اقبال کا رجحان وحدت الوجود کی طرف تھا ، لیکن فلسفۂ خودی کا علمبردار نہ تو وحدت وجودی ہو سکتا تھا اور نہ ہے ۔ اس قسم کے اشعار محض روایتی قسم کے ہیں ۔

قرآن مجید کے تتبع میں علامہ اقبال حسن کو حرکی[۵۶] تسلیم کرتے ہیں :

ایں مہ و مہر کہن راہ بجائے نہ برند
انجمِ تازہ بہ تعمیرِ جہاں می بائست

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہر نگارے کہ مرا پیش نظر می آید
خوش نگارے است ولے خوش تر ازاں می بائست

(زبورِ عجم ، ص ۱۹۲)

مولانا حالیؔ[۳] کے ہاں بھی حسن کا یہ تصورِ حرکی پایا جاتا ہے :

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

(دیوانِ حالی)

مرزا غالب نے اس تصورِ حسن کو اس طرح پیش کیا ہے :

بیزارم ازاں کہنہ خدائے کہ تو داری
ہر لحظہ مرا تازہ خدائے دیگر است

(کلیاتِ غالب)

علامہ اقبال کروچے کی طرح جمالیات کے نظریۂ اظہاریت[۵] کے علمبردار ہیں ، لیکن وہ فن میں اظہار کے ساتھ ابلاغ کو بھی ناگزیر خیال کرتے ہیں :

آفریدن ؟ جستجوے دلبرے
وا نمودن خویش را بر دیگرے

جیسا کہ ہم نے آغاز ہی میں اشارہ کیا تھا ، علامہ اقبال کے نظامِ فکر کا محور خودی ہے ، لہٰذا جمالیات میں بھی انھوں نے خودی ہی کو اپنا مرکزِ فکر و نظر بنائے رکھا ہے ، اور خودی کے حوالے ہی سے وہ جمالیاتی مسائل حل کرتے ہیں ۔ علامہ اقبال چونکہ قوت ، رفعت اور حسن کو اصل کے اعتبار سے ایک ہی چیز خیال کرتے ہیں ، اس لیے ان کے نزدیک فقط اسی ''خودی'' کا اظہار حسین ہوتا ہے جس کا مقام بلند ہوتا ہے ۔ اس کے برعکس جس خودی کا مقام پست ہو ، اس کا اظہارِ ذات بھی قبیح ہوگا :

جہاں خودی کا بھی ہے صاحبِ فراز و نشیب
یہاں بھی معرکہ آرا ہے خوب سے ناخوب
نمود جس کی فرازِ خودی سے ہو وہ جمیل
جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نامحبوب !

(ضربِ کلیم ، ص ۷۹)

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاریخِ جمالیات سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم و نظر پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ ان اشعار میں علامہ اقبال نے حسن و فن کا جو معیار قائم کیا ہے ، وہ نادر ہے اور اس کا سراغ کسی عالم جمالیات کے ہاں نہیں ملتا ۔ علاوہ بریں ، وہ اپنی صحت و صداقت کے لحاظ سے بھی ازبس اہمیت رکھتا ہے ۔

جمالیات کے تاریخی پس منظر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد اب ہم جمالیات کے مسائل کا حل قرآنِ حکیم کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب اول

1. Alexander Gottlieb Baumgarten (1714-1762).
جرمن فلسفی اور عالمِ جمالیات ۔ برلن میں پیدا ہوا ، اور فرینکفرٹ میں وفات پائی .

2. Aesthetics.

3. Alfred North Whitehead (1861-1947).
انگریز ۔ امریکی فلسفی ، ریاضی دان اور عالم جمالیات ۔ انگلستان میں پیدا ہوا ، اور ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کیمبرج میں فوت ہوا .

4. *Adventures of Ideas*, New York 1933.

5. Aesthetic sense.

6. Johann Christoph Friedrich von Schiller (1759-1805).
جرمن ڈراما نگار ، شاعر ، مورخ اور فلسفی ۔ دریاے نیکر Necker کے کنارے سواہیا (Swahia) کے مقام پر پیدا ہوا ، اور ویمر میں فوت ہوا .

7. Schiller, *Letters upon the Aesthetical Education of Man* (1793-94), Letter, 5.

8. James S. Quinerners, *Work and Worship*.

9. Aesthetic value.

10. Socrates (469-399 B. C.)
سقراط یونان کا فلسفی ، افلاطون کا اُستاد ، ایتھنز میں پیدا ہوا ، اور اسی شہر میں سزا کے طور پر زہر کا پیالہ پی کر جاں بحق ہوا .

11. Plato (427-347 B. C.).
یونانی فلسفی ، ارسطو کا اُستاد ۔ اس کا پیدائشی نام ارسطو قلیس Aristocles تھا ۔ ایتھنز میں پیدا اور فوت ہوا .

toobaa-elibrary.blogspot.com

12. Ideas.

13. Aristotle (384-322 B. C.).

یونانی فلسفی ، افلاطون کا شاگرد ، تھریس Thrace کے ایک شہر استاجرہ Stagara میں پیدا ہوا ، اور کلکس Chalcis میں فوت ہوا ۔

14. Ungliness.

15. Dioysus Cassius Longinus (213-273).

نو افلاطونی فلسفی ، شام کے مقام پال مائرہ Palmera میں فوت ہوا ۔

16. *De Sublimate*, edited by Robertelli, Basle 1554.

اس کتاب کے انگریزی ترجمے میں اس کا نام ہے :

Longinus on the Sublime.

از پُل ٹینی Pulteney ، 1680ء ۔

17. Plotinus (204-270).

مصری فلسفی ۔ مصر کے شہر لائیکو پولس Lycopolis میں پیدا ہوا ، اور روم میں فوت ہوا ۔ وہ فلسفۂ اشراق کا ، جسے نو افلاطونیت (New-Plotinism) ، افلاطونیۂ جدیدہ ، مذہبِ افلاطونِ جدیدہ ۔ افلاطونیة الحدیثة اور اشراقیت وغیرہ سے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے ، بانی ہے ۔ یونانی حکماء کے سلسلے کی آخری کڑی تھا ۔

18. Aurelius Augustinus (353-430).

فلسفی ، روحانی پیشوا ۔ شمالی افریقہ کے شہر ٹاگسٹے Tagaste میں پیدا ہوا ، اور افریقہ کے شہر ہپو (Hippo) میں فوت ہوا ۔

19. Baruch Spinoza (1632-1677).

آزاد خیال ولندیزی فلسفی ۔ ایمسٹرڈم Amsterdom میں پیدا ہوا ، اور ہیگ (The Hague) میں فوت ہوا ۔

20. Anthony Ashley Cooper Shaftesbury (1671-1713).

برطانیہ کا فلسفی ۔ لنڈن میں پیدا ہوا ، اور نیپلز میں فوت ہوا ۔

21. David Hume (1711-1776).

سکاٹ لینڈ کا فلسفی ، ایڈن برگ میں پیدا اور فوت ہوا ۔

22. Alexander Gottlieb Baumgarten (1714-1762).

جرمن فلسفی ، برلن میں پیدا ہوا اور فرنکفرٹ میں فوت ہوا ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

23. Bernard Bosanquet (1848-1923).
انگریز فلسفی اور مورخِ جمالیات - ایلن وگ Alnwick میں پیدا ، اور لنڈن میں فوت ہوا .

24. Gottfried Wilhelm von Leibniz (1646-1716).
جرمنی کا فلسفی اور ریاضی دان - لائپزگ میں پیدا ہوا .

25. William Hogarth (1697-1764).
انگریز فنکار اور عالمِ جمالیات - لنڈن کی ایک نواحی بستی بارتھلومیو (Bartholomew) میں پیدا اور فوت ہوا .

26. Line of Beauty.

27. Sir, Joshua Reynolds (1723-92).
انگریز مصور و عالمِ جمالیات - ڈیون شائر (Devenshire) میں پلائی مُتھ Plymouth میں پیدا ہوا ، اور لنڈن میں فوت ہوا .

28. Gotthold Ephraim Lessing (1729-81).
جرمن ناقد ، ڈراما نویس اور عالمِ جمالیات - جرمنی کے ایک شہر کمنز (Kamnez) میں پیدا ہوا اور برنزوک Brunswick میں فوت ہوا .

29. Johann Joachim Winckelmann (1717-68).
جرمنی کا ماہر تعمیرات ، عالمِ جمالیات اور مورخ فن - المانیہ کے شہر سٹینڈل (Stendal) میں پیدا ہوا ، اور آسٹریا کے شہر ٹرسٹے (Trieste) میں فوت ہوا .

30. *Htstory of Ancient Arts* (1764), by Winckelmann.

31. *Laokoon*, by Lessing.

32. Immanuel Kant (1724-1804).
مشہور جرمن فلسفی ، مشرق جرمنی کے شہر کونگز برگ میں پیدا ، اور فوت ہوا .

33. *Critique of Pure Reason* (London 1933).

34. Aesthetic consciousness.

35. Subjectivism.

36. Theory of Sublime.
کانٹ نے جلال کے موضوع پر اپنی مندرجۂ ذیل تصنیف میں بحث

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی ہے :

Observations on the Feeling of the Sublime And Beautiful (1764).

37. **Edmund Burke (1729-97).**

برطانوی مدبر ، مفکر اور عالمِ جمالیات ۔ ڈبلن میں پیدا اور فوت ہوا .

38. **Johann Christoph Friedrich von Schiller (1759-1805).**

جرمن ڈراما نگار ، شاعر ، مورخ اور فلسفی ۔ دریائے نیکر Necker کے کنارے سوابیا Swahia کے مقام پر پیدا ہوا ، اور ویمر میں فوت ہوا .

39. Johann Gottlieb Fichte (1762-1814).

جرمن فلسفی .

40. Friedrich Wilhelm Goseph von Schelling (1775-1854).

جرمن فلسفی ۔ وہ ورٹم برگ میں لیون برگ Leonberg کے مقام پر پیدا ہوا ، اور سوئٹزر لینڈ کے شہر راگاز (Ragaz) میں فوت ہوا .

41. *System of Trancendental Idealism* (1800).

42. George Wilhelm Friedrich Hegel (1770-1831).

جرمن فلسفی ، جرمنی کے شہر سٹٹ گارٹ Stuttgart میں پیدا ہوا ، اور برلن میں فوت ہوا .

43. Idea.

44. Arther Schopenhauer (1788-1860).

جرمن فلسفی ۔ ڈینزگ میں پیدا اور فرنکفرٹ میں فوت ہوا ۔ اس کی مشہور تصنیف کا نام ہے :

The World as Will and Idea.

45. Will.

46. Genius.

47. Johann Walfgang von Goete (1749-1832).

جرمن فلسفی ، شاعر ، ناول نویس ، ڈراما نگار ، عالمِ جمالیات ۔ فرینکفرٹ میں پیدا ، اور ویمر Weimar میں فوت ہوا ۔ اس کی ایک شہرہ آفاق تصنیف کا نام فاؤسٹ Faust ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

48. Bernard Bosanquet (1848-8923).

انگریز فلسفی ، عالم و مورخِ جمالیات ۔ ایلن ِوک Alnwick میں پیدا اور لنڈن میں فوت ہوا ۔ اس کی مشہور تالیف تاریخ جمالیات ہے ، جس کا نام ہے :

49. *A History of Aesthetic*, London 1862.

50. Bendetto Croce (1866-1952).

اطالوی فلسفی اور عالمِ جمالیات ۔ اطالیہ کے صوبہ اکیلہ کے ایک قصبے پیس کیسرولی Pescasseroli میں پیدا اور فوت ہوا ۔

51. Alfred North Whitehead (1861-1947).

انگریز ۔ امریکی فلسفی ، ریاضی دان اور عالمِ جمالیات ۔ لنڈن میں پیدا اور کیمبرج میں فوت ہوا ۔

52. See his *Adventures of Ideas*, New York (1933, p. 290 ff.

53. Harmony of harmonies.

54. علامہ اقبال (1877 تا 1938ء) سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور لاہور کی شاہی مسجد کے نیچے حضوری باغ میں دفن ہیں ۔ وہ بلند پایہ شاعر ، مفکر اور فلسفی ہیں ۔

55. Subjective-objective.

56. Dynamic.

57. Expressionism.

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوم

حسن کی ماہیّت و حقیقت

اس عالمِ رنگ و بو کی ہر شے انسان کے لیے دل کشی و جاذبیت اور حیرت و استعجاب کا موجب ہے ۔ رنگ و نور اور صور و اشکال کے اس طلسم کدے میں ، وہ اپنے آپ کو نظر افروزی و جاذبیت کے ایک بحرناپیدا کنار میں مستغرق دیکھتا اور محسوس کرتا ہے ، مگر اسے اس بات کا پتا نہیں چلتا کہ اس کائنات کی نظر افروزی اور جاذبیت کی وجہ حقیقی کیا ہے؟ وہ سجیلی صورت ، سُریلی آواز ، کیف پرور خوشبو ، لذت آفرین شے اور نشاط انگیز لمس میں ، کسی ایسی شے کو چھپا ہوا تو محسوس کرتا ہے جو اس کے حواس اور قلب کی تسکین کا سبب ہے ، مگر اس شے کی ماہیت سے وہ بے خبر ہے ۔ اس مخفی شے کی طلب و آرزو کو وہ اپنے قلب میں جا گزین پاتا اور اس کی تشفی کے لیے جان بھی دیتا ہے ، مگر پھر بھی اس کی حقیقت سے کم آگاہ ہے کہ اس کی اس طلب و آرزو کا مقصودِ حقیقی کیا ہے ؟ چنانچہ اس راز کو معلوم کرنے کی اسے ہمیشہ سے طلب و جستجو رہی ہے اور اس سلسلے میں اس نے اپنی نظر و فکر سے جو کام لیا ہے اس کا حاصل فلسفے کی جدید اصطلاح میں جمالیات کے نام سے موسوم ہے ۔

ظاہر ہے جمالیات کا تمام سرمایہ جو اس وقت ہمارے پاس محفوظ ہے ، ہر عہد کے اہلِ فکر و نظر کی ذہنی کاوشوں کا حاصل ہے ۔ چونکہ یہ مختلف اذہانِ انسانی کی متاعِ فکر ہے ، اس لیے اس میں اختلاف و تضاد کا پایا جانا فطری ہے اور یہ کوئی حوصلہ فرسا واقعیت نہیں ، بلکہ اس کے برعکس یہ حریتِ فکر و نظر کی دلیل ہے اور اہلِ نظر جانتے ہیں کہ حریتِ فکر و نظر پر ارتقاے انسانیت کا کس حد تک انحصار ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حریتِ فکر و نظر بے شک حیاتِ انسانی کی امتیازی خصوصیت ہے اور میں اس کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم بھی کرتا ہوں ، مگر اس کی مطلق حیثیت کا قائل نہیں ہوں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح کائنات کی ہر شے ، حتیٰ کہ خود انسان کی آزادی و خود مختاری تک نوامیسِ فطرت کے تابع ہونے کی وجہ سے محدود ہے اور اس کی حیثیت اضافی ہے ، اسی طرح فکرِ انسانی کی آزادی کا محدود ہونا بھی اس کی فطرت کا مقتضیٰ ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فطرت نے ہر عہد میں انسان کی فکر و نظر کو جو اپنی آزادی مطلق کی وجہ سے گمراہ ہوئی ، وحی و تنزیل کے ذریعے راہِ راست پر لانا چاہا ۔ فکر انسانی پر یہ قیود جنھیں ظاہر میں وحی و تنزیل عائد کرتی ہے ، حقیقت میں فکرِ انسانی کی تقدیر کے قیود ہیں ، جن کے اندر رہ کر ہی وہ آوارگی و گمراہی سے بچ سکتی ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ فکرِ انسانی کے یہ قیود رکاوٹیں نہیں بلکہ اس کی سلامتی و راست روی کے فطری حفاظتی حصار ہیں ۔

میں نہ تو انسان کی فکری کاوشوں کی مثبت قدروں کا منکر ہوں اور نہ مجھے اس کے دل و دماغ کی انفعالی و فعلی قوتوں ہی میں کوئی شک و شبہہ ہے ، لیکن جب تقدیرِ فکر و نظر یہی ہے کہ وہ ہر زمان و مکان میں اور زندگی کے ہر گوشے میں اس نور و ہدایت کی روشنی میں اپنی راہ و منزل کا سراغ لگائے جسے مذہب کی اصطلاح میں وحی و تنزیل کہتے ہیں تو میرے لیے بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہیں رہ جاتا کہ میں بھی منشاے فطرت کے مطابق وحی و تنزیل کی روشنی میں حسن کے ان مسائل کا حل تلاش کروں ، جن کے بارے میں اہلِ فکر و نظر ہمیشہ سے اختلاف راے رکھتے چلے آتے ہیں ۔

وہ علماے دین یا دوسری قسم کے اہلِ علم حضرات جو قرآنِ مجید پڑھے ہوئے تو ہیں ، مگر تدبر و تحقیق کی لذت سے نا آشنا ہیں ، حیرت و استعجاب سے پوچھتے ہیں : ”کیا قرآنِ حکیم میں جمالیات کے متعلق کچھ لکھا ہوا ہے“ ؟ یہ سوال میرے دل پر تیر و نشتر کی طرح چرکے لگاتا ہے ۔ وہ شخص جس کی نظر میں قرآنِ حکیم کا ہر گوشہ رموزِ حسن کا خزینہ ہو ، جو حسن کو حقیقت اور قرآن مجید کو ترجمانِ حقیقت سمجھتا ہو ، اس کا دل کس طرح اس سوال کی اذیتوں کی تاب لاتا ہوگا ، اس کا حال کچھ وہی صاحبِ دل انسان جانتے ہیں جو محرمِ اسرار ہوتے ہوئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

جہلا کی تضحیک و استہزاء کے صدمات اٹھاتے ہیں۔ یہ سوال اس واقعیت کی بھی غمازی کرتا ہے کہ ہمارے نام نہاد علمائے دین اور دوسرے اہل علم رموز قرآنی سے اسی طرح نابلد ہیں، جس طرح جہلاء اور انھوں نے اسی طرح قرآن مجید کو چھوڑ رکھا ہے جس طرح عوام نے۔ وہ قرآن مجید کو پڑھتے تو ہیں، مگر بیگانہ نظروں سے، یعنی ایسی نظروں سے جن پر تعصب و عصبیت کے دبیز پردے پڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انھیں قرآن حکیم میں جو رموز حسن کا گنجینہ ہے، حسن کی کوئی بات نظر نہیں آتی۔ بہرحال ایسے نام نہاد اہل علم کے اس سوال کا جواب، یہ پیش نظر کتاب ہے، جس میں جمالیات کے ہر مسئلے کو آیات قرآنی کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اس موقع پر ہر ملت و دین کے متلاشیان حق و صداقت سے پر خلوص دل کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں، جس سے میں سالہا سال کی تحقیق و جستجو کی بدولت آگاہ ہوا ہوں اور وہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم زندگی کے ہر گوشے میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے، کیونکہ اس میں ہر بنیادی مسئلۂ حیات کا حل موجود ہے؛ لیکن معارف قرآنی سے آگاہ ہونے کے لیے اس پر اس قلب کے ساتھ غور و فکر کرنا ضروری ہے، جو اپنے حسن فطری سے منوّر ہو۔

اس سے پیشتر کہ نفس مضمون پر بحث کا آغاز کیا جائے، میں اس واقعیت کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن حکیم نے آج سے تقریباً چودہ سو برس پہلے حیات انسانی کے اس اساسی مسئلے پر جسے جمالیات کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، روشنی ڈالی ہے اور اسے اس انداز سے حل کیا ہے جو ذہن انسانی کے ارتقائے مدام کے باوجود ہر زمان و مکان میں اس کی جمالیاتی حس کے اس بنیادی جذبے کی تشفی کرتا رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس نے جمالیات کے اس اساسی مسئلے کا ایسا حل بتایا ہے، جو زمان و مکان کی اضافیت میں مطلق حیثیت رکھتا ہے۔

رنگ و نور کے اس جنت نگاہ نگار خانے میں اگرچہ ہر شے اپنے حسن کی دل آویزی کے ساتھ ذوق نظر کی تسکین کا سامان ہے، لیکن حسن کی قیامت سامانیوں کا کچھ اور ہی رنگ ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوگا کہ انسان اپنے قد و قامت ، موزونیت و جاذبیت اور شکل و شباہت کی نظر افروزی و دلکشی کے اعتبار سے حسنِ تمام کا پیکرِ بے مثال ہے۔ انسان پر حسن کی یہ ارزانی ، اس کے عز و شرف کی وجہ اور فضلِ ربانی کی دلیل ہے۔ چنانچہ اس واقعیت کی طرف اللّٰہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ انسان کی توجہ کو منعطف کیا ہے :

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ (التّغابن ٦٤ : ٣) :

اور تمہاری صورتیں بنائیں تو کیا ہی حسین صورتیں بنائیں !

یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد کہ انسان اس عالمِ انفس و آفاق میں حسن و نظر افروزی میں اپنی مثال آپ ہے ، ہمیں پہلے اس بات کا سراغ لگانا ہوگا کہ اس کے حسن کی وجہؐ حقیقی کیا ہے ؟ ماہیتِ حسن کے راز سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے میرے نزدیک جستجو کی یہ راہ نسبةً زیاہ آسان اور موزوں ہے۔ بہر کیف وجودِ انسانی میں کس طرح حسن نظرافروزی پیدا ہوتی ہے ؟ اس راز کو قرآنِ حکیم نے اپنے مخصوص بلیغ انداز میں نہایت ایجاز و اختصار سے اس طرح بیان کیا ہے :

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِيٓ أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۭ (الانفطار ٨٢ : ٧ ، ٨) :

اس (باری تعالیٰ) نے تیری تخلیق کی (یعنی تیرا ہیولیٰ تیار کیا) ، پھر تیرے (عناصر) میں مناسبت و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کی ، پھر ان میں تناسب و اعتدال پیدا کیا ، اس کے بعد جیسی شکل و صورت بنانا چاہی ، اس کے مطابق ترکیب دے دی .

محولہؐ بالا آیات میں وجود انسانی کی تخلیق سے لے کر اس کی صورت گری تک جن چار ارتقائی مرحلوں کا ذکر کیا گیا ہے ، وہ یہ ہیں :

اول ـ **تخلیق** : اس سے یہاں مراد وجودِ انسانی کا خاکہ بنانا ، یا اس کا ہیولیٰ تیار کرنا ہے .

دوم ـ **تسویہ** : کسی چیز کے عناصرِ ترکیبی میں مطلق اور اضافی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہر حیثیت میں اس طرح مناسبت و ہم آہنگی پیدا کرنا کہ وہ موزونی و کمال کا مظہر بن جائے .

سوم ۔ **تعدیل** : انفرادی اور مجموعی ، جزوی اور کلی ، مطلق اور اضافی ہر حیثیت میں کسی شے کے مختلف اجزاء میں تناسب و اعتدال پیدا کرنا .

چہارم ۔ **ترکیب صوری** : شکل و صورت بنانا ، نوک پلک نکالنا وغیرہ ۔ اس میں ڈیزائن بنانے کا بھی مفہوم مضمر ہے .

تخلیقی فعلیت کے متذکرۂ بالا چاروں ارتقائی مرحلوں پر غور کرنے سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ نہ تو تخلیق اور نہ ترکیب صوری کے عمل ہی سے وجودِ انسانی میں حسن پیدا ہوتا ہے بلکہ حسن آفرینی کا راز تسویہ و تعدیل کے عمل میں مضمر ہے ۔ ان آیات پر مکرر غور کریں تو حقیقت کے اس پہلو پر بھی نظر پڑتی ہے کہ باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کے اس سلسلے کی چاروں کڑیاں اس طرح مربوط و منضبط ہیں کہ ان کے نظم و ضبط نے وحدت کی صورت اختیار کر لی ہے اور یہ وحدت ہی فن کاری یا حسن آفرینی کی علتِ تامہ ہے ۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی فنی تخلیق میں وحدت کس طرح پیدا ہوتی ہے ؟ فن کی یہ مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ فنی تخلیقات میں وحدت ، تناسب و ہم آہنگی کے کمال سے پیدا ہوتی ہے ، جس کے لیے قرآن حکیم نے تسویہ کی اصطلاح استعمال کی ہے ۔ اس امر کی تصدیق متعدد آیات قرآنی سے ہوتی ہے ، مثلاً :

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ٥ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ٥ (ص ٣٨ : ٧١ ، ٧٢) :

جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں ، چنانچہ جب اس (کے عناصر ترکیبی) میں مناسبت و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کر دوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں ، تو اس کے لیے سجدہ کرنے والے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو جانا ۔

تسویہ سے چونکہ وجود انسانی میں حسن پیدا ہوتا ہے اس لیے بلاغت قرآنی نے خوب صورت مرد کے لیے بَشَراً سَوِيًّا کی اصطلاح استعمال کی ہے :

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ٥ (مریم ١٩ : ١٧) :

چنانچہ ہم نے اپنی روح کو اس کی طرف بھیجا ، تو وہ ایک خوب صورت راست قامت مرد کے روپ میں ظاہر ہوا ۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ حسنِ انسانی تسویہ کا مرہونِ منت ہے کیونکہ اس سے وحدتِ فن پیدا ہوتی ہے ۔

اس مقام پر بعض تشکیک پسند طبائع میں چونکہ یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ تسویہ سے صرف وجودِ انسانی میں حسن پیدا ہوتا ہے اور دیگر فنی تخلیقات میں اس سے حسن نہیں پیدا ہوتا ، قرآن حکیم نے نہایت واضح اور جامع الفاظ میں اس امر کی صراحت کر دی کہ تخلیقی فعلیت میں تسویہ کی حیثیت مطلق ہے ، لہٰذا کوئی فنی تخلیق بھی اس کے بغیر حسین نہیں بن سکتی :

اَلَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ٥ (اَلْاَعْلٰى ٨٧ : ٢) :

اس نے ہر شے کو پیدا کیا اور اس میں مناسبت و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کی ۔

اور اس تسویہ کا اعجاز ہے کہ خالق حقیقی کی ہر شے حسن و نظرافروزی کی آئینہ دار ہے :

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ٥ (السجدة ٣٢ : ٧) :

اس نے جو چیز بھی بنائی حسین بنائی ۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ تعدیل و تسویہ حسن کی دو اہم قدریں ہیں ، جنھیں اصطلاح میں جمالیاتی قدریں کہتے ہیں اور ان میں سے تسویہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسی قدر ہے جو بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا وہ اساسی جمالیاتی قدر ہوئی اور اس کے اعجاز سے ہی ہر عالم رنگ و نور جمیل و جلیل صورتوں کا مرقعِ دل‌آویز ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اشیاء کا حسن تسویہ کی اساسی جمالیاتی قدر کا مرہونِ منت ہے تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ اشیاء میں وہ اساسی جمالیاتی قدر ہے یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں حسن کو معلوم کرنے کا معیار یا اس کو پرکھنے کی کسوٹی کیا ہے؟ غور سے دیکھیں تو تسویہ بذاتِ خود حسن کو پرکھنے کا معروضی معیار یا کسوٹی ہے، جسے صاحبِ فن اور اہلِ ذوق کی نظر خوب پہچانتی ہے۔ میں نے صاحبِ فن اور اہلِ ذوق کی تخصیص اس لیے کی ہے کیونکہ ان کی نگاہوں میں تسویہ یا مناسبت و ہم‌آہنگی درجۂ کمال تک پائی جاتی ہے، مگر اس کے برعکس عام انسانوں کی نظروں میں تسویہ کم پایا جاتا ہے، لہٰذا وہ حسن کے معروضی معیار سے واقف نہیں ہوتے۔ اہلِ ذوق و فن میں اس معیار حسن کو معلوم کرنے کی استعداد یا بصیرت دو طرح سے پیدا ہوتی ہے: ایک تو مشق و مزاولت سے جسے اکتسابی کہتے ہیں؛ دوسرے فطری طور سے جس کا نام وہبی ہے۔ چنانچہ یہ بصیرت اس شخص میں درجۂ کمال تک پہنچی ہوگی جس کی وہبی اور اکتسابی بصیرتوں میں تسویہ ہوگا۔ اسی طرح جس قدر ان دو قسم کی بصیرتوں میں ہم‌آہنگی کم ہوگی اسی نسبت سے اس شخص میں حسن کو معلوم کرنے کی استعداد یا بصیرت کم ہوگی۔ اصل یہ ہے کہ یہ بصیرت، حسن کا موضوعی معیار ہے اور اس سے ہر شخص بہرہ مند ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (التین ٩٥ : ٤):

بلاشبہ ہم نے انسان کی فطرت کو بہت ہی حسین بنایا ہے۔

یہ حسنِ تقویم ہے جسے میں نے بصیرت کے نام سے تعبیر کیا ہے اور اسی لفظ کو جمالیاتی حس یا حس جمال کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے اور اب یہ نفسیات انسانی کی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس جمالیاتی حس کی وجہ سے ہی انسان خوب صورت چیزوں سے حظ اٹھاتا اور مسرور ہوتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ سرورانگیزی حسن کا خاصہ ہے، لہٰذا ثابت

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوا کہ جو شے سرور انگیز ہوگی وہ حسین بھی ضرور ہوگی۔ بالفاظِ دیگر وہ شے تسویہ کی اساسی جمالیاتی قدر کی حامل بھی ضرور ہوگی۔ چنانچہ حقیقت کے اس پہلو کی قرآنِ حکیم اس طرح نقاب کشائی کرتا ہے:

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○ (البقرة ۲ : ٦٩) :

اس کا رنگ دیکھنے والوں کو خوشی بخشتا ہے۔

میرے نزدیک یہ آیت بلاغت قرآن کی حسین ترین مثال ہے۔ اس میں رنگ اور اس کی صفت سرور انگیزی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ صفت رنگ کی ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے اور اس کا مبنیٰ حسن ہے جو اس آیت میں مضمر حقیقی ہے؛ اور سرور انگیزی اس کی ذاتی صفت ہے اور اس کی حیثیت مطلق ہے۔ چنانچہ یہ جتا کر کہ اس کا رنگ اہلِ نظر کو سرور بخشتا ہے، قرآنِ حکیم نے اس حقیقت کو ثابت کردیا کہ جو شے سرور انگیز ہوگی وہ حسین بھی یقیناً ہوگی۔

اس آیت میں ایک نکتہ اور قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں حسن کے لفظ کو محذوف کرکے اس حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے کہ حسن کی صفت مطلق سے ہر دل آشنا ہے اور اسے فطری طور پر محسوس کرتا اور پہچانتا ہے اور دل کی یہ انفعالی قوت جسے وجدان بھی کہتے ہیں، حسن کی اس صفت سرور انگیز کو معلوم کرنے کا موضوعی معیار ہے۔

محولۂ بالا آیت میں حسن کے لفظ کو محذوف کرکے اس کی صفت سرور انگیزی کو بیان کیا گیا ہے، لیکن دوسری جگہ اس کی اس صفت کا بظاہر کوئی ذکر نہیں، لیکن لفظ "جمال" کو اس انداز سے فقرے میں استعمال کیا گیا ہے کہ جمال کی حقیقتِ سرور انگیزی خود بخود آشکارا ہو گئی ہے:

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ (نحل ١٦ : ٦) :

اور تمھارے لیے چوپاؤں میں جب شام کے وقت چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور صبح کو لے جاتے ہو، جمال ہے، یعنی نظر کے لیے حسن اور دل کے لیے سرور ہے۔

اس آیت میں چوپاؤں اور ان کے خرام کے نظرافروز نظاروں کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرور انگیزی کو ”جمال“ سے تعبیر کرکے بتایا گیا ہے کہ حسن و سرور لازم و ملزوم ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسن اور سرور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں ۔ حسن چونکہ اس کا معروضی پہلو ہے لہٰذا اس کا تعلق حواس سے ہے اور سرور چونکہ اپنی نوعیت میں موضوعی ہے لہٰذا یہ قلب سے متعلق ہے ۔ چنانچہ جو شے حواس کے نزدیک حسن ہے ، اسی شے کو قلب سرور کہتا ہے ۔

اس جگہ ایک اہم نکتہ بیان کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ محبت یا عشق کا راز حواس اور قلب کی ہم‌آہنگی میں مضمر ہے ۔ اس امر کی توجیہ یہ ہے کہ محبت ہمیشہ اس شے سے ہوتی ہے جسے انسان حسین سمجھتا ہے اور محسوس کرتا ہے ، لیکن ظاہر ہے کہ ہر حسین شے سے ، ہر شخص اتنی شدت سے محبت نہیں کرتا جتنی شدت سے دوسرا ، بلکہ وہ اس شے سے محبت کرتا ہے جو اس کی نظر میں اسی قدر حسین ہوتی ہے جس قدر اس کا قلب اس سے طمانیت و سرور حاصل کرتا ہے ۔ چنانچہ ذوق نظر کی تشفی اور قلب کی مسرت میں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے مکمل ہم‌آہنگی یا وحدت پائی جاتی ہے تو انسان کے قلب میں اسی شے کی محبت پیدا ہوتی ہے ۔ محبت اس اعتبار سے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ محبوب عاشق کے نزدیک حسن و سرور کا مثالی نمونہ ہوتا ہے ۔ ہر شخص چونکہ اپنی موضوعی انفرادی حیثیت رکھتا ہے ، اس لیے ہر شخص کا یہ مثالی نمونہ بھی مختلف ہوگا ۔ بالفاظِ دیگر افراد نسل انسانی کے ذوق حسن میں تفاوت کا پایا جانا ضروری ہے ۔

قرآنِ حکیم نے اپنے اس نظریۂ حسن کی صراحت کئی ایک دلکش ، مگر جامع اسالیب سے کی ہے ، مثلاً سورۃ السجدہ (۳۲) میں اس نے حسن کو آنکھوں کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا ہے :

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءً

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدة ۳۲ : ۱۷) :

چنانچہ کوئی متنفس نہیں جانتا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک سے کیا (حسین) چیز (یعنی جنت) چھپائی ہوئی ہے ، جو ان کے (حسین) عملوں کا بدلہ ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت کریمہ کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ :
"مَآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ" سے مراد جنت ہے اور جنت حسن کا بے مثال شاہکار ہے: وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (اٰل عمرٰن ۳ : ۱۴) اللہ کے پاس لوٹ کر جانے کی حسین جگہ ہے: وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○ (صٓ ۳۸ : ۲۵) : اور بلاشبہہ ان کے واسطے ہمارے حضور قربت کا مرتبہ اور لوٹنے کی حسین جگہ ہے .

اور

اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا لا خٰلِدِیْنَ فِیْهَاط حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۷۵ ، ۷۶) :

ان ہی لوگوں کو بلند مقامات بدلے میں دیے جائیں گے ، اس لیے کہ انھوں نے صبر سے کام لیا اور اس میں دعا اور سلامتی ملے گی ۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے ، یہ آرام اور پڑاؤ کرنے کی حسین جگہ ہے .

جنت کو "قرة العین" اور "حسن المآب" کے الفاظ سے تعبیر کرکے قرآن حکیم نے اس واقعیت کی صراحت کر دی کہ حسن اور سرور ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں ۔ چنانچہ اس نے اسی لیے سورة الدھر میں جنت کو نضرة و سرور کہا ہے :

وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ○ (الدھر ۷۶ : ۱۱) :
اور انھیں رونق و خوب صورتی اور خوشی سے ملا دیا .

عربی زبان میں نضرة کے لغوی معنی رونق و خوب صورتی کے ہیں اور یہ حسن کی انفعالی خوبی ہے ، لیکن اس کے برعکس تسکین آفرینی اور سرور انگیزی حسن کا فعلی وصف ہے ۔ نضرة اور سرور کے الفاظ کو محولۂ بالا آیت میں اس طرح استعمال کیا گیا ہے کہ قرآن حکیم کے اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظریۂ حسن کی از خود صراحت ہوگئی ہے کہ حسن اور سرور ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں ۔ اس بحث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کے نزدیک معرفت حسن کا موضوعی معیار تسکین حواس اور سرورِ قلب ہے ۔ حاصلِ بحث یہ ہوا کہ ہر وہ فنی تخلیق حقیقت میں حسین ہوگی جو حواس کو تسکین اور قلب کو حقیقی خوشی پہنچانے کے قابل ہوگی ۔

مذکورۂ بالا پیرایوں میں حسن کی تصریح کرنے کے علاوہ قرآن حکیم نے اس کی ایک اور انداز سے بھی تعریف کی ہے ، جسے حسن کی مابعد الطبیعی تعریف کہہ سکتے ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ اس کائنات کی ہر شے حسین و نظرافروز ہے ، کیونکہ خالق حقیقی نے اسے ایسا بنایا ہے :

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (السجدة ۳۲ : ۷) :

وہ (ذاتِ مطلق) جس نے جو چیز بھی بنائی ، حسین بنائی ۔

اور اس کے ہر شے کو حسین بنانے کی ایک وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو چاہتا ہے : اَللهُ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَال (الحدیث) ۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن حکیم کی رو سے اللہ تعالیٰ ہی اصل حقیقت ہے اور اس کے علاوہ باقی ہر شے غیر حقیقی ہے تو پھر اس کے ماسوا کیا ہر شے اضافی نہیں ہوگی؟ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا یقیناً ہر شے کی حیثیت اضافی ہے اور اسی وجہ سے ہر شے اپنے ظہور و بقا کے لیے کسی مطلق حقیقت کی رہینِ منت ہے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلقتِ کائنات کے حسن کے ظہور و بقا کا کس مطلق حقیقت پر انحصار ہے ؟ قرآن حکیم کی رو سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کائنات کی تمام نظر افروزیاں اور جمال آرائیاں چونکہ حسنِ الٰہی کی مرہون منت ہیں ، اس حسن کائنات کا مبدأ اور منتہیٰ بھی اللہ تعالیٰ کا حسنِ مطلق ہے :

اَللهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (النور ۲۴ : ۳۵) :

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس آیت میں نور کو قرآن حکیم نے حسن مطلق کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور اس لفظ کا حقیقی مفہوم بھی یہی ہے ، کیونکہ نور ظلمت کی ضد ہے اور ظلمت کو قرآن حکیم قبیح ، باطل اور ناخوب کے معنوں میں استعمال کرتا ہے اور ان ہی الفاظ کو اس نے حسن کی اضداد کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ نور ہی حسنِ مطلق ہے اور یہی حسن کائنات کی وجہ حقیقی ہے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ حسن مطلق کی حقیقت کیا ہے ؟ یہ مسلمہ امر ہے کہ جوہر عرض کے بغیر پہچانا نہیں جا سکتا کیونکہ :

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

لہٰذا ذہنِ انسانی ہر شے کو اس کی اضافی حیثیت میں پہچان اور سمجھ سکتا ہے اور مطلق حیثیت میں اس کا ادراک نہیں کر سکتا ۔ چنانچہ ذہنِ انسانی کے اس عجز کے پیش نظر قرآن حکیم نے حسن مطلق کے متعلق صرف اتنا کہا ہے کہ وہ منفرد اور بے مثال ہے :

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (الشوریٰ ۴۲ : ۱۱) :

اس (حسن مطلق) کی مثل کوئی چیز نہیں ۔

حسن مطلق چونکہ منفرد و بے مثال ہے اس لیے اس کی ماہیت پر بحث نہیں ہو سکتی ۔ اس کے علاوہ وہ بذاتِ خود حقیقت ہے اور حقیقت ایک بحر ناپیدا کنار ہے جسے الفاظ کے کوزے میں بند نہیں کیا جا سکتا ۔ حسن مطلق کے حق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ "الحق" ہے ۔

اللہ تعالیٰ جب "الحق" ہوا تو اس کا حسن بھی حق ہوا ، بالفاظِ دیگر وہ بذاتِ خود حقیقت ہوا ۔ لہٰذا حسن مطلق کی حقیقت یہ ہوئی کہ وہ برحق ہے اور اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ حق کیا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ حسن مطلق ہے جو منفرد و بے مثال ہونے کی وجہ سے فہمِ انسانی میں نہیں آ سکتا ۔

آخر میں ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کر دینا چاہتا ہوں ۔ قرآن حکیم کی رو سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ حسن اشیاء کی اصل تسویہ میں مضمر ہے ۔ ظاہر ہے تسویہ کا ہی دوسرا نام وحدت ہے ۔ اسی طرح ابھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کائنات کے حسن و نظر افروزی کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجہ حقیقی حسن مطلق ہے اور چونکہ اس کا اصل وحدت میں مضمر ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حسنِ اشیاء بھی اپنی اصل کے اعتبار سے وحدت کا آئینہ دار ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ حسن کی محولہ بالا دونوں تعریفیں اگرچہ بظاہر مختلف نظر آتی ہیں، لیکن حقیقت میں ایک ہی ہیں کیونکہ ان دونوں میں ہم آہنگی یا وحدت پائی جاتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سوم

قرآن حکیم کا حرکی نظریۂ حسن

اہلِ علم و نظر کی مسلسل ذہنی کاوشوں کی وجہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ یہ کائنات جامد نہیں متحرک ہے اور اس کی یہ حرکت ارتقائی اور مدامی ہے، لیکن وہ ابھی تک اس راز کو معلوم نہیں کر سکے کہ اس کی حرکت ارتقائی کی وجہ کیا ہے؟ اور اس کو ثباتِ دوام کیوں حاصل ہے؟ علم انسانی بے شک اس بارے میں ابھی تک عاجز ہے، مگر آخری وحیِ الٰہی آج سے تقریباً تیرہ صدیاں پہلے اس راز کو آشکارا کر چکی ہے۔

مشاہدۂ انسانی شاہد ہے کہ یہ کائنات متحرک نظاروں کی جلوہ گاہ ہے اور اس میں "کسی" کے کلمۂ "کن" کی آہنگِ جاں آفریں سے ہر لحظہ زندگی کے چشمے پھوٹتے رہتے ہیں اور ہر عالمِ ہستی میں جلیل و جمیل صورتیں نمودار ہوتی رہتی ہیں۔ الغرض روحِ کائنات جو رنگ تغیر سے مزین ہونے کی وجہ سے ہر آن ایک نئے حال میں ہوتی ہے خوب سے خوب تر روپ اختیار کرتی رہتی ہے۔ علمائے حیاتیات و طبیعیات کی رو سے کائنات کی اس حرکتِ ارتقائی کی وجہ یہ ہے کہ حیاتِ کائنات اپنی تکمیل کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہتی ہے، اس لیے ہمیشہ حسین سے حسین تر صورتوں میں نمودار ہوتی ہے، لیکن وہ اس سوال کا جواب دینے سے عاجز ہیں کہ حیاتِ کائنات کیوں اپنی تکمیل کرنا چاہتی ہے؟ بہرحال قرآن حکیم نے اس مسئلے پر نہایت جامع اور تسلی بخش انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کائنات کے حسن و نظرافروزی کی علتِ تامہ نور الٰہی ہے اور یہی نور الٰہی جامد و ساکن نہیں بلکہ ہر لحظہ ایک نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے:

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ (الرحمٰن ۵۵ : ۲۹) :

وہ ہر لحظہ ایک نئی شان میں ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور حسنِ حقیقی کے ان نظاروں کے تغیرِ مدام سے حسن زندگی کے تغیر کو ثباتِ دوام ملا ہے ۔

اس جگہ اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ حسنِ الٰہی اپنی مطلق حیثیت میں قائم بالذات اور مستقل الوجود ہے ، اس لیے اس کو تغیر لازم نہیں آتا ۔ لہٰذا اس کی نئی نئی شان میں نظر آنا محض اضافی حیثیت سے ہے ، جسے حیات انسانی کے اعتبار سے معروضی بھی کہہ سکتے ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حسن مطلق اپنی موضوعیت میں ناقابلِ تغیر ہے ، لیکن اپنی معروضی اور اضافی حیثیت میں تغیر مدام کے رنگ سے مزین ہے اور یہ تغیرِ مدام حقیقت میں ارتقائی ہے ۔

قرآنِ حکیم کی رو سے انسان کی فطرت چونکہ فطرت الٰہی پر بنی ہوئی ہے[۲] اس لیے حیات انسانی کے حسن کی بقا اور ارتقاے مدام کے لیے ضروری ہے کہ وہ موضوعی طور پر رنگ تغیر سے ناآشنا رہے ، مگر معروضی لحاظ سے اس کو حرکتِ مدام لازمی ہے ۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حیاتِ انسانی کے حسن و کمال کا راز اس کی موضوعی سکینت و سلامتی اور معروضی حرکت مدام میں مضمر ہے ۔ حیاتِ انسانی کی موضوعیت سے مراد قلبِ انسانی ہے اور قلب انفعالی اور فعلی قوتوں کے مجموعے کا نام ہے ۔ انفعالی قوت کے مرکز کو دل اور فعلی قوت کے مرکز کو دماغ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ ظاہر ہوا کہ حیاتِ انسانی کے حسن سے مقصود قلبِ انسانی کا حسن ہوا ۔ لہٰذا حسن قلب کے لیے ضروری ہوا کہ اس میں سکینت اور سلامتی ہو ۔ بالفاظِ دیگر قلب کی سکینت و سلامتی اس کے حسن کی دلیل ہے ، لیکن اس جگہ اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ قلب کی سکینت و سلامتی کے معنی اس کا جمود و تعطل نہیں ہے ، کیونکہ اس میں جو ٹھہراؤ کی کیفیت ہوتی ہے وہ مطلق حیثیت میں ہوتی ہے ، اضافی حیثیت میں نہیں ہوتی ، بلکہ اضافی حیثیت میں یہ بذاتِ خود ایک مستقل ارتقائی حرکت میں رہتی ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انسان یکسانیت سے جلد بیزار ہو جاتا ہے اور ہمیشہ تغیر کو پسند کرتا ہے اور اپنے ذوقِ نظر کی تسکین کے نئے سے نئے سامانوں کی طلب و جستجو میں رہتا ہے ۔ انسان کے حسن باطنی کے اس تحرک ارتقائی کی کیفیت کو مولانا حالی اور علامہ اقبالؒ نے نہایت ہی دلکش انداز

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں بیان کیا ہے :

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھیے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں (حالی)

ہر نگارے کہ مرا پیشِ نظر می آید
خوش نگاریست ولے خوشتر ازاں می باید (اقبال)

واقعہ یہ ہے کہ فطرتِ کائنات اور فطرتِ انسانی میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ لہٰذا جب فطرتِ کائنات یہ ہے کہ اس کا حسن سدا حرکتِ ارتقائی میں رہے تو انسان کے حسنِ قلب کا حرکی و ارتقائی رہنا بھی لازمی ٹھہرا ۔ یہ نکتہ مزید وضاحت کا طلب گار ہے ۔ حسنِ کائنات چونکہ ہر زمان و مکان میں حرکتِ مدام میں ہے اور اسے ایک لحظہ بھی ٹھہراؤ اور قیام نہیں ، اس لیے انسان کا حسنِ باطنی جو فطری طور سے اس سے ہم آہنگ رہنا چاہتا ہے ؛ خود بھی ہمیشہ حرکی و ارتقائی رہنے پر مجبور ہے اور حسن کے اس ارتقاے مدام کا سلسلہ لامتناہی ہے ، جو حیاتِ دنیا کے انقطاع کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ حیاتِ اُخروی میں بھی چلتا رہتا ہے جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًاؕ
عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یُدْخِلَكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ
وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰى بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ
بِاَیْمَانِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَاۚ
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (التحریم ٦٦ : ٨) :

اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو اللہ کی طرف رجوع کرو ، جو ہر لحاظ سے خالص رجوع ہو ، تاکہ تمہارا پروردگار تم سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تمہاری برائیوں کو دور کر دے اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے ، جن کے تلے نہریں بہتی ہیں - اس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور ان لوگوں کو جو اس کی معیت میں ایمان لائے ہیں ، رسوا نہیں کرے گا - ان کا نور ان کے سامنے اور دائیں چلتا ہوگا اور وہ کہیں گے : اے ہمارے پروردگار ہمارے نور کی ہمارے لیے تکمیل کرتا اور ہماری مغفرت کرتا رہ ! تو بلاشبہہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے .

اس آیت میں نور سے مراد انسان کا حسنِ قلب ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں اپنی تکمیل کے لیے از بس طمانیت اور سلامتی کے ساتھ حرکتِ ارتقائی کرتا رہتا ہے - اس امر کی توجیہ یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں حسن مطلق ہر آن ایک نئی ارتقائی شان میں نظر آتا ہے اور اضافی حیثیت سے اس کے احوال و مقامات بدلتے رہتے ہیں ، اسی طرح حیات اُخروی میں بھی وہ ہمیشہ نئی سے نئی مثال میں نمودار ہوتا رہے گا - لہٰذا انسان کے حسنِ قلب کا حسنِ مطلق سے ہم آہنگ ہونے کے لیے ہمیشہ ارتقائی حرکت کی حالت میں رہنا ناگزیر ہوا - اس سے حقیقت کا یہ پہلو بھی آشکار ہوا کہ حسن موضوعی کی حسن معروضی سے مکمل ہم آہنگی میں ہی حیات انسانی کے کمالِ حسن کا راز پوشیدہ ہے - لہٰذا انسان کا حسن موضوعی جس قدر حسن معروضی سے ہم آہنگ ہوگا ، اسی نسبت سے اس کی زندگی مکمل ہوگی - اس بحث سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے حسن باطنی کی حرکت ارتقائی اس کی زندگی کے عروج کمال کی طرف حرکت کرنے کی دلیل ہے اور حرکی و ارتقائی حسن زندگی اور کمال کا مظہر ہے .

ان مباحث کی بنا پر یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن حکیم کا یہ حرکی نظریۂ حسن اپنی ندرت ، صحت اور جامعیت کے لحاظ سے بے مثال ہے اور اس سے جمالیات میں یقیناً ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب سوم

۱- dynamic .

۲- فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۝ (الروم ۳۰ : ۳۰) .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب چہارم

حسن ، حقیقت کی حرکی قوت کی حیثیت میں

انسان اور کائنات کے تعلق پر غور کرنے سے اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ کائنات اور حیات انسانی میں جذب و انجذاب کا تعلق ہے - ایک طرف اگر کائنات اپنی جمال آرائی اور سُرور انگیزی کی وجہ سے اس کے لیے بے پناہ کشش رکھتی ہے تو دوسری جانب انسان بھی اپنی طمانیت اور مسرت کے اس لازوال خزانے سے بے انداز محبت رکھتا ہے - کائنات اور حیاتِ انسانی کے اس تعلق پر اہلِ فکر ہمیشہ سے غور و فکر کرتے رہے ہیں اور ان کی توجیہات سے انسانی علم و ادب کے سرمائے میں معتدبہ اضافہ ہوا ہے - ان مختلف توجیہات پر اس جگہ تنقید و تبصرہ کرنا چونکہ بے محل ہوگا ، اس لیے ہم براہِ راست قرآن حکیم کی روشنی میں اس تعلق کی اصل حقیقت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

قرآن حکیم کی رو سے حسن ، حقیقت کا دوسرا نام ہے اور حقیقت ، جیسا کہ معلوم کر چکے ہیں ، اضافی حیثیت سے ہمیشہ حرکت ارتقائی میں رہتی ہے - ظاہر ہے جب حقیقت ہمیشہ متحرک رہتی ہے تو حسن کا ارتقائی حرکت میں رہنا نا گزیر ہوا - چنانچہ حسن کی اس حرکتِ ارتقائی کی وجہ سے کائنات متحرک و جانفزا نظاروں کی جلوہ گاہ ہے اور اپنے اندر حیاتِ انسانی کے لیے طمانیت و سرور کا حقیقی خزینہ رکھتی ہے - اسی طرح حیاتِ انسانی کا حسن موضوعی بھی چونکہ متحرک ہے اس لیے وہ حسنِ کائنات سے برابر ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی اس سعیِ مسلسل سے کششِ کائنات اور عشقِ انسانی کا سلسلہ قائم ہے - یہ سلسلہ چونکہ باطل نہیں حقیقی ہے ، اس لیے یہ حیاتِ انسانی کے عارضی انقطاع سے نہیں ٹوٹتا ، بلکہ ابدیت تک قائم رہے گا - حسن

toobaa-elibrary.blogspot.com

چونکہ پردۂ کائنات میں موجود ہے ، اس لیے عالم موجودات کی ہر شے میں زندگی اور حرکت پائی جاتی ہے اور ہر شے جذب و انجذاب کی قوتوں کی حامل ہے ، جنھیں مثبت اور منفی قوتیں بھی کہہ سکتے ہیں - یہ قوتیں جو مجموعی حیثیت میں آپس میں مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں ، اپنی اس ہم آہنگی کی وجہ سے ہی موجودات کی حرکت و زندگی اور اس کی نظرافروزی و جاذبیت کا سبب ہیں اور ان کی بدولت ہی موجودات کی بظاہر ہر تخریب میں تعمیر مضمر ہے - یہ قوتیں بے شک بظاہر حقیقت کی دو متضاد قوتیں ہیں ، مثبت اور منفی ، مگر آپس میں اس طرح ہم آہنگ ہیں کہ دونوں میں وحدت پائی جاتی ہے اور یہ وحدت ہے جو حسن اور حقیقت کی اصل ہے اور کائنات اور حیات انسانی کے ناگزیر تعلق اور ان کی کشش و محبت کی وجۂ حقیقی ہے .

حسن کی ان مثبت اور منفی قوتوں پر قرآن حکیم نے مختلف اسالیب سے روشنی ڈالی ہے :

وَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ٥

(الذّٰریٰت ۵۱ : ۴۹) :

اور ہر چیز میں ہم نے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی ہر شے کا جوڑا بنایا جو مثبت اور منفی قوتوں کا حامل ہے)

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ٥ (یٰسٓ ۳۶ : ۳۶) :

وہ ذات ہر عیب سے منزہ ہے اور اسے بزرگی ہے جس نے زمین کی پیداوار میں ، انسان میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں دو دو اور متقابل چیزیں پیدا کی ہیں .

قدرت کے اس قانونِ تزویج کی حقیقت چونکہ حسن کی ان دو متضاد قوتوں میں مضمر ہے ، اس لیے ہر شے کا جوڑا لطافت و جمال کا حامل ہے :

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کَرِیْمٍ○ (الشعراء ۲۶ : ۷) :

کیا لوگوں نے زمین پر غور کی نظروں سے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان میں کتنے لطیف و جمیل جوڑے پیدا کر دیے ہیں .

ان دو قوتوں کی وحدت کی بدولت ہی ہر شے میں اپنی متضاد جنس کے لیے بے پناہ جاذبیت و کشش پائی جاتی ہے ، جو اس کی تسکین کی وجہ حقیقی ہے :

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (الروم ۳۰ : ۲۱) :

اور اس کے (حسن کی) نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کر دیے ، تاکہ اس کی وجہ سے تمھیں سکینت حاصل ہو اور تمہارے درمیان (یعنی متضاد جنسوں کے درمیان) محبت اور رحمت کا جذبہ پیدا کر دیا ۔ اس واقعیت میں بے شک ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرنے والے ہیں .

حسن کی یہ متضاد قوتیں چونکہ ہر پیکرِ تخلیق میں وحدت کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہیں ، اس لیے کائنات کی ہر شے موزونیت کا پیکر ہے :

وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ○ (الحجر ۱۵ : ۱۹) :

اور ہم نے زمین میں ہر شے موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی .

اس سے ثابت ہوا کہ موزونیت کی اصل بھی وحدت ہے اور یہ وحدت تضاد و تخالف کی مکمل ہم آہنگی سے پیدا ہوتی ہے ، جیسا کہ اس آیت سے ثابت ہے :

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی○ صلے وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی○ (الاعلیٰ ۸۷ : ۲) :

وہ خالق حقیقی جس نے ہر شے پیدا کی ، پھر اس میں مکمل

toobaa-elibrary.blogspot.com

مناسبت و ہم آہنگی پیدا کر دی اور وہ جس نے ہر وجود کے لیے قدر مقرر کی، پھر اس پر (کامیابی کی) راہ کھول دی .

اور اس تسویہ سے وحدت پیدا ہوتی ہے، اور یہ وحدت جب کسی پیکر تخلیق میں فنی لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے تو اس سے حسن موزونیت کے علاوہ اتقان، یعنی فنی جامعیت بھی پیدا ہوتی ہے :

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ۝ (النمل ۲۷ : ۸۸) :

یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے کہ اس نے ہر شے کمال درستگی اور استواری کے ساتھ بنائی .

وحدت پر تخلیقی فعلیت کے لحاظ سے غور و فکر کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی روحِ حیات اور حرکتِ ارتقائی کا سرچشمہ ہے اور اسی کے فقدان کا نام موت ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے غیر شعوری طور پر اسی وحدت کو زندگی کی اصل قرار دیا ہے :

زندگی کیا ہے ؟ عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے ؟ انھی اجزا کا پریشاں ہونا

اور یہ واقعہ ہے کہ کسی شے کے عناصر میں وحدت کے بغیر ظہور ترتیب کا پیدا ہونا امر محال ہے۔ اس جگہ ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ کر دینا غیر مناسب نہیں ہوگا۔ قرآن حکیم نے روح کے متعلق کہا ہے :

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ، یعنی روح امرِ ربی ہے؛ اور اس امر سے مراد کسی شے کے عناصرِ تخلیقی میں تسویہ کے ذریعے وحدت پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا عناصر تخلیقی میں وحدت کا ظہور روحِ حیات ہے۔ وحدت اگرچہ اس کائنات کی ہر شے میں پائی جاتی ہے جس سے یہ کائنات زندہ اور حرکتِ ارتقائی کی حالت میں ہے، لیکن پیکرِ انسانی میں اس کا ظہور حد کمال تک پہنچا ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس عالمِ انفس و آفاق میں صرف وجود انسانی ہی ایک ایسا مقام ہے جہاں وحدت اپنی حقیقی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ وحدت کی یہ مکمل ظاہری صورت، صورتِ انسانی کہلاتی ہے اور اس کی باطنی صورت کو روح، نفس، خودی، ایغو وغیرہ کئی ایک ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

مندرجۂ ذیل آیت میں اسی واقعیت کی طرف اشارہ کیا ہے :

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ٥ (الروم ۳۰ : ۳۰) :

اللّٰہ تعالٰی کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کی فطرت کو بنایا ہے .

وجودِ انسانی میں وحدت چونکہ ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مکمل طور پر جلوہ گر ہے ، اس لیے انسان ظاہری باطنی ہر اعتبار سے زندہ و حسین ہے .

وَ صَوَّرَکُمْ وَ اَحْسَنَ صُوَرَکُمْ ٥ (المؤمن ۴۰ : ۶۴) :
اور تمھاری صورتیں بنائیں تو کیا ہی حسین صورتیں بنائیں .

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٥ (التین ۹۵ : ۴) :

بلاشبہہ ہم نے انسان کی فطرت کو حسین بنایا ہے .

وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰھَا ۙ (الشمس ۹۱ : ۷) :

اور شاہد ہے نفس اور وہ ، جس نے اس میں مناسبت و ہم آہنگی حدِ کمال تک پیدا کی .

اس جگہ وحدت کے ایک اہم اصول کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے ۔ وحدت کا جس طرح تسویہ و تعدیل کے ذریعے ظہور ہوتا ہے اسی طرح اس کے برعکس غیر مناسب فعلیت اور بے اعتدالی اس کے فقدان کا باعث بن جاتی ہے .

ظاہر ہے جب کسی شے میں وحدت نہ رہے تو وہ زندہ و حسین کیسے رہ سکتی ہے ۔ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حسن ، جو کہ حاملِ وحدت ہے ، حقیقت کی حرکی قوت کی حیثیت سے اس معمورۂ ہستی میں کارفرما ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب پنجم

وحدتِ مشاہدہ

مشاہدہ کیا ہے؟ اس کا حسن سے کیا تعلق ہے؟ یہ اپنی نوعیت میں جامد ہے یا حرکی؟ حسن کی طرح اس کی اصل بھی وحدت ہے یا نہیں؟ کیا اس سے حسنِ مطلق کی معرفت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ کیا مشاہدہ اپنی اصل سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے یا اصل کی ہی ایک صورت ہے؟ یہ اور اس قسم کے کئی ایک سوالات جمالیات کے طالب علم کو اکثر درپیش آتے ہیں۔ چنانچہ اس باب میں قرآن حکیم کی مدد سے ان سوالات کے صحیح جوابات معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مشاہدے کی ماہیت معلوم کرنے کے لیے ہمیں ایک بار پھر وجود انسانی کی بناوٹ پر غور کرنا ہوگا، جس پر قرآن حکیم نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۙ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ (الانفطار ۸۲: ۷، ۸):

اُس (باری تعالیٰ) نے تیری تخلیق کی (یعنی تیرا ہیولیٰ تیار کیا)، پھر تیرے (عناصر) میں مناسبت و ہم آہنگی حدِ کمال تک پیدا کی، پھر ان میں تناسب و اعتدال پیدا کیا۔ اس کے بعد جیسی شکل و صورت بنانا چاہی، اُس کے مطابق ترتیب دے دی۔

خالقِ حقیقی کے اس تخلیقی فعلیت میں تسویہ و تعدیل کی اہمیت قابل غور ہے کیونکہ ان سے ہی وجود انسانی کے تخلیقی عناصر میں معروضی اور موضوعی لحاظ سے وحدت پیدا ہوتی ہے۔ اس وحدت ظہور کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن حکیم انفاخ روح سے بھی تعبیر کرتا ہے :

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ o (السجدة ۳۲ : ۹) :

پھر اس میں مناسبت و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کی اور اس میں اپنی روح پھونکی اور پھر تمہارے لیے دیکھنے اور سننے کے حواس اور قلب بنایا ۔ تم شکر بھی کرتے ہو تو بہت تھوڑا ۔

اس انفاخِ روح یا ظہور وحدت کے اعجاز سے پیکر انسانی میں خارجی اور داخلی دو قسم کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں ۔ خارجی قوتوں کو حواس سے تعبیر کیا جاتا ہے ، جنھیں عام طور پر حواس خمسہ کہتے ہیں اور داخلی قوتوں کے صدر مقام کو اصطلاح قرآنی میں فؤاد یا قلب کہا جاتا ہے ۔ حواس اگرچہ پانچ ہیں ، مثلاً سامعہ ، باصرہ ، شامہ ، لامسہ اور ذائقہ ، لیکن قرآن حکیم ان میں سے عموماً سامعہ اور باصرہ کا ذکر کرتا ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ حواس باقی تینوں حواس سے بہت زیادہ اہم فرائض سرانجام دیتے ہیں اور انسان نے زیادہ تر ان کے ذریعے ہی علم و حکمت کے خزانوں کو پایا ہے ۔ مزید برآں یہ دونوں حواس جمالیاتی مشاہدہ کے دو نہایت اہم اور ناگزیر عناصر ہیں ۔ چنانچہ اسی وجہ سے انھیں مابہ الامتیاز حیثیت حاصل ہے اور قرآن حکیم نے حواس میں سے صرف ان دو کے ذکر کو کافی سمجھا ہے ۔ بہرکیف حواس وجود انسانی کی خارجی قوتیں اور مشاہدۂ انسانی کے خارجی ذرائع ہیں ۔ ہم معلوم کر چکے ہیں کہ حواس اور قلب کی قوتیں اعجاز وحدت سے ظہور میں آتی ہیں ، اس لیے ان دونوں کی اصل بھی وحدت ہوئی ۔ لہٰذا یہ حسن کی حرکی قوتیں ہوئیں اور ان کی وحدت پر مشاہدۂ انسانی کا انحصار ہے ۔ اس جگہ اس مسئلے کی صراحت کر دینا ضروری ہے ۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انسان حواس کے ذریعے کسی شے کو دیکھتا اور معلوم کرتا ہے ، لیکن جب انسان ایسا کرتا ہے تو اس کے اثرات فوراً دل پر مرتب ہوتے ہیں ، اور دل اپنے تأثرات کو فوراً دماغ کے سامنے پیش کرتا ہے اور دماغ اپنی تمام قوتوں کے ذریعے ان تأثرات

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی جانچ پڑتال کر کے ان پر اپنا حکم لگاتا ہے ۔ دماغ کے اس آخری حکم پر مشاہدۂ انسانی کی اضافی حیثیت مبنی ہوتی ہے ۔ میں نے لفظ اضافی استعمال کیا ہے ، کیونکہ مشاہدے کی مطلق حیثیت کا انحصار دماغ کے حکم پر نہیں بلکہ کسی اور شے پر ہے جس کا ذکر آگے آئے گا ۔ اس اعتبار سے مشاہدے کے تین ضروری ذرائع ہوئے : حواس ، دل اور دماغ ۔ چنانچہ صحیح اور حقیقی مشاہدے کے لیے ان تینوں قوتوں میں انفرادی اور مجموعی طور پر وحدت کا اپنی مکمل صورت میں پایا جانا ضروری ہے ۔ دوسرے لفظوں میں وحدت کی اس صورت ہی پر مشاہدے کی مطلق حیثیت کا انحصار ہوتا ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حواس اور قلب کی قوتوں میں وحدت کے پائے جانے سے کیا مراد ہے ؟ پہلے ہم حواس کو لیتے ہیں ۔ ہر حاسہ اگرچہ بذات خود ایک اکائی ہے ، لیکن یہ ان گنت عناصر سے مرکب ہے ، اس لیے ان عناصر ترکیبی میں مناسبت و ہم آہنگی کا حد کمال تک پائے جانے سے مراد وحدت ہے ۔ اس جگہ اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ اس وحدت کی وجہ ہی سے اُس حاسہ میں حسن کی حرکی قوت پائی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ خارجی موجودات کو معلوم کرتی ہے ۔ اس اعتبار سے حاسہ فوٹو اتارنے والے کیمرے کے شیشے کے مثل ہے جس کے ذریعے بیرونی دنیا کے مناظر کا عکس دل کی لوح پر پڑتا ہے ۔ ظاہر ہے جس طرح صحیح تصویر اتارنے کے لیے کیمرے کے بیرونی شیشے اور اس کی اندرونی پلیٹ کا صحیح حالت پر ہونا از بس ضروری ہے ، اسی طرح کسی چیز کے اثرات کی صحیح تصویر لینے کے لیے حواس اور دل کا اپنی صحیح حالت پر ہونا ناگزیر ہے ، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حواس اور دل کی صحیح حالت اُس کی حسین حالت ہے جو مکمل وحدت کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاہدے کی تکمیل اس دوسری منزل پر نہیں بلکہ تیسری منزل پر جا کر ہوتی ہے ؛ اور وہ دماغ کی منزل ہے جو عقل کا صدر مقام ہے اور جہاں دل کے تأثرات پر آخری حکم لگایا جاتا ہے ۔ چنانچہ اس مرحلے پر پہنچ کر مشاہدے کی تصویر پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے ۔ لہٰذا دماغ کے عناصرِ ترکیبی میں بھی وحدت کا پایا جانا ضروری ہے تا کہ وہ حسین ہو اور اپنے حسن کی بدولت صحیح حکم لگا سکے ۔ اس بحث سے نتیجہ نکلا کہ مشاہدۂ حقیقی کے لیے ضروری ہے کہ حواس ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

دل ، اور دماغ تینوں حسین ہوں ۔ جب یہ تینوں حسین ہوں گے تو یہ قدرتی طور پر انفرادی اور اجتماعی طور پر ہم آہنگ ہوں گے ! اور یہ ہم آہنگی جتنی زیادہ مکمل ہو گی اُسی نسبت سے ان میں وحدت کا ظہور درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہوگا ، لیکن یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ مشاہدے کا یہ کمال محض موضوعی لحاظ سے ہوگا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مشاہدہ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا ، جب تک موضوعی اور معروضی دونوں لحاظ سے مکمل نہ ہو ۔ چنانچہ مشاہدے کی معروضی تکمیل سے مراد مشاہدے کی حسنِ خارجی سے مکمل ہم آہنگی یا وحدت ہے ۔ اس امر کی تشریح یہ ہے ۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حسنِ مطلق اپنی اضافی حیثیت میں ایک ارتقائی حرکت مدام کی حالت میں ہونے کی وجہ سے ہر لحظہ ایک نئے حال و مقام میں جلوہ گر ہوتا ہے : كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ۝ (الرَّحْمٰن ۵۵ : ۲۹) لہٰذا یہ ہر دم تغیر ہونے والا حسن مشاہدۂ انسانی میں آتا تو ہے ، مگر فوراً نکل جاتا ہے ۔ اس کی مثال بہتے پانی کی سی ہے ، چنانچہ مشاہدے کی حسن خارجی سے ہم آہنگی محض آنی اور فانی ہوتی ہے ، لیکن حسنِ انسانی کی موضوعی حرکی قوت کی بدولت اس ہم آہنگی میں ایک اعتبار سے دوام بھی پیدا ہو سکتا ہے ، اگرچہ اس دوام کی نوعیت تغیرِ مدام کی سی ہوگی ۔ بہرحال ، وحدتِ مشاہدہ کا یہ امکان ایک اعتبار سے عارضی اور دوسرے اعتبار سے دائمی ہے ۔ مشاہدے اور حقیقت کے اس تعلق پر قرآن حکیم نے نہایت دلکش اور جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے ۔ وہ کہتا ہے جنت حسن المآب ہے ، یعنی حسن کی ایسی جلوہ گاہ ہے جو انسان کی حقیقی جائے بازگشت ہے ! اور جہاں ہر شخص جو حسنِ حیات لے کر آئے گا حسن مطلق کے نظاروں سے سرور حاصل کرے گا ۔ جنت کو اہلِ جنت محض اپنے نور ، یعنی مشاہدے سے دیکھیں گے اور پہچانیں گے ۔ یہ نور جو دراصل ان کے حسن باطنی کی معروضی شکل ہوگا ، ان کے آگے اور دائیں تیز رفتاری سے حرکت کرتا ہوگا اور وہ اپنے نورِ مشاہدہ کی کیفیت و کمیت کے لحاظ سے جنت میں ارتقائی منزلیں طے کرتے رہیں گے ۔ اہلِ جنت کے حال و مقام کے ارتقاء کی نوعیت مشاہدۂ انسانی کی حسن مطلق کے ساتھ مکمل ہم آہنگی یا وحدت پر منحصر ہے ، لیکن حسن مطلق کے اضافی تغیر مدام کے سبب

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ وحدت چونکہ گریز پا ہوگی ، اس لیے وہ اپنے مشاہدے کی تکمیل یا وحدت مشاہدہ کے لیے ہمیشہ یہ دعا کرتے رہیں گے :

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ۝ (التحریم ٦٦ : ٨) :

اے ہمارے رب ! ہمارے نور کی تکمیل کر دے .

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ جنت میں اہلِ جنت کے نورِ مشاہدہ کی تکمیل سے مقصود کیا ہے ؟ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں مشاہدے کی تکمیل ہوتی ہے اسی طرح جنت میں مشاہدے کی تکمیل ہوگی ۔ چنانچہ جنت میں حسنِ مطلق ہر لحظہ ایک نئی شان میں ہوگا اور وہاں بھی وہ اضافی حیثیت میں ہمیشہ ارتقائی حالت میں رہے گا اور اُس سے ہم آہنگ ہونے کے لیے انسان کا حسن موضوعی ہمیشہ کوشاں اور دعا گو رہے گا ۔ جنت میں چونکہ ہر شخص کی دعا مستجاب ہوگی اس لیے انسان کا حسنِ موضوعی ہر حال و مقام میں اس سے ہم آہنگ ہوگا ، لیکن ہر حال و مقام چونکہ بذات خود متغیر ہوگا ، لہٰذا یہ ہم‌آہنگی بالکل عارضی ہوگی اور وحدت مشاہدہ ، بھی آنی اور فانی ہوگی ۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اہلِ جنت ہمیشہ اپنے نور کی تکمیل کی دعا مانگتے رہیں گے اور ہمیشہ ان کی دعا قبول ہوتی رہے گی اور ہمیشہ ہی ان کے مشاہدے کی تکمیل ہوتی رہے گی اور وحدتِ مشاہدہ کے غیب و ظہور کا سلسلہ ابد تک چلتا رہے گا ۔ حسن چونکہ موضوعی اور معروضی ہر حیثیت میں ارتقائی حرکت میں رہتا ہے اس لیے وحدت مشاہدہ کے سلسلے کی نوعیت ارتقائی ہے ۔ حرکت دوام چونکہ ثبات کی حریف اور تغیر کی متقاضی ہے ، اس لیے وحدت مشاہدہ کے سلسلۂ ارتقاء کو ثبات نہیں اگرچہ اس کی بے ثباتی اس کے ارتقاے دوام کی دلیل اور وجہ ہے اور اس میں ہی انسان کے کیف و سرور کے سلسلۂ ارتقاء کی ابدیت کا راز مضمر ہے .

حسن چونکہ ہر حال ہر مقام اور ہر حیثیت میں حرکی قوت کا حامل ہوتا ہے ، اس لیے اس میں اپنی اصل ، یعنی حسن مطلق کی اضافی حالت سے ہم‌آہنگ ہونے یا وحدت قائم کرنے کی قوت ہوتی ہے ۔ چنانچہ انسان کا حسن موضوعی اپنی کیفیت و کمیت کے اعتبار سے جس قدر اس قوت کا حامل ہوگا اسی قدر اس کے نور مشاہدہ میں قوت ارتقاء پائی جائے گی اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھر اسی نسبت سے وہ حسن مطلق کے اضافی تغیر مدام کا ساتھ دے سکے گا۔ اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حسن موضوعی کی حرکی قوت پر مشاہدے کی قوت پرواز منحصر ہے اور اس قوت ارتقاء پر وحدت مشاہدہ کا انحصار ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب ششم

نظریۂ وحدتِ جمال

جمالیات میں حسن کے متعلق جتنے نظریات مشہور ہیں وہ تقریباً تمام کے تمام اپنی نوعیت میں یا تو موضوعی ہیں یا معروضی اور ان میں سے ہر ایک نظریے کے متعدد مکاتب فکر ہیں ، جن پر علٰحدہ علٰحدہ مفصل طور پر بحث کرنے کا نہ محل ہے اور نہ موقع ، لہٰذا ان میں سے جو زیادہ معروف ہیں ان کے ذکر پر ہی اکتفا کیا جائے گا .

حسن کے موضوعی نظریے کے حامی مفکرین اس بات کے مدعی ہیں کہ حسن خارجی دنیا میں نہیں بلکہ انسان کے اپنے اندر ہے ؛ یعنی اس کے قلب و نظر میں ہے ، اور اس کے اظہار ہی سے موجودات حسین و نظر افروز نظر آتی ہیں ورنہ اس کائنات کی ہر شے بذات خود نہ تو حسین ہے اور نہ قبیح .

اس کے برعکس حسن کے معروضی نظریے کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ حسن صرف خارجی دنیا میں پایا جاتا ہے ، لہٰذا وہ حسنِ موضوعی کے منکر ہیں - اُن کے نزدیک چونکہ حسن امرِ واقعی ہے ، اس کے احساس و شعور کے لیے حسن جمال یا کسی باطنی قوت کی ضرورت نہیں .

جمالیات میں وہ نظریات جو حسن کو اظہار کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں ، نظریاتِ اظہار کہلاتے ہیں - یہ نظریات اگرچہ تعداد میں بہت ہیں ، مگر اس جگہ ان میں سے گیارہ کی طرف اشارے کیے جاتے ہیں - ان میں سے چار موضوعی ہیں اور سات معروضی - معروضی نظریات میں سے پہلا نظریہ سقراط اور افلاطون کا ہے - اُن کے نزدیک موجودات میں حسنِ مطلق کا اظہار اُس کے حسن کی وجۂ حقیقی ہے - دوسرا نظریہ رواقیوں کا ہے - کرائی سپس کے نظریۂ جمال کو اگر مستند مان لیا جائے اور اس کو مستند نہ ماننے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی ، تو پھر

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ رواقیوں کے نزدیک مسرت و افادیت کے مکمل اظہار کا نام حسن ہے۔ تیسرا نظریہ اشراقیت کے بانی کا ہے۔ اُس کے نزدیک حسن نور ہے اور یہ حیاتِ کائنات کے اظہار کا دوسرا نام ہے۔ اسی طرح تمام زندہ اشیاء اس لیے حسین ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا اظہار کرتی ہیں۔ اس نظریے سے ملتا جلتا نظریہ شیفٹس بری کا ہے، جس کے عقیدے کے مطابق حسن، کائنات کی اُلوہی زندگی کا اظہار ہے۔ شلر کے نزدیک حسن نام ہے زندگی کا، مگر یہ زندگی جسمانی نہیں بلکہ ایک غیر مادی کیفیت کا مظہر ہے۔ قریب قریب یہی نظریہ برگساں کا ہے جو حسن کو قوتِ حیاتیہ کا مظہر سمجھتا ہے۔ اُس کے مطابق قوتِ حیاتیہ کو ایک جگہ قرار نہیں اور حرکت ارتقاء اور تخلیق اس کی فطرت ہے۔ اقبال کا نظریہٗ حسن اس کے فلسفہٗ خودی سے گہرا تعلق رکھتا ہے چنانچہ وہ خودی کے اظہارِ عشق کو حسن سے تعبیر کرتا ہے۔

'حسنِ موضوعی کے نظریے کے چار مکاتیب فکر غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے پہلے مکتبِ فکر کے نامور حکماء کے نام یہ ہیں (۱) رابرٹ وشر؛ (۲) لپس اور (۳) والکیٹ۔ ان کے مطابق حسن جو خارجی اشیاء میں نظر آتا ہے ان کا ذاتی وصف نہیں ہوتا، بلکہ مشاہدہ کرنے والے شخص کی ہمدردی اور شوق کے تحت الشعوری جذبات، جب کسی شے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو وہ حسین و دلکش نظر آنے لگتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ کرنے والے کا سوز دروں ہی حسن کی صورت میں مشہود میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

دوسرا نظریہ اُن فلاسفہ کا ہے جو مشاہدہ کرنے والے کے جذبات و احساسات کے مکمل اظہار کو حسن سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک بام گارٹن ہے جس نے باقاعدہ طور پر جمالیات میں نظریہٗ اظہاریت کی طرح ڈالی اور دوسرا کروچے ہے جس نے اس نظریے کو عالمگیر شہرت بخشی۔ کروچے خصوصیت سے حسن کی تخلیق کے لیے "اظہارِ کمال" پر بہت زور دیتا ہے۔

تیسرا نظریہ خالص نفسیاتی ہے اور اس کا بانی مشہور عالمِ نفسیات فرائڈ ہے۔ اس کے نزدیک حسن کا مبدأ جنسی جبلت ہے۔ چنانچہ ایک مشاہدہ کرنے والا جب اپنی اس جبلی جذبہ کا اظہار کرتا ہے تو مشہود

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں حسن و جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے ، ورنہ فی الحقیقت کوئی شے نہ تو حسین ہے اور نہ قبیح ۔

حسن کے موضوعی اور معروضی نظریات کے تمام مکاتبِ فکر کا ناقدانہ نظروں سے مطالعہ کریں تو اس واقعیت کا پتا چلتا ہے کہ ان میں کوئی بھی حقیقت کی مکمل عکاسی نہیں کرتا اور کسی نہ کسی اعتبار سے ادھورا اور ناقص ہے ۔ موضوعی نظریے کے تمام مکاتبِ فکر پر مجموعی طور پر نظر ڈالیں تو ان پر ایک اعتراض یہ لازم آتا ہے کہ اگر حسن خارج میں نہیں اور یہ محض انسان کی اپنی موضوعی کیفیات کا اظہار ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ حسین چیزیں سب کو نظر افروز اور دلکش نظر آتی ہیں اور سب کے لیے ذوقِ نظر کی تسکین کا سامان ہیں اور قبیح چیزیں سب کو بری اور مکروہ لگتی ہیں ۔ چنانچہ کون شخص ہے جو سریلی آواز اور سجیلی صورت سے محظوظ نہیں ہوتا اور بے سری آواز اور مکروہ صورت سے اُس کی طبیعت میں بیزاری اور ناگواری نہیں پیدا ہوتی ؟ اس نظریے پر دوسرا اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ اگر خارج میں کوئی شے حسین یا قبیح نہیں اور حسن و قبح محض انسان کی داخلی کیفیات کا اظہار ہے ، تو پھر حسن و قبح کے امتیاز کا کوئی عالمگیر معیار قائم نہیں ہو سکتا ہے ، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حسن کو سبھی حسن سمجھتے ہیں اور قبح سب کی نظروں میں قبح ہے اور دونوں میں نمایاں فرق دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں ۔ اس نظریے پر تیسرا اعتراض یہ لازم آتا ہے کہ اگر اشیاء حسن و قبح کی حامل نہ ہوتیں اور وہ اپنے اچھے برے اثرات قلب انسانی پر نہ چھوڑتیں تو پھر یہ ہرگز ممکن نہ تھا کہ کچھ چیزیں تو ہمیں حسین و دلکش نظر آتیں اور ہمیں طمانیت و سرور بخشتیں اور کچھ قبیح و ناگوار معلوم ہوتیں اور ہم میں نفرت و کراہیت کے جذبات پیدا کرتیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ خلقت اشیاء میں حسن کی دو قوتیں کارفرما ہیں ۔ ایک جذب کی ہے اور دوسری انجذاب کی ۔ موجودات میں حسن کی انجذابی قوت اُس کی دلکشی ، نظر افروزی اور سرور انگیزی کا باعث ہے ، اور جذب کی قوت سے انسان حسن خارجی سے لذت و سرور حاصل کرتا ہے ۔ چنانچہ ان دونوں قوتوں کی وحدت میں حسن کی حقیقت کا راز مضمر ہے ۔

اسی طرح نظریۂ حسن معروضی کے تمام مکاتبِ فکر میں نقص پایا جاتا ہے ، کیونکہ وہ حقیقت کے صرف ایک ہی رخ کی آئینہ داری کرتے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں ۔ حسن بے شک خارج میں موجود ہے ، مگر اُس سے لطف و سرور حاصل کرنا حسنِ داخلی یا جمالیاتی حسن کے بغیر ممکن نہیں ۔ جس طرح حسن کو دیکھنے اور معلوم کرنے کے لیے حواس کی ضرورت مسلمہ ہے ، اُسی طرح اُس کے احساس و شعور کے لیے قلب کی انفعالی قوت کا ہونا لازمی ہے ، جسے جمالیات کی اصطلاح میں جمالیاتی حس کہا جاتا ہے ۔ جمالیاتی حس ہر انسان میں فطری طور پر پائی جاتی ہے ، لیکن مشاہدہ و اکتساب سے اُس کی قوت تأثر و امتیاز میں نمایاں فرق پڑ جاتا ہے ۔ جو لوگ محض فطری جمالیاتی حس رکھتے ہیں انھیں اصطلاح میں عطائی کہتے ہیں اور جو لوگ ریاض و مزاولت سے اس قوت کو زیادہ بیدار کر لیتے ہیں ، کسبی کہلاتے ہیں ۔ اسی طرح اہل نقد و نظر جو فنی تخلیقات کی جمالیاتی قدروں کی تعیین کرتے ہیں ، اپنی فطری جمالیاتی حس کو اکتسابی طور سے بیدار کر چکے ہوتے ہیں .

حُسن موجودات میں بلاشبہہ نظر افروزی ، دلکشی اور سُرور انگیزی کی قوت ہے ، مگر یہ قوت اُس وقت کوئی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے ، جب اُس کی تحریک دل میں ہو اور دل میں اس کے اثرات کو قبول کرنے کی فطری استعداد موجود ہو ۔ اس سے ثابت ہوا کہ حسن معروضی کا نظریہ بھی ادھورا اور ناقص ہے .

حسن کے موضوعی اور معروضی ہونے کا جہاں تک تعلق ہے ان دونوں جمالیاتی نظریوں کو ایک دوسرے سے علٰحدہ اور بے تعلق کر کے دیکھا جائے تو وہ ناقص اور ادھورے نظر آئیں گے ، کیونکہ اُن میں سے ہر ایک نظریہ حقیقت کے صرف ایک رخ کی عکاسی کرتا ہے ، لیکن اگر دونوں نظریوں کو باہم یک جا کر دیا جائے تو ان کی اس ہم آہنگی یا وحدت سے حقیقت کے دونوں رخ سامنے آ جائیں گے ، اور اس طرح ان میں صحت جامعیت پیدا ہو جائے گی ۔ یہ نظریہ چونکہ حسن کے معروضی اور موضوعی دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے وحدت کا آئینہ دار ہے اس لیے اسے وحدتِ جمال کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ یہ نظریہ جسے قرآن حکیم نے تقریباً چودہ صدیاں پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا ، حقیقت کی مکمل آئینہ داری کرتا ہے اور ہر لحاظ سے مکمل ، جامع اور احسن ہے ۔ اس نظریے پر اب قرآنی نقطۂ نظر سے بحث کرنے کی کوشش کی جاتی ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن حکیم کی رو سے حسن کے دو پہلو ہیں ، معروضی اور موضوعی ، مثلاً :

وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ (الاحزاب ٣٣ : ٥٢) :
اور اگرچہ آن (عورتوں) کا حسن تجھے تعجب انگیز خوشی بخشے ۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ (الشمس ٩١ : ٧) :
اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اُس میں مناسبت و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کی ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان صوری لحاظ کے علاوہ معنوی یا نفسیاتی طور پر بھی حسین ہے اور اس کے اس حسن معنوی کا اعجاز ہے کہ اُس میں مشاہدے اور احساس و شعور کی قوتیں پیدا ہو گئیں :

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

(الملک ٦٧ : ٢٣) :
کہہ دو کہ وہی (باری تعالیٰ) ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ، اور تمھارے لیے سننے اور دیکھنے کے حواس اور (احساس و شعور کی قوتوں کا مبدأ) قلب بنا دیا ۔ تم شکر بھی کرتے ہو تو بہت تھوڑا ۔

قرآن حکیم کا جب یہ دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بنائی ہوئی شے حسین و نظر افروز ہے تو ثابت ہوا کہ انسان کے حواس و قلب بھی جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں حسین ہیں :

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَشْكُرُوْنَ ۝ (السجدة ۳۲ : ۷ تا ۹) :

اُس نے جو چیز بنائی حسین بنائی ، اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا ، پھر اُس کی نسل ایک خلاصہ سے ٹھہرائی جو کمزور پانی میں (آ جاتا ہے) پھر (اُس کے عناصرِ ترکیبی میں) مطابقت و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کر کے اُسے صحیح طریق سے مکمل کیا اور پھر اپنی روح اُس میں پھونکی ، اور تمھارے لیے کان اور دل و دماغ بنائے ، تم اس کا بہت کم شکریہ ادا کرتے ہو ۔

قلب جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے حسن کی فعلی اور انفعالی قوتوں کا مرکز ہے اور اسی سے حسن معروضی کا احساس و شعور ہوتا ہے ۔ اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ حسن معروضی بھی ہے اور موضوعی بھی اور جمالیات میں وحدتِ جمال کا نظریہ قرآنی ہر اعتبار سے اکمل و احسن ہے ۔

آخری وحیِ الٰہی کی روشنی میں حسن معروضی کو معلوم کرنے کے بعد اگر دوسرے طریقے سے اس واقعیت کا مشاہدہ کرنا ہو کہ اس عالم رنگ و بو میں حسن معرضی طور پر پایا جاتا ہے یا نہیں ؟ تو چند لمحوں کے لیے اُس عالمِ ہستی کا تصور کیجیے جس میں انسان تو ہے ، مگر اس کے وجود میں کوئی مناسبت و ہم آہنگی نہیں ؛ اُس کی آنکھیں تو ہیں ، مگر اُن میں کوئی کشش و جاذبیت نہیں ؛ اس کی آواز تو ہے ، مگر اس میں شیرینی و حلاوت کا کوئی پتا نہیں ۔ اس عالم میں طیور تو ہیں ، مگر اُن کی زمزمہ سنجیاں نہیں ؛ ان کے بال و پر تو ہیں ، مگر ان میں حسن و رنگ کی نظرافروزیاں نہیں ۔ وہاں چاند نکلتا ہے ، مگر چاندنی کی بہاروں کے بغیر ؛ وہاں تارے تو ہیں ، مگر ان میں درخشندگی اور چشمک زنی کا کہیں نشان نہیں ؛ وہاں پھول کھلتے ہیں ، لیکن ان میں نہ خوشبو کی عطر بیزیاں ہیں اور نہ نزہت و رنگ کی دلآویزیاں ؛ اس میں سبزہ لہلہاتا ہے ، مگر شادابی و رنگینی کے بغیر ؛ اس میں پھل تو ہیں ، مگر ان میں نہ رنگ و بو ہے اور نہ لذت و ذائقہ ؛ اس میں دھاتوں کے دفینے ہیں ، مگر زر و سیم میں نہ چمک دمک ہے اور نہ لعل و گہر میں آب و تاب ۔ وہاں صبح ہوتی ہے ، مگر نورِ سحر کی کیف پرور بہاروں کے بغیر ۔ وہاں رات آتی ہے ، مگر شفق شام کے رنگین و سرور انگیز نظاروں کے بغیر ؛ وہاں نہ تو زمان و مکان کے اختلاف کی دلکش نیرنگیاں ہیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور نہ موسموں کے تغیر و تبدل کے پُربہار نظارے ۔ ایسے جہانِ بے رنگ و بو اور ایسی دنیائے بے کیف و سرور میں کون ہے جو اپنے حواس اور جمالیاتی حس کے ہوتے ہوئے زندگی کا ایک لمحہ بھی گزارنا پسند کرے ۔ حسن سے خالی دنیا کو چشم تصور سے دیکھنے کے بعد اس واقعیت کا احساس ہوتا ہے کہ یہ کائنات کتنی حسین و سرور انگیز ہے اور اس جہان انس و آفاق کا گوشہ گوشہ جمیل و جلیل نظاروں کا آئینہ دار ہے اور ہر نظارہ جمالیاتی حس کی تسکین کا سامان لاجواب ہے ۔

اسی طرح اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ انسان کا باطن جمال معنوی کا آئینہ دار ہے یا نہیں اور زندگی کے سرور و ارتقاء کے لیے اسے جمالیاتی حس کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ تو آئیے اُس شخص کی کیفیات کا مشاہدہ کریں جو جمالیاتی حس سے محروم ہے ، مگر اس عالم رنگ و بو میں ہے جس کا گوشہ گوشہ حسن کے نظرافروز اور بوقلموں نظاروں سے معمور ہے ۔ وہاں مغنیٔ شعلہ نفس کے نغمے اس کے کانوں کے پردوں سے ٹکراتے ہیں ، مگر اس کے دل میں کیف و سرور کی کوئی موج نہیں اٹھتی ؛ نکہتِ گل سے فضا مہک رہی ہے ، مگر اس کی مشام جان معطر نہیں ہوتی ؛ نسیم چمن اس سے اٹھکیلیاں کرتی ہے ، مگر اس کی روح لذت و انبساط سے آشنا نہیں ہوتی ۔ طاؤس کا رقص والہانہ ہو یا کبک و کبوتر کا خرام ناز ، جویبار کی کیف پرور روانی ہو یا رنگا رنگ طیور کی سحر انگیز پرواز ، اس کا دل ان نظرافروز نظاروں سے قطعاً متأثر نہیں ہوتا ۔ صبح اپنی تمام کیف پروریوں ، شام اپنی تمام دل آویزیوں اور چاندنی اپنی تمام سحر طرازیوں کے ساتھ اس کے دامنِ قلب و نگاہ کو کھینچتی ہے ، مگر اس کی روح کو جنبش تک نہیں ہوتی ۔ غرضیکہ ساقی فطرت اپنی تمام قیامت خیزیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہے ، مگر اس کے دل میں صہبائے نظارہ کی کوئی طلب و آرزو پیدا نہیں ہوتی ۔ ایسا شخص کبھی ایک لحظے کے لیے بھی سوچ سکتا ہے کہ حُسن صرف موجودات میں ہے اور اس کی فطرت میں نہیں جس کی بدولت اسے حسن کا احساس و شعور ہوتا ہے ۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حسن موضوعی بھی ہے اور معروضی بھی اور وہ اپنے ان دونوں رخوں کی وحدت سے کل کی صورت اختیار کرتا ہے ۔ حسن کی اس کلیّت کو وحدتِ جمال کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قدر

جمالیات کا ایک اہم مسئلہ قدر[1] کے معنٰی و مفہوم کی تعیین کا ہے۔ اگرچہ اہلِ علم نے اس مسئلے کو حل کرنے کی قابلِ قدر کوششیں کی ہیں، مگر پھر بھی یہ لفظ آج تک شرمندۂ معنی نہیں ہؤا۔ ہمارے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس مقصد کے لیے اس خالق حقیقی کی طرف رجوع نہیں کیا، جو کائنات کی ہر شے کی بہترین قدریں مقرر کرنے والا ہے[2]۔ چونکہ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ قدر کا مفہوم جو قادر مطلق نے متعین کیا ہے وہ ہر لحاظ سے صحیح اور احسن ہوگا، اس لیے ہم قدر کے معنی و مفہوم کو معلوم کرنے کے لیے قرآن حکیم کی طرف رجوع کرتے ہیں، جو ہر شے کی تفصیل کا آئینہ دار ہے[3]۔ چنانچہ اس بارے میں اس کا یہ ارشاد ہے:

وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (الفرقان ۲۵ : ۲) :

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس میں صحیح تناسب اور وزن قائم کیا۔

اور

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر ۵۴ : ۴۹) :

بلاشبہ ہم نے ہر شے کو صحیح تناسب اور وزن کے ساتھ پیدا کیا۔

اس سے پیشتر کہ قرآنِ حکیم کی مختلف آیات کی مدد سے قدر کے معنی و مفہوم کو معلوم کرنے کی کوشش کی جائے اس لفظ کی لغوی معنویت پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ہم امام راغبؒ کی شہرۂ آفاق لغت **مفردات** کی طرف رجوع کرتے ہیں، جس میں انھوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے قدر کے یہ معنی دیے ہیں :

"قدر اور تقدیر کے ایک ہی معنی ہیں ، یعنی کسی شے کے اندازے کا واضح کر دینا اور اس کے معنی قدرت (یعنی قوت و تأثیر) عطا کرنے کے بھی آتے ہیں - چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات کی تقدیر دو طرح کی ہے ، ایک تو ان کو قوت و تأثیر عطا کرنا اور دوسرے ان کو اقتضاے حکمت کے مطابق ایک خاص اندازے اور وجہ پر بنانا ."

خط کشیدہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قدر کی دو قسمیں ہیں : ایک صوری یا خارجی اور دوسری معنوی یا داخلی - خارجی قدر سے اس کی مراد یہ ہے کہ اس شے کی شکل و صورت اُس کے داخلی اور خارجی ماحول کے عین مطابق بنی ہوئی ہے ، اس لیے وہ ہر اعتبار سے متناسب و متوازن ہے اور داخلی قدر کے یہ معنی ہیں کہ اس شے کی قوت و تأثیر ، کمیت و کیفیت ، اور داخلی اور خارجی ماحول کے عین مطابق ، یعنی ہر اعتبار سے متناسب و متوازن ہے - مفردات راغبؒ کے علاوہ لغت کی دوسری مستند کتب ، مثلاً **تاج العروس** ، **لسان العرب** اور **اقرب الموارد** وغیرہ میں بھی قدر کے جو معنی دیے ہیں ، ان میں تناسب ، مطابقت ، اعتدال کا بھی مفہوم مضمر ہے ، اس لیے ان لغوی معنوں کی رو سے محولہ بالا آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی تخلیق کی اور اس کی صورت و فطرت کو اس کی خلقت کی حقیقت (یعنی اس کے ذاتی اور اضافی تقاضوں) کے مطابق بنایا .

ان آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ہم نے قدر اور حقیقت کے ناگزیر تعلق پر جو زور دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حق یا حقیقت کے وسیع مفہوم کے مختلف پہلوؤں میں سے قدر بھی اس کا ایک پہلو ہے اور اپنے اس دعوے کی دلیل میں مفردات سے وہ تشریحات پیش کرتے ہیں جو امام لغت نے حق کے معنی بیان کرنے کے لیے کی ہیں :

"حق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں اور اس کا استعمال کئی وجہ پر ہوتا ہے - اللہ تعالیٰ کو بھی "الحق" کہا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چیزوں کو اس کے مطابق جو اقتضاے حکمت ہے وجود میں لانے والا ہے :

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ط (الانعام ۶ : ۶۲) :

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور تخلیقات خداوندی کو اس لحاظ سے حق کہا گیا ہے کہ وہ اقتضاے حکمت کے مطابق وجود میں آتی ہیں اور ہر اس قول و فعل کو حق کہا جاتا ہے ، جو اس کے مطابق ہو جو واجب ہے اور اس اندازے سے ہو جو واجب ہے اور اس وقت پر ہو جو واجب ہے - ان تشریحات کی رو سے حق کا مفہوم مطابقت و موافقت میں مضمر ہے اور ظاہر ہے جو شے ہر اعتبار سے مطابقت اور موافقت رکھتی ہوگی ، وہ یقیناً متناسب و متوازن بھی ہوگی ، ورنہ وہ اقتضاے حکمت کے مطابق نہ ہوگی'' - اس بحث سے ثابت ہوا کہ حقیقت ، حکمت اور قدر کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے اور یہ حکمت اور قدر حقیقت کے ہی دو پہلو ہیں .

قدر کے مفہوم کو اب ہم ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس مقصد کی خاطر گلاب کی تخلیق پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اس واقعیت کا احساس ہوتا ہے کہ اس کی خلقت کے جو ذاتی اور اضافی تقاضے تھے ان کے مطابق اس کے وجود کے خارجی رخ ، یعنی صورت اور داخلی رخ ، یعنی فطرت کی تشکیل ہوئی ہے ؛ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی تخلیق اس طرح نہ ہوئی ہوتی تو وہ نہ تو اتنا خوب صورت ہوتا نہ وہ اپنی ساخت کی موزونیت پر خود شاہد ہوتا - اس طرح باری تعالیٰ کا ہر پیکرِ تخلیق اپنے خارجی اور داخلی ، مطلق اور اضافی تقاضوں کے مطابق وجود میں آیا ہے اور اس لیے وہ حسین ہے[۴] - چونکہ وہ حسین ہے اس لیے اس کا موزوں ہونا بھی لازمی ہوا[۵] - یہ موزونیت اس امر کی دلیل ہے کہ اس شے کے عناصر تخلیق مطلق اور اضافی دونوں حیثیتوں میں متناسب و ہم آہنگ ہیں .

اس بحث سے ہم یہ نتیجہ مستنبط کر سکتے ہیں کہ قدر کے معنی کسی شے میں تناسب و ہم‌آہنگی یا موزونیت کے ہیں - یہ موزونیت اگر داخلی ہوگی تو اس کو حسنِ فطرت کہیں گے ، اور فطرت ہر شے کی قوت و تأثیر کا سرچشمہ ہے ، لیکن اگر یہ موزونیت خارجی ہوگی تو اسے حسنِ صورت سے تعبیر کریں گے - اگر یہ موزونیت مطلق ہوگی تو اس کی ایک مستقل حیثیت ہوگی اور اگر یہ اضافی ہوگی تو اس کی حیثیت خارجی ماحول سے وابستہ ہوگی ؛ علاوہ ازیں چونکہ اس کے بدلنے سے بدل جائے گی ، اس لیے وہ تغیّر پذیر ہوگی ؛ مثلاً گلاب کی خارجی قدر کا معنیٰ ، اس کے خارجی اجزاے تخلیق کا تناسب ہے جو اس کی سُرور انگیز

toobaa-elibrary.blogspot.com

خوش نمائی کی صورت سے عبارت ہے۔ اسی طرح اس کی داخلی قدر سے مقصود اس کے داخلی اجزاے عناصر کا تناسب ہے، جسے اس کی قوت و تأثیر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ قوت و تأثیر اپنی اضافی حیثیت میں شامہ سے جتنی متناسب ہوگی اتنا ہی اسے سُرور بخشے گی؛ وہ جس نسبت سے کسی انسان کے مزاج سے ہم‌آہنگ ہوگی، اسی نسبت سے اس کو اعتدال پر لائے گی، جسے شفا کہتے ہیں۔ اسی طرح گلاب اپنے ماحول کے تقاضوں سے جتنا زیادہ ہم‌آہنگ ہوگا اس کی ضرورت اور مانگ اسی نسبت سے زیادہ ہوگی، چنانچہ قدر سے مقصود یہ ہوا کہ کوئی شے اپنی مطلق حیثیت میں کتنی موزوں ہے اور اضافی حیثیت میں وہ ماحول کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں سے کسی قدر ہم‌آہنگ ہے، لیکن اگر ہم قدر کو کسی صفت کے ساتھ استعمال کریں گے تو اس میں خصوصیت پیدا ہو جائے گی، مثلاً جمالیاتی قدر کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ شے اپنی مطلق اور اضافی حیثیت میں کس نسبت سے انسان کی جمالیاتی حس کے تقاضوں سے ہم‌آہنگ ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس شے میں سرور انگیزی کی کتنی فطری صلاحیت موجود ہے۔

قرآن حکیم چونکہ انسان کے لیے اس کی اپنی زبان میں نازل ہوا ہے؛ اس لیے اس کے ہر لفظ میں لغوی معنویت کی مطابقت و موافقت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود، قرآن حکیم نے اپنے ہر لفظ کے معنی و مفہوم کو خود بھی اپنے اندر محفوظ کر لیا ہے، تاکہ یہ الہامی کتاب لفظاً اور معناً ہر اعتبار سے تحریف سے محفوظ رہے۔ چنانچہ یہ دیکھنے کے لیے کہ قدر کے معنی جو ہم نے لغت کی رو سے کیے ہیں، قرآن حکیم کے متعین کیے ہوئے معنوں سے مطابقت و موافقت رکھتے ہیں یا نہیں، ہمیں اس کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور اس مقصد کی خاطر ہم اس مندرجۂ ذیل آیت پر غور و فکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ط (الانعام ٦ : ٩١):

جب انھوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی تو انھوں نے اس کی قدرت ذات، یعنی اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ربوبیت و رحمت کا صحیح اندازہ نہ کیا ۔

لغت کی رو سے ہم نے قدر کے معنی داخلی اعتبار سے قدرت و تأثیر کی موزونیت اور خارجی لحاظ سے صورت کی موزونیت کے کیے ہیں ۔ چنانچہ اسی اعتبار سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی قدر کے معنی داخلی اعتبار سے ربوبیت کے اور خارجی اعتبار سے رحمت کے کیے ہیں ؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ربوبیت اس کی حسین ذات کا خاصّہ ہے اور رحمت کو اس کے حسن ذات کی ظاہری صورت سے تعبیر کر سکتے ہیں ؛ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم نے محولہ بالا آیت سے جو مفہوم مستنبط کیا ہے وہ قرآن حکیم کے نقطہ نظر سے درست ہے یا نہیں ؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ مفہوم قرآن حکیم کے مزاج سے اس حد تک مطابقت رکھتا ہے جہاں تک فہم انسانی حقیقت کا ادراک کر سکتا ہو ۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت کا خاصّہ ہے کہ اس نے افراد نسل انسانی کو وحی و تنزیل کے ذریعے ہدایت دی اور اس چیز سے انکار کرنا چونکہ قرآن حکیم کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی قدر سے انکار کرنے کے مترادف ہے ، جیسا کہ محولہ بالا آیت سے مترشح ہے ، اس لیے اگر ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت و رحمت کی وجہ سے وحی و تنزیل سے نوع انسانی کی رہنمائی کی تو یہ ہمارے اس دعوے کا ثبوت ہوگا کہ قدر کا مفہوم جو ہم نے متعین کیا ہے وہ قرآنی مفہوم کے مطابق ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل آیات میں اُس نے غیر مبہم انداز میں وحی و تنزیل کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے وابستہ بتایا ہے :

الٓمّٓ ۚ تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ؕ
أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ
قَوْمًا مَّآ أَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُونَ ٥ (السجدة ۳۲ : ۱ تا ۳) :

الٓمّٓ ــ اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ اس کتاب کا نازل کرنا

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالموں کے پروردگار کی طرف سے ہے (یعنی اس واقعیت میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ یہ اُس کی ربوبیت کا خاصّہ ہے کہ اس نے یہ کتاب ، یعنی قرآن حکیم نازل کیا) ۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے خود بنا لیا ہے ؟ بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) وہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے تاکہ اس قوم کو متنبہ کرے ، جس کے پاس حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں .

اور

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَالْحَقَّ لا وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ o (سبا ۳۴ : ۶) :

اور وہ جنھیں علم دیا گیا ہے جانتے ہیں کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے اور وہ (کامرانی کی حسین) راہ تک پہنچاتا ہے جو اس قوت و جبروت کے مالک کی ہے جو تعریف کیا گیا ہے .

ان آیات سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ وحی و تنزیل اللہ تعالیٰ کی معنوی ربوبیت کا فیضان ہے ، اب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں ، جن میں اُس نے وحی و تنزیل کو فیضانِ رحمت سے تعبیر کیا ہے :

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لا لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ o (یٰسٓ ۳۶ : ۵ تا ۶) :

(یہ قرآن حکیم) قوت و جبروت اور رحمت والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے ، تاکہ تم لوگوں کو متنبہ کرو ، جن کے آبا و اجداد (کسی پیغمبر کے ذریعے) متنبہ نہیں کیے گئے اور اس لیے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں .

وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی و تنزیل کا سلسلہ نوعِ انسانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کی ہدایت کے لیے اس لیے شروع کیا کہ وہ رحیم ہے اور چونکہ نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے الہامی کتاب کا نزول اس کی رحمت کا خاصّہ ہے ، اس لیے اس نے ہر الہامی صحیفے کو رحمت سے تعبیر کیا ہے :

یَآ اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۵ لا وَ ھُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ o قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ط ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ o (یونس ۱۰ : ۵۷ تا ۵۸) :

اے لوگو ! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسی چیز آ گئی ہے جو موعظت ہے ، دل کی تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے اور ہدایت و رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں ۔ تم کہو کہ یہ اللّٰہ کا فضل اور اُس کی رحمت ہے ۔ پس چاہیے کہ اس پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے رہتے ہیں .

اور

وَ مِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰی اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ط وَ ھٰذَا کِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا صلے ق وَ بُشْرٰی لِلْمُحْسِنِیْنَ o (الاحقاف ۴۶ : ۱۲) :

اس (قرآن) سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب قائد اور رحمت تھی ، اور یہ کتاب (قرآن) اس کی تصدیق کرنے والی عربی زبان میں ہے ، تا کہ تم ان لوگوں کو (ان کے انجام سے) متنبہ کرو ، جو حد سے نکل چکے ہیں اور حسین عمل کرنے والوں کے لیے یہ مژدۂ مسرت ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

الہامی کتابیں چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت پر دلالت کرتی ہیں ، اس لیے اس نے انھیں آیاتِ رحمٰن کہہ کر براہِ راست اپنی صفتِ رحمت کی طرف منسوب کیا ہے :

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا o

(مریم ۱۹ : ۵۸) :

ان لوگوں کو جب خدائے رحمٰن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ بے اختیار سجدے میں گر جاتے ہیں اور رونے لگتے ہیں .

وحی و تنزیل کا سلسلہ جب اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کی وجہ سے شروع ہوا اور ہر الہامی کتاب جب خود بھی رحمت ہوئی تو اس کو نوع انسان کے لیے لانے والے کی ذات کا رحمت ہونا بھی ضروری ہوا۔ لہٰذا قرآن حکیم نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ و سلّم کی بعثت کو بھی رحمت سے تعبیر کیا ہے .

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ o (الانبیاء ۲۱ : ۱۰۷) :

اور اے (نبی اکرمؐ) ہم نے تمھیں ہر زمان و مکان کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے :

اس بحث سے ثابت ہوا کہ ہمارے دعوے کی بنیاد صداقتِ قرآنی پر مبنی تھی اور قدر کے معنی جو ہم نے لغوی اعتبار سے کیے ہیں ، وہ مفہوم قرآنی کے آئینہ دار ہیں ، اس لیے ہر لحاظ سے صحیح ، درست اور احسن ہوئے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشي باب ہفتم

۱- value

۲- فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ٥ (المرسلٰت ۷۷ : ۲۳) : ہم نے
(ہر شے کی) قدر مقرر کی ، دیکھیے ہم بہترین قدریں مقرر کرنے والے ہیں .

۳- وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥
(یوسف ۱۲ : ۱۱۱) : اور (قرآن مجید) تمام چیزوں کی تفصیل ، ہدایت
اور رحمت ہے ، ان لوگوں کے لیے جو اہلِ ایمان ہیں .

۴- اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (السجدة ۳۲ : ۷) :
وہ (باری تعالیٰ) ہے جس نے جو چیز بنائی حسین بنائی .

۵- وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ٥(الحجر ۱۵ : ۱۹) :
اور ہم نے زمین میں ہر شے موزوں پیدا کی .

toobaa-elibrary.blogspot.com

اساسی جمالیاتی قدریں

اساسی جمالیاتی قدریں[1] یا حسن کی بنیادی قدریں قرآن حکیم کی رو سے دو ہیں : تسویہ اور تعدیل ، جیسا کہ مندرجہ[2] ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے :

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۙ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ ؕ (الانفطار ۸۲ : ۷ تا ۸) :

(یعنی اے انسان) وہ (خالق حقیقی) ہے جس نے تیری تخلیق کی (یعنی تیرا ہیولیٰ تیار کیا) ، پھر تیرے (عناصر میں) تناسب و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کی ، پھر (خصلتوں میں) اعتدال ، یعنی تناسب قائم رکھا ، اس کے بعد جیسی صورت بنانا چاہی ترکیب دے دی ۔

ان آیات میں جن حسین وجود کی بناوٹ اور تکمیل کے جن چار ارتقائی مرحلوں کا ذکر کیا گیا ہے ، وہ یہ ہیں :

یکم : تخلیق ۔ کسی شے کا ہیولیٰ تیار کرنا ۔

دوم : تسویہ ۔ اس میں راستی و ہم آہنگی پیدا کرنا ۔

سوم : تعدیل ۔ اس میں اعتدال اور تناسب پیدا کرنا ۔

چہارم : ترکیبِ صوری ۔ اس کے خد و خال یا صورت بنانا ۔ اس میں ڈیزائین کرنے کا مفہوم مضمر ہے ۔

تخلیقی فعلیت یا فنکاری کی یہ تکنیک باری تعالیٰ کی ہے اور اس کے متعلق اس کا یہ ارشاد ہے کہ جو فن پارہ بھی اس تکنیک کے مطابق تیار ہوگا وہ صوری اور معنوی دونوں اعتبار سے حسین ہوگا ۔

لیکن اب معلوم یہ کرنا ہے کہ ان میں حسن کس مرحلے پر پیدا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتا ہے ۔ اس مقصد کی خاطر اگر ہم تخلیقی فعلیت کے محولۂ بالا ان چاروں ارتقائی مرحلوں کا جن سے وجود انسانی ظاہری اور باطنی طور پر حسین بنا ہے ، تجزیہ کریں تو اس واقعیت کا پتا چلتا ہے کہ نہ تو تخلیق اور نہ ترکیب صوری کے عمل ہی سے وجودِ انسانی میں حسن پیدا ہوا ہے بلکہ حسن اس میں تسویہ کے مرحلے پر جا کر پیدا ہوا ہے ، جیسا کہ مندرجۂ ذیل آیات سے مترشح ہوتا ہے :

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ٥ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥ (صٓ ۳۸ : ۷۱ تا ۷۲) :

جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا ، میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں ، چنانچہ اس (کے اعضاء و جوارح) میں مطابقت و ہم آہنگی پیدا کر دوں اور اپنی روح اس میں پھونکوں تو اس کے لیے سجدے میں گر جاؤ .

سورۃ السجدۃ میں اس نے اس مفہوم کی نہایت بلیغ انداز میں تصریح کی ہے :

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ٥ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥ (السجدۃ ۳۲ : ۷ تا ۹) :

(وہ باری تعالیٰ) جس نے جو چیز بھی بنائی حسین بنائی اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا ، پھر اس کی نسل ایک خلاصہ سے ٹھہرائی ، جو کمزور پانی میں (آ جاتا ہے) پھر (اُس کے اعضاء و جوارح میں) مطابقت و ہم آہنگی پیدا کر کے اسے

toobaa-elibrary.blogspot.com

صحیح طریقے سے مکمل کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور
تمہارے لیے کان ، آنکھ اور قلب بنائے ، تم لوگ اس کا بہت
کم شکریہ ادا کرتے ہو ۔

ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ تسویہ کے عمل سے ہی فنی تخلیقات میں حسن پیدا ہوتا ہے اور یہی حسن کی بنیادی قدر ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ایک جگہ خوبصورت مرد کے لیے ''بَشَرًا سَوِیًّا[۲]'' کے الفاظ استعمال کر کے ثابت کر دیا کہ تسویہ ہی اصل میں اساسی جمالیاتی قدر ہے ۔

تعدیل : حسن کی دوسری اساسی قدر ''تعدیل'' ہے اور اس کے معنی تناسب و اعتدال کے ہیں ۔ قرآن حکیم نے چونکہ اس لفظ کو ہمیشہ ہر صورت میں اور ہر مقام پر معنوی طور پر استعمال کیا ہے اور محولۂ بالا آیت میں بھی اس لفظ کے موقع و محل سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے ، اس لیے جمالیات کی اصطلاح میں تعدیل سے مراد کسی شے کے معنوی عناصر کی کمیت و کیفیت اور ماحول کے مطابق موزوں ترکیب دینا ہے ۔ چنانچہ موسیقی میں ''لے''، شعر میں ''وزن'' ، تصویر میں ''روپ'' (tone) اور مزاج میں ''صحت'' اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے ، جب تک ان میں اعتدال نہ ہو ۔ اصل یہ ہے کہ حسن و خوبی کے تمام نام ، مثلاً خوشبو ، شعریت ، غنایت اور لذت وغیرہ اعتدال ہی کے مختلف نام ہیں اور یہی حسن معنوی کی حقیقت ہے اور اس حقیقت کے مختلف پہلو ہیں جنھیں لوگ حسن و خوبی کے گوناگوں ناموں سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اعتدال چونکہ ہر فنی تخلیق کے معنوی حسن کی ناگزیر قدر ٹھہری ، اس لیے اللہ تعالیٰ کا حسین کلام کمال اعتدال کا آئینہ دار ہے :

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ط (الانعام ۶ : ۱۱۵) :

اور تیرے رب کا کلام سچائی اور اعتدال میں کامل ہے ۔

اس تمام بحث سے حاصل یہ ہوا کہ حسن کی دو اساسی قدریں ہیں : تسویہ اور تعدیل ؛ اور ان میں تسویہ خارجی قدر ہے اور تعدیل داخلی اور ان دونوں کے ہونے سے ہی کوئی فن پارہ صوری اور معنوی طور پر حسین بن سکتا ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب ہشتم

۱- Basic aesthetic values

۲- مریم ۱۹ : ۱۷ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب نہم

وحدتِ حواس و قلب

حسن چونکہ مرئی بھی ہے اور غیر مرئی بھی اس لیے اس کے مشاہدے ، احساس اور شعور کے لیے وجود انسانی کو فطری طور پر ہر ایسے دو ذرائع عطا کیے ہیں ، جن میں سے ایک معروضی ہے ، جسے حواس کہتے ہیں اور دوسرا موضوعی ہے جو قلب کے نام سے موسوم ہے :

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ لا لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ o (النحل ۱۶ : ۷۸) :

اور اللہ نے تمھیں ماؤں کے بطنوں سے پیدا کیا (اور تمھاری یہ حالت تھی کہ) تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور (پھر تمھارے لیے سننے اور دیکھنے کے حواس اور (دل و دماغ کی قوتوں کا نظام) قلب بنا دیا تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ .

حواس اگرچہ پانچ ہیں ، لیکن قرآن حکیم نے سامعہ اور باصرہ کا ذکر کیا ہے اور اس کی غالباً ایک وجہ یہ ہے کہ یہ دو حواس دوسرے تین حواس کی بہ نسبت زیادہ اہم اور کارآمد ہیں اور انسان نے علم و شعور حاصل کرنے کے لیے ان سے جو کام لیا ہے ، شامہ ، ذائقہ اور لامسہ سے اس کے عشر عشیر کے برابر بھی نہیں لیا ۔ بہرحال حواس ، مشاہدہ و تجربہ کے بنیادی ذرائع ہونے کے سبب وجود انسانی کی معروضی قوتوں کے ماخذ ہیں ۔ اس کے برعکس قلب احساس و شعور کی موضوعی قوتوں کا سرچشمہ ہے ۔ اگرچہ بظاہر حواس اور قلب کے وظائف جداگانہ ہیں ، وہ ایک دوسرے سے علٰحدہ اپنی مستقل حیثیت کے مالک نظر آتے ہیں ، لیکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

امر واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی اپنی مستقل انفرادی حیثیت رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے دست نگر ہیں اور ایک دوسرے کی اعانت کے بغیر اپنے اپنے وظائف کو صحیح طور پر سرانجام دینے سے معذور ہیں ۔ لہٰذا حواس و قلب کی وحدت عمل ہی سے انسان کو حسن کا احساس و شعور ہوتا ہے ۔ اس سے پیشتر کہ حواس و قلب کے ربط باہمی کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے ، ان دونوں کے وظائف کو معلوم کرلینا زیادہ مناسب ہوگا ۔

قلب وجود انسانی کی تمام معنوی قوتوں کا نظام ہے اور یہ قوتیں فعلی اور انفعالی دونوں طرح کی ہیں ۔ وظائف کے اعتبار سے قلب کے دو حصے ہیں : ایک دماغ کا ، جس کا خاصہ تعقل و شعور ہے : اور دوسرا ''دل'' کا جس کا خاصہ اثر پذیری اور اثر آفرینی ہے ۔ اس اعتبار سے دل کی قوت اثر پذیری ، انسان کے احساسات و انفعالات کا اور اس کی قوت اثر آفرینی ، اس کے اثر و نفوذ کا منبع ہوئی ۔ چنانچہ دل و دماغ کی ان قوتوں کی وحدت یا مجموعے کو اصطلاح قرآنی میں فؤاد یا قلب کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس جگہ اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ قلب کی تمام قوتوں میں چونکہ فطری طور پر مناسبت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے ، اس لیے اس کا حسین ہونا ضروری ہے ۔

حواس خمسہ میں سے جمالیاتی مشاہدے کے لحاظ سے چونکہ باصرہ اور سامعہ زیادہ اہم ہیں ، اس لیے ان کے وظائف سے آگاہی حاصل کر لینا کافی ہو گا ۔ باصرہ کا وظیفہ مشاہدہ کرنا اور اس کے اثرات کو قلب پر مترتب کرنا ہے ۔ اسی طرح سامعہ کا وظیفہ سننا اور اس کے اثرات کو قلب پر مرتسم کرنا ہے ۔ اس لحاظ سے حواس کی قوتیں فعلی بھی ہیں اور انفعالی بھی ؛ اسی طرح سے حواس و قلب ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں اور اثر قبول بھی کرتے ہیں ، اور دونوں کے تعلق کی نوعیت فعلی اور انفعالی دونوں طرح کی ہے ، نیز ان دونوں کی وحدت عمل ہی سے حسن کا احساس و شعور ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر آنکھ کا کام دیکھنا ہے ، لیکن اکثر یہ ہوا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے کئی چیزیں گزر گئیں ، مگر ہم نے کچھ نہیں دیکھا ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی چیز کو دیکھتے دیکھتے ہم کسی اور عالم میں پہنچ جاتے ہیں اور ہماری آنکھیں اگرچہ اس چیز کو دیکھ رہی ہوتی ہیں ، لیکن فی الواقع وہ چیز ہماری نظر

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں نہیں ہوتی - اسی طرح بعض لوگوں کی آنکھیں سوتے میں کھلی رہتی ہیں ، مگر وہ کچھ نہیں دیکھ رہے ہوتے - یہی حال سامعہ کا بھی ہے - سوتے میں کان تو بدستور کھلے ہوتے ہیں ، مگر انسان کچھ نہیں سنتا - اسی طرح جب ہم کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوتے ہیں یا کسی اور طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ہمیں پکارا جاتا ہے تو ہمیں کچھ سنائی نہیں دیتا - اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قلب کے اشتراک عمل کے بغیر کوئی حسی قوت صحیح طور پر کام نہیں کر سکتی - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہمیں صحیح طور پر دیکھنے اور سننے کے لیے صرف آنکھ اور کان ہی درکار نہیں ، بلکہ قلب کی توجہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے - یہی صورت حال قلب کی بھی ہے کیونکہ وہ بھی باصرہ کے بغیر نہ تو دیکھ سکتا ہے اور نہ سامعہ کے بغیر سن ہی سکتا ہے - قلب و حواس کے اس تعلق کو قرآن حکیم نے اپنے مخصوص بلیغ انداز میں اسی طرح بیان کیا ہے :

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ٥ (الحج ۲۲ : ۴۶) :

کیا وہ زمین میں (قدرت الٰہی کے نشانات کا مشاہدہ کرنے کے لیے) سیر و سیاحت نہیں کرتے کہ ان کے دل و دماغ ان کے واسطے ایسے ہو جاتے کہ وہ ان سے سمجھتے یا کان ایسے ہو جاتے کہ وہ ان سے سنتے - یہ نہیں ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں بلکہ ان کے سینے میں جو قلوب ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں .

اس آیت میں آنکھ اور قلب کے وظائف اور ان کے تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے - چنانچہ آنکھ کا وظیفہ مشاہدہ کرنا اور مشاہدے کی واقعیت کو محسوس و معلوم کرنا قلب کا کام ہے ، لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صرف اس قلب کے محسوسات و مدرکات سچے ہوں گے جو حسین ہوگا - دوسرے لفظوں میں صرف اس شخص کے مشاہدات و

toobaa-elibrary.blogspot.com

مدرکات حقیقت و واقعیت کے آئینہ دار ہوں گے جس کا قلب نور حسن سے منور ہوگا ۔ اس اعتبار سے بصیرت حسن قلب کا ہی دوسرا نام ہوا ۔ لہٰذا جب کوئی قلب حسین نہیں رہتا تو اس کی بصیرت بھی مفقود ہو جاتی ہے ، جسے قرآن حکیم نے قلب کے اندھے پن سے تعبیر کیا ہے :

اَفَلَمْ يَسِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ٥ (الحج ۲۲ : ۴۶) :

کیا ان لوگوں نے دنیا میں سیر و سیاحت نہیں کی تا کہ ان کے قلب ایسے ہو جاتے کہ ان کے ذریعے سمجھ سکتے ، اور کان ایسے ہو جاتے کہ ان کے ذریعے سن سکتے ۔ اصل یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں ، بلکہ قلب اندھے ہو جاتے ہیں ، جو سینوں میں ہیں ۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ انسان اپنی نظر اور مشاہدات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کر سکتا جب تک اسے اپنے قلب کے حسین ہونے کا یقین نہ ہو ۔ قلب و نظر کے اس ربط باہمی کی صراحت ایک دوسری آیت میں تمثیلی انداز میں اس طرح کی گئی ہیں :

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ٥ (النجم ۵۳ : ۱۱) :

نظر نے جو کچھ دیکھا ، قلب نے اس کی تکذیب نہیں کی ۔

قلب نے اس لیے نظر کے مشاہدے کو نہیں جھٹلایا کیونکہ ایک تو وہ خود حسین تھا اور دوسرے مشاہدۂ حقیقت سچا تھا ۔ چنانچہ قلب نور حسن سے منور ہو تو نظر کو حقیقت کا مشاہدہ کرنے میں کسی طرح کی کوئی چوک نہیں ہوتی اور وہ اپنے نقطۂ مرکز پر جمی رہتی ہے اور اس سے ذرا بھر بھی ادھر اُدھر نہیں ہوتی :

مَا زَاغَ[۱] الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى[۲] ٥ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ٥ (النجم ۵۳ : ۱۷ تا ۱۸) :

نظر نہ تو اصل مرکز سے ادھر ادھر ہوئی[۱] اور نہ اس نے حد سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

زیادہ تجاوز کیا - یقیناً اس نے اپنے پروردگار کی بڑی اور شاندار آیات کو دیکھا ۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ حواس اور قلب کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور مشاہدے کا انحصار ان کی آپس میں مکمل ہم آہنگی پر ہے اور صحیح اور سچے مشاہدے کے لیے قلب و نظر دونوں کا حسین ہونا ضروری ہے ، لیکن نظر اپنے حسن کے لیے حسن قلب کی رہین منت ہے ۔

جمالیاتی حس[۳] : حواس و قلب کے وظائف اور ان کے ربط باہمی کی نوعیت سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد اب یہ معلوم ہوگا کہ جمالیاتی حس سے کیا مراد ہے ؟ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ، وظائف کے اعتبار سے قلب کے دو بڑے حصے ہیں ۔ اس کا وہ حصہ جس کا فعل تعقل و شعور کا ہے ، دماغ سے عبارت ہے اور اس کا وہ حصہ جس کا وظیفہ اثر پذیری اور اثر آفرینی کا ہے ، دل سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ علاوہ بریں ، دل میں ایک ایسا حصہ موجود ہے ، جس کا وظیفہ خاص طور سے حسن کے اثرات کو قبول کرتا ہے ۔ چنانچہ دل کی اس مخصوص قوت تأثیر کو جمالیات کی اصطلاح میں حس جمال یا جمالیاتی حس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔ اس سلسلے میں یہ بات خصوصیت سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جمالیاتی حس کا مبدأ چونکہ قلب ہے اس لیے اس کے تأثرات و احساسات اسی صورت میں سچے ہوں گے جب قلب حسین ہوگا ، ورنہ دوسری صورت میں ان کا غلط اور غیر معتبر ہونا ضروری ہے ۔

اب یہاں ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ قلب جو کہ فطری طور سے نور حسن سے منور ہے ، کیوں اور کس طرح اس حسن سے جزوی یا کلی طور پر محروم ہو جاتا ہے ؟ غور کی نظروں سے دیکھیں تو یہ مسئلہ اپنی غیر معمولی افادیت و اہمیت کی وجہ سے جمالیات کا از بس ضروری موضوع ہے ، لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ اس مسئلے پر کسی عالم جمالیات نے آج تک کوئی روشنی نہیں ڈالی ، حالانکہ قرآن حکیم نے صدیوں پہلے اس سے اپنے مخصوص جامع اور بلیغ انداز میں بحث کی ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسن سے محروم قلب کی مختلف حالتیں اور ان کے اسباب و علل

ہم یہ تو معلوم کر چکے ہیں کہ قلب[۳] فطری طور پر حسین ہے۔ جب انسان کے فکر و عمل میں اعتدال نہیں رہتا تو اس کے قلب کی حالت بدل جاتی ہے اور وہ حسن قلب کی نورانی تجلیوں سے محروم ہو کر اپنی سرکشی کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (الانعام ۶: ۱۱۰):

اور (اسی طرح) ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح وہ پہلی دفعہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے تھے اور ہم انہیں چھوڑے دیتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی (کی تاریکیوں) میں بھٹکتے رہے ہیں۔

یہ آیت حواس و قلب کے اس فطری تعلق پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ قلب کی حالت بدل جانے سے حواس کی حالت بھی بدل جاتی ہے۔ اس لیے قلب اگر اپنی جمالیاتی قدر سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کا اثر حواس پر یہ پڑتا ہے کہ ان کی بھی فعلی اور انفعالی قوتوں میں اعتدال نہیں رہتا۔ چنانچہ جب انسان میں اعتدال معنوی نہیں رہتا تو اس کے معنوی نظام صحت میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے قلب پر طرح طرح کی حالتیں گزرتی ہیں جو قرآن حکیم کی رو سے دس ہیں، مثلاً

(۱) بیماری	(۲) قساوت
(۳) کجی	(۴) زنگ آلودگی
(۵) حجاب	(۶) غفلت و جہالت
(۷) اندھاپن	(۸) تقفل
(۹) طبع	(۱۰) ختم

اب ہم قرآن حکیم کی روشنی میں فرداً فرداً ان اسباب و علل کو دریافت کرنے کی کوشش کریں گے جو قلب کی محولۂ بالا حالتوں کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں ۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم امراض قلب کے اسباب کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

۱ - **بیماری :** قلب انسانی کے امراض کا ایک سبب تکذیب حق ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب حق و صداقت کا انکار و بطلان کرتا ہے تو اس غیر معتدل فعل سے اس کے اپنے نفسیاتی نظام میں اعتدال کی کیفیت باقی نہیں رہتی اور اس طرح وہ طرح طرح کی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے ۔ ان نفسیاتی بیماریوں کو قرآن حکیم نے اپنی اصطلاح میں امراض قلوب سے تعبیر کیا ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ
مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۭ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا
كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ (البقرة ۲ : ۸ تا ۱۰)

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ (واقعہ یہ ہے کہ) وہ مومن نہیں ہیں ۔ وہ (اس طرح) اللہ اور ایمان والوں کو دھوکا دیتے ہیں ، مگر وہ بجز اپنے آپ کے کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور انھیں اس بات کا شعور نہیں ہے ۔ ان کے قلوب میں بیماری ہے ۔ چنانچہ اللہ (کے قانون فطرت) نے ان کی بیماری کو اور بھی زیادہ کر دیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ، اس لیے کہ وہ (حق) کو جھٹلاتے تھے ۔

ان آیات میں کذب کو نفسیاتی بیماریوں کا ایک سبب بتایا گیا ہے اور کذب صدق کا نقیض ہے ۔ جس طرح صدق کے معنی حقیقت و واقعیت کو تسلیم کر کے ان کی تائید کرنے کے ہیں ، اسی طرح حقیقت و واقعیت کا انکار کر کے ان کی تردید کرنے کو کذب کہتے ہیں ۔ لہٰذا جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

شخص حقیقت و واقعیت کی تکذیب کرتا ہے ، وہ لازمی طور پر باطل کا پرستار اور طرفدار ہوگا۔ ظاہر ہے ایسے شخص کا فطری انجام گمراہی و نامرادی کی جانکاہیاں نہیں تو اور کیا ہوگا ؟

قلبِ انسانی کسی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے تو دل اور دماغ دونوں کی فعلیت میں نقص واقع ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے سے انسان میں حسن و قبح یا ان کے مظاہر صلاح و فساد میں امتیاز کرنے کا شعور نہیں رہتا اور باوجود اس امر کے کہ اس کے محسوسات و مدرکات دونوں جھوٹے ہوتے ہیں ، وہ انھیں سچا ہی سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے اس کی اس لاشعوری جہالت و گمراہی کا فطری انجام نامرادی و زیاں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ؟ چنانچہ قرآن حکیم نے قلبی امراض کے بیماروں کی نفسیاتی تحلیل کے دفاتر کو اپنے اعجاز بلاغت سے چند الفاظ میں سمیٹ لیا ہے :

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ لا قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرۃ ۲ : ۱۱ تا ۱۲) :

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ ملک (کے نظام زندگی) میں برہمی و انتشار نہ پیدا کرو تو کہتے ہیں ”ہم تو (اس نظام زندگی کی خرابیوں کو دور کرنے اور) سنوارنے والے ہیں“۔ یاد رکھو ! بلا شبہہ یہی لوگ خرابی پھیلانے والے ہیں ، لیکن (اپنی نفسیاتی بیماریوں کی وجہ سے اس واقعیت کا) شعور نہیں رکھتے :

قلب کسی وجہ سے بیمار ہو جائے تو اس کی فعلی اور انفعالی قوتوں کا کمزور اور مفلوج ہو جانا یقینی ہے ، اس لیے اس میں نیکی ، خوبی اور جمال کے جو فطری امیال و عواطف ہوتے ہیں وہ بیمار تخیلات ، ناپاک جذبات اور مکروہ خواہشات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کا رخ نیکی اور حسن کی طرف سے ہٹ کر برائی اور قبح کی طرف ہو جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صحت‌مند قلب ہی حسین و صحت مند تخیلات و جذبات کا سرچشمہ ہے اور بیمار قلب میں ہمیشہ برے اور بیمار تخیلات و جذبات کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سوتے پھوٹتے ہیں ، جو اُس کی زندگی کے لیے فتنہ و فساد کا باعث ہوتے ہیں اور ان کا اثر اُس کے کردار پر ایسا پڑتا ہے کہ وہ سنگدل و ظالم ہو جاتا ہے :

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ (الحج ۲۲ : ۵۳) :

تاکہ خدا اس چیز کو جو شیطان دلوں میں ڈالتا ہے ، ان لوگوں کے لیے فتنہ بنا دے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل بہت سخت ہیں - بلاشبہہ ظالم لوگ مخالفت (حق) میں بہت دور نکل چکے ہیں .

لیکن ایسے بیمار دل لوگوں کے برخلاف جن کے دلوں پر ہر تصور گناہ نقش فی الحجر ہو جاتا ہے ، انبیآء علیہم السلام کی جماعت ہے ، جن کے قلوب حسین و صحت مند ہوتے ہیں - قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ ایسے حسین و صحت مند دلوں پر وسوسۂ شیطانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ہر نقش ، نقش بر آب کی طرح فوراً مٹ جاتا ہے :

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۙ (الحج ۲۲ : ۵۲) :

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسولؑ اور نبیؑ نہیں بھیجا ، مگر جب اس نے کوئی آرزو کی تو شیطان نے اس کی آرزو میں وسوسہ اندازی کی ؛ لیکن اللہ شیطان کے وسوسوں (کے اثر کو) فوراً مٹا دیتا ہے - پھر اپنی آیات کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے ؛ اور اللہ تو ہر بات کو اچھی طرح جاننے والا اور حکمت سے کرنے والا ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلب اور آرزوؤں کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالنے کے بعد قرآن حکیم نے نفسیاتِ جمال کے عملی پہلو کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ صنف نازک کا حسن آواز کا ہو یا صورت کا اور اس حسن کا جلوہ کتنا ہی معصوم کیوں نہ ہو، لیکن اُس کا اثر نفسیاتی امراض میں مبتلا مردوں پر عموماً برا ہی پڑے گا اور ایسے لوگوں کے بیمار دلوں میں چونکہ حرص و ہوا کا پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے، اس لیے عورت کو جب کسی غیر محرم مرد سے گفتگو کرنا پڑے تو اسے اپنی آواز کے حسن کو اپنے لب و لہجہ اور الفاظ کی نزاکت سے عریاں نہیں کرنا چاہیے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ (الاحزاب ۳۳ : ۳۲):

اے نبیؐ کی بیبیو! تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم میں تقویٰ ہے تو اپنی گفتگو کے لہجے میں نرمی اختیار نہ کرو، ورنہ وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے طمع کر بیٹھے گا اور ایسی بات کہو جو اپنی اچھائی اور پاکیزگی کے لیے جانی پہچانی ہو۔

یہ واقعہ ہے کہ قلبِ انسانی کسی مرض میں مبتلا ہو جائے تو حسن کا معصوم نظارہ بھی اس کے لیے وجۂ حرص و ہوا بن جاتا ہے، مثلاً برسات میں چلچلاتی دھوپ کے بعد جب کالی گھٹائیں آسمان پر رقص کرنے لگتی ہیں اور بارش کے سہانے اور بھیگے نظارے سرورِ نظر بنتے ہیں تو ہر شخص فرط انبساط سے جھوم اٹھتا ہے، لیکن ان حسین نظاروں کا اثر تندرست اور بیمار قلوب پر مختلف ہوتا ہے۔ حسین قلوب تو حسن فطرت سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں اور ان سے خود بخود ربِ جلیل کی حمد و ستائش کے زمزمے بلند ہوتے ہیں، لیکن جن لوگوں کے قلوب مریض ہوتے ہیں وہ حسن فطرت سے منہ موڑ کر معصیت کے نظر فریب نظاروں سے لذت اندوز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ساغر و

toobaa-elibrary.blogspot.com

مینا کی سرمستیوں میں کھو جانا چاہتا ہے ، تو کسی کے دل میں مطربہٗ ہوشربا کے نغموں سے مدہوش ہو جانے کی تمنا مچلنے لگتی ہے - ہوس کسی کو جنسی خواہشات کی تشفی کے لیے تفرّج گاہوں کی طرف کھینچتی ہے تو کسی کو کائنات کی حسین و بے کراں جلوہ گاہ سے نکال کر معصیت بداماں نظاروں کی تنگناؤں میں لے جاتی ہے - غرض حسنِ کائنات کا نظارہ ہو یا حسنِ حقیقت کا ، اس سے صحت مند قلب کا حسن اور بڑھتا ہے ، لیکن اس کے برعکس بیمار اور گندے دل کی بیماری اور غلاظت ان حسین و معصوم نظاروں سے اور زیادہ بڑھتی ہے :

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبة ۹ : ۱۲۴ تا ۱۲۵) :

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اُس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے - (حقیقت یہ ہے کہ) جو ایمان لائے ان کا ایمان بڑھایا اور وہ خوش ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے ، اُن کی نجاست پر نجاست کو اور بڑھایا ، اس لیے وہ مرتے دم تک کافر ہی رہے .

ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ نفسیاتی بیماریاں انسان کی جمالیاتی حس کی فعلیت کو بگاڑ دیتی ہیں ، جس کے نتیجے سے وہ حسن و قبح میں نہ تو امتیاز کرنے کے قابل رہتا ہے اور نہ حسن سے لطف و سرور ہی حاصل کر سکتا ہے ، اور اس طرح اس کا دامن زندگی گلہائے مراد کے بجائے حسرت کے کانٹوں سے بھر جاتا ہے - نفسیاتی بیماریوں کا موضوع بہت وسیع ہے اور اس کی بذات خود ایک مستقل حیثیت ہے ، جس پر اس جگہ مزید کچھ لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں - لہٰذا اب ہم حسن سے محروم

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلب کی دوسری حالت پر جو قساوت قلب کی ہے ، بحث کرتے ہیں .

۲۔ قساوت : قلب میں حسن و اعتدال نہ رہے تو وہ مریض ہو جاتا ہے اور پھر اس کی قوت تاثر رفتہ رفتہ مضمحل و مسلوب ہو جاتی ہے ، جس کے نتیجے سے اس میں سختی اور درشتی پیدا ہو جاتی ہے ، جو اصطلاحِ قرآنی میں قساوتِ قلب سے عبارت ہے ۔ قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے سے اس واقعیت کا پتا چلتا ہے کہ حقیقت کے انکار و بطلان سے آدمی سنگدل ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ تاریخ عالم شاہد ہے کہ ظلم و ستم کے جب بھی سوتے پھوٹے ہیں تو وہ سخت دلوں میں پھوٹے ہیں اور نوع انسانی پر جب بھی ہلاکت و بربادی کے طوفان آئے ہیں تو ان کا سبب منکرانِ حق کی قساوت قلبی ہی تھا ۔ اسی طرح جب بھی کوئی قوم اپنی سنگدلی کی وجہ سے احسان و ہمدردی اور ایثار و قربانی کے جذبات سے محروم ہوئی تو اس کے نظامِ زندگی کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ وہ پھر دنیا میں پنپ نہ سکی ۔ قرآن حکیم نے نفسیات اجتماع کے اس پہلو پر کئی طریقوں سے روشنی ڈالی ہے :

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

(البقرۃ ۲ : ۷۳ تا ۷۴) :

اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی نعش کو اس کے ایک حصے سے ضرب لگاؤ (دیکھو) اللہ تعالیٰ اسی طرح مُردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمھیں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں

toobaa-elibrary.blogspot.com

دکھاتا ہے تا کہ تم سمجھو ، مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی تمھارے دل سخت ہو گئے ، پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے ؛ کیونکہ پتھروں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں اور انھیں پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں ، جو پھٹتے ہیں تو ان میں سے پانی نکل آتا ہے اور انھیں میں کچھ ایسے بھی ہیں ، جو خوف الٰہی سے لرز کر گر پڑتے ہیں ۔ (یاد رکھو) اللہ تمھارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے ۔ ان آیات سے مندرجۂ ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں ۔

۱۔ ہر مظہر فطرت زندگی کی غایتِ حقیقی کی طرف انسان کو دعوت فکر و نظر دیتا ہے ۔

۲۔ اس لیے جو لوگ باری تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی نشانیوں پر غور و فکر نہیں کرتے اُن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں ۔

۳۔ یہ سخت دلی انسان کی روحانی موت کے مترادف ہے ۔

۴۔ اور یہ روحانی موت انسان کی محرومی و شقاوت اور ہلاکت و بربادی کی وجۂ حقیقی ہے ۔

یہ آیات حقیقت کے اس پہلو کو بھی آشکارا کرتی ہیں کہ قوموں کی موت دائمی اور ابدی نہیں ہوتی بلکہ حیات و ممات کے قانون قدرت سے وہ دوبارہ بھی زندہ ہو سکتی ہیں ، بشرطیکہ وہ اس قانون قدرت کو سمجھنے اور اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کریں ۔ علاوہ ازیں ان کے دل مشیتِ الٰہی کی لذتِ آگاہی سے آشنا بھی ہوں ۔ ظاہر ہے قساوت اور خشیت الٰہی کا ایک ہی دل میں بیک وقت اکھٹے ہونا امر محال ہے ، اس لیے قساوت قلبی کو چھوڑ کر ہی کوئی قوم دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احیائے علوم و فنون اور ان کی ترویج و ترقی کے لیے افرادِ نسل انسانی کے قلوب کا ناآشنائے قساوت ہونا ضروری ہے ۔

قرآن حکیم نے فسق کو بھی قساوتِ قلبی کا ایک سبب بتایا ہے اور فسق کے معنی چونکہ عدل و انصاف کی راہ سے ہٹ جانے کے ہیں ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس لیے معلوم ہوا کہ انسان کی معنوی زندگی میں اعتدال نہ رہے تو وہ سنگدل ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ سورۂ حدید میں اس نے نفسیاتِ انسانی کے اس اہم پہلو کی طرف اشارہ کرنے کے علاوہ زمانے اور نفسیات انسانی کے باہمی تعلق کی نوعیت پر بھی روشنی ڈالی ہے ؛ اور اس واقعیت کو اجاگر کیا ہے کہ امتدادِ زمانہ سے قوموں کی نفسیاتی حالت میں تغیرات بالعموم پیدا ہو جاتے ہیں ، جن کی وجہ سے ان میں حق و انصاف کی محبت کے جذبات رفتہ رفتہ مردہ ہو جاتے ہیں ۔ تاریخ عالم کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ قوموں کے اندر جو روح ایمانی ان کی تشکیل کے وقت ہوتی ہے ، وہ زمانے کی دستبرد سے مضمحل و مردہ ہو جاتی ہے ۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ایسا ہوتا تو بالعموم ہے ، لیکن یہ کوئی قانونِ فطرت نہیں کہ ایسا ضرور ہو ، کیونکہ قدرت کا یہ اٹل قانون ہے کہ جو کوئی قوم حق و انصاف کو محبوب رکھے گی اور ہر زمان و مکان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر جمیل سے اپنی روح کو غذائیت پہنچاتی رہے گی ، وہ ہمیشہ زندہ رہے گی :

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ لا وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ط وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (الحدید ۵۷ : ۱۶) :

کیا ابھی تک ایمان لانے والوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ ذکر الٰہی اور اس کتاب کے سننے کے لیے جو خدائے برحق کی طرف سے نازل ہوئی ہے ، اُن کے دل نرم ہو جائیں ۔ (انھیں چاہیے کہ) وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں ان سے پہلے کتاب دی گئی ، پھر ان پر طویل زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں اکثر حدِ اعتدال سے تجاوز کرنے والے ہیں ۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ ذکرِ حق سے قلوب انسانی میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

نرمی اور رقت پیدا ہوتی ہے ، جو روح انسانی کی حیات بخش غذا اور اس کی زندگی بلکہ ابدی زندگی کی ضامن ہے ۔ قرآن حکیم اس امر کی مزید صراحت کرتا ہے کہ ذکر الٰہی سے دلوں میں وہ سکینت و طمانیت پیدا ہوتی ہے جس کے بغیر ارتقاے حیات ناممکن ہے :

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ط

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ (الرعد ۱۳ : ۲۸) :

(جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے تو یہ) لوگ (ہیں) کہ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے اور یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے (اور خوف و غم کے کرب و اضطراب سے نوع انسانی کو نجات ملتی ہے) ۔

قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر اس واقعیت کو واضح طور سے بیان کر دیا کہ قساوتِ قلبی انسان کی گمراہی کی روشن دلیل ہے ۔ لہٰذا جو لوگ ذکرِ الٰہی سے اپنے دلوں میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ، ان کا انجام نامرادی و ہلاکت ہوتا ہے ۔ ظاہر ہے انسان اگر کامرانیِ حیات کی حسین و مستقیم راہ کو چھوڑ کر تاریک اور غلط راہوں میں بھٹکتا رہے گا تو اس کے سوا اور کیا حشر ہو سکتا ہے ؟

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ

رَّبِّہٖ ط فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ط اُوْلٰٓئِکَ

فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o (الزمر ۳۹ : ۲۲) :

بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی روشنی پر ہو (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے؟) ۔ لہٰذا ان لوگوں پر افسوس ہے ، جن کے دل اللہ کے ذکر سے سخت ہو گئے ۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ آیت حقیقت کے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ اسلام ، یعنی فطرتِ انسانی کے حقیقی تقاضوں کو پورا کرنے کی وہی لوگ کوشش کرتے ہیں جو نرم دل ہوتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں میں وہ نورِ بصیرت پیدا ہوتا ہے جس سے وہ منزل مقصود کی صحیح راہ کو پہچانتے اور اس پر چلتے ہیں ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فطرت کے حقیقی تقاضے کیا ہیں ؟ ظاہر ہے اس سوال کا تعلق ایک الگ مستقل موضوع سے ہے ، اس لیے اس پر تفصیل سے کچھ لکھنا اس جگہ بے محل ہوگا ۔ چنانچہ اس سوال کے جواب میں یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ حسن کی طلب و جستجو ہی فطرت انسانی کا حقیقی تقاضا ہے اور اس تقاضے کی تشفی وہی شخص کرتا ہے ، جس کا دل قساوت کے اثر سے منزہ اور اپنے فطری حسن سے منور ہو ۔

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شقاوت قلبی ، حسن زندگی کے فقدان کی دلیل اور حیاتِ انسانی کی گمراہی و نامرادی کی وجۂ حقیقی ہے اور اس کے پیدا ہونے کا سبب حسن مطلق کی یاد سے تغافل ہے ۔

۳۔ کجی : قلبِ انسانی کسی وجہ سے اپنی فطری معتدل حالت پر نہ رہے تو اس میں کجی واقع ہو جاتی ہے ، جسے قرآن حکیم کی اصطلاح میں زیغ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ دل کے ٹیڑھے ہو جانے کا سبب کیا ہے ؟ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کامرانیِ حیات کی حسین و مستقیم راہ کو چھوڑ کر کسی ٹیڑھی ترچھی راہ پر ہو لیتا ہے تو اس کے اس غیر معتدل عمل سے اس کا نفسیاتی توازن بگڑ جاتا ہے ، جسے قرآن حکیم نے زیغ قلب سے تعبیر کیا ہے ۔ اس نے اس کے ساتھ ہی اس امر کی صراحت بھی کر دی کہ وہی لوگ زندگی کی ٹیڑھی ترچھی راہ اختیار کرتے ہیں جو فاسق ، یعنی ذہنی اور عملی طور پر حدِ اعتدال سے گزرنے والے ہوتے ہیں ۔ نفسیات انسانی کی اس حقیقت کو اس نے ایک **تاریخی واقعیت** کے طور پر اس طرح بیان کیا ہے :

وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ

اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ o (الصّف ۶۱ : ۵) :

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا : اے میری قوم تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں - چنانچہ جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیے اور اللہ (اپنے قانون کی وجہ سے) حد اعتدال سے تجاوز کرنے والے لوگوں کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا .

اس آیت سے نفسیاتِ انسانی کا اہم نکتہ بھی معلوم ہوا کہ قلب کی فطری معتدل حالت پر ہی حیات انسانی کی ہدایت منحصر ہے اور جب فسق و فجور کے سبب قلب میں کجی واقع ہو جاتی ہے تو انسان فطری ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے - باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اس کا ہر پیکرِ تخلیق جس طرح جمالیاتی قدریں اور معین مقصدیت رکھتا ہے ، اسی طرح اس کی ذات میں فطری ہدایت کا سامان بھی موجود ہوتا ہے :

وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی (الاعلیٰ ۸۷ : ۳) :

وہ (پروردگار) جس نے اس کی قدر مقرر کی - پھر اسے ہدایت دی (یعنی اس پر راہ علم و عمل کھول دی) .

اور

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی o (طٰہٰ ۲۰ : ۵۰) :

ہمارا رب وہ ہے ، جس نے ہر شے کو (اس کی صوری اور معنوی موزونیت کے اعتبار سے) اس کی خلقت عطا کیا ، پھر اسے ہدایت دی .

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہدایت سے قرآن حکیم کی مراد کیا ہے ؟ فاطرِ ہستی کا کسی چیز پر اس کے فطری وظیفۂ حیات کو سرانجام دینے کے لیے علم و عمل کی راہیں کھول دینا اصطلاحِ قرآنی میں ہدایت سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبارت ہے ۔ انسان کے علاوہ باقی تمام ذی روح مخلوقات کی ہدایت کا مبدأ ان کے حواس اور جبلتیں ہیں اور وہ ان کے ذریعے ہی اپنے وظائفِ حیات کو جانتے اور انھیں سرانجام دیتے ہیں ، لیکن یہ انسان کی مابہ الامتیاز خصوصیت ہے کہ اس کی ہدایت کا سرچشمہ حواس اور قلب ہیں اور حواس کے مشاہدات و تجربات ، دل کے احساسات و تأثرات اور دماغ کے مشاعر و مدرکات کی بدولت ہی آدمی ارتقاے انسانیت کی حقیقی راہ و منزل کو پہچان کر اس پر گامزن ہو سکتا ہے ، لیکن انسان کا قلب جب ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اس کے نتیجے سے حواس اور دل و دماغ کا نظامِ فعلیت درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس طرح انسان اس فطری ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے ۔ یہ ہدایت چونکہ خالق حقیقی کی تخلیقی فعلیت کا نتیجہ ہے ، اس لیے قرآن حکیم نے اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کیا ہے ۔

فطرت انسانی کا خاصّہ ہے کہ اُسے ہمیشہ حق و صداقت کی آرزو اور جستجو رہتی ہے ، لیکن یہ فطرت سلیم بعض عوارض کی وجہ سے بگڑ جاتی ہے تو اس کی ایک حالت ایسی ہو جاتی ہے ، جسے قرآن حکیم نے زیغ قلب یا دل کی کجی سے تعبیر کیا ہے ۔

انسان کی معنوی حالت جب ایسی ہو جاتی ہے تو وہ کجرو ہو جاتا ہے اور حق و صداقت کی واضح باتوں کو سمجھنے اور قبول کرنے کے بجائے شک و شبہہ میں ڈالنے والی غیر مبہم باتوں کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اس سے اس کی غرض و غایت معاشرے کے نظام میں برہمی و فساد پیدا کرنا ہوتی ہے :

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝

(اٰل عمرٰن ۳ : ۷) :

وہی (باری تعالیٰ) ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ۔ اس میں ایک قسم تو محکم آیتوں کی ہے اور وہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری قسم متشابہات کی ہے ، تو جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں ، اس غرض سے کہ فتنہ پیدا کریں اور ان کی حقیقت معلوم کر لیں ، حالانکہ ان کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (کیونکہ ان کا تعلق اس عالم سے ہے جس تک انسانی عقل و حواس کی رسائی نہیں ہو سکتی) اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں ، وہ کہتے ہیں "ہمارا ان پر ایمان ہے ، کیونکہ یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ (تعلیم حق سے) دانائی نہیں حاصل کرتے ، مگر وہی جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں .

یہ آیت نفسیات انسانی کے اس پہلو کو بھی اجاگر کرتی ہے کہ دل کی کجی انسان کو عقل و بصیرت کی روشنی سے محروم کر دیتی ہے اور اس طرح وہ مشاہدات و تجربات سے مستفید نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ دل کی کجی انسان کی گمراہی و نامرادی کی دلیل ہے اور یہی وجہ ہے کہ اربابِ دانش جو حیاتِ انسانی کی منزلِ مقصود کو پہچان کر اس کی صحیح راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں ، دل کی کجی سے ہمیشہ پناہ مانگتے رہتے ہیں اور ان کی فطرتِ سلیم کی یہی پکار ہوتی ہے :

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝ (اٰل عمرٰن ۳ : ۸) :

اے ہمارے رب ! جب تو ہمیں سیدھے راستے پر ڈال چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو اور ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا فرما کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس بحث سے ثابت ہوا کہ قلب سلیم پر ہی حسن کے اثرات صحیح طور پر مرتسم ہوتے ہیں اور حسن کے مشاہدہ و ادراک کے لیے قلب کا حالت قوام و اعتدال پر ہونا ضروری ہے۔ اس امر کی صراحت یہ ہے کہ قلب ایک اعتبار سے کیمرے کے شیشے (lens) کی طرح ہے اور جس طرح (lens) میں کجی واقع ہو جانے سے تصویر کے نقوش کا ٹیڑھا ترچھا ہو جانا لازمی ہے ، اسی طرح قلب کے شیشے میں بھی اگر کجی واقع ہو جائے تو اس پر جو تصویریں مرتسم ہوں گی وہ بھی لازماً ٹیڑھی ترچھی ہوں گی۔

۴۔ زنگ آلودگی : قلبِ انسانی کی مثال مصفّا شیشے کی سی ہے اور جس طرح شیشہ زنگ آلودہ ہو جانے پر اپنے فطری نور سے محروم ہو جاتا ہے ، اسی طرح شیشہ قلب کو بھی زنگ لگ جائے تو اس کا فطری حسن مفقود ہو جاتا ہے ؛ نتیجۃً وہ اپنے وظائفِ فطری کو احسن طریق سے سر انجام دینے کے قابل نہیں رہتا ۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قلب کو زنگ لگنے کا سبب کیا ہے ؟ اس بارے میں ارشادِ قرآنی یہ ہے کہ فکر و عمل میں حد اعتدال سے مسلسل تجاوز کرنے اور جرم و گناہ کے ارتکاب کرنے سے قلب پر زنگ لگتا ہے اور جب قلب زنگ آلود ہو جاتا ہے تو آدمی پھر حقیقت و واقعیت کی تکذیب کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا :

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ؕ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ؕ كَلَّا بَلْ سكته رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

(المطففین ۸۳ : ۱۰ تا ۱۴) :

اس (ظہور نتائج کے) دن (حقیقت و واقعیت کو) جھٹلانے والوں کے لیے افسوس کا مقام ہوگا اور یہ وہ لوگ ہوں گے ، جو جزا کے دن کا انکار و بطلان کرتے ہیں اور کوئی شخص (اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

واقعیت) کو نہیں جھٹلاتا ، مگر جو جرم و گناہ کے ارتکاب میں حد سے زیادہ نکل جانے والا ہے۔ جب ایسے شخص پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ (محض) پہلوں کی کہانیاں ہیں (یعنی ان میں علم و حکمت کی کوئی بات نہیں) ؛ ہر گز ایسا نہیں ہے بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان کی سیاہ کاریوں کے سبب زنگ لگ گیا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قلب پر زنگ لگ جانے سے انسان حسن و حقیقت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا ، کیونکہ زنگ لگ جانے کی وجہ سے قلب کی فعلی اور انفعالی دونوں قوتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔ چونکہ قلب و حواس کی جو حالت اس دنیا میں ہوگی وہی نشأة ثانیہ، یعنی آخروی زندگی میں ہوگی، اس لیے وہاں بھی انسان حق سے جمال و جلال کے نظاروں کا مشاہدہ کرنے کے قابل نہیں ہوگا :

كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝

(المطففین ۸۳ : ۱۵) :

ہر گز نہیں ۔ بلکہ وہ بلاشبہہ اس دن اپنے پروردگار (کے نظارے سے) پردے میں ہوں گے ۔

حقیقتِ ہستی کے عیاں اور حسنِ مطلق کے لیے بے نقاب ہو جانے پر بھی جب منکرانِ حق حسنِ مطلق کے سرور انگیز اور جانفزا نظاورں کے مشاہدے سے محروم رہیں گے تو ان کا غم و حسرت کی آگ میں جلنا ، تڑپنا اور بے قرار ہونا فطری امر ہے :

ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ۝ (المطففین ۸۳ : ۱۶) :

پھر وہ یقیناً (غم و حسرت کی) دوزخ میں داخل ہوں گے — اور یہ آتش دوزخ دراصل آتش دل ہے ۔

الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ (الھمزة ۱۰۴ : ۷) :

وہ (آگ ہے) جو دلوں پر چڑھتی ہے ۔

اور اس آتش دل کی جانگسل اذیتوں میں مبتلا لوگوں کے احساس ندامت کی آگ کو شعلہ زن کرنے کے لیے فطرت انہیں پکار پکار کر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہے گی :

هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ؕ (المطففین ۸۳ : ۱۷) :

یہ وہ (حقیقت ہے) جسے تم جھٹلاتے تھے .

واقعیت و حقیقت کو جھٹلانے سے قلب انسانی پر جب زنگ کی تہوں کی تہیں جم جاتی ہیں تو وہ پردے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں ، جسے قرآن حکیم نے ''اکنۃ'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس پر دوسرے عنوان کے تحت بحث کی جاتی ہے .

۵۔ حجاب : کیمرے کے شیشے (lens) پر جس طرح ڈھکنا رکھ دینے سے خارج کے کسی منظر یا چیز کی تصور نہیں اتر سکتی ، اسی طرح انسان کے شیشۂ قلب پر جب اس کی سیاہ کاریوں سے ظلمتوں کی تہیں جم جاتی ہیں تو قلب کی فعلی اور انفعالی قوتیں بھی صحیح طور پر کام کرنے کے قابل نہیں رہتیں ۔ نفسیاتِ انسانی کی حالت کو حالت قرآن حکیم نے قلب پر پردہ پڑ جانے کی حالت سے تعبیر کیا ہے :

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ○ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ○ (الکہف ۱۸ : ۵۶ تا ۵۷) :

اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ (ایمان و نکوکاری کی کامرانیوں کی) بشارت دیں اور (انکار و بد عملی

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے نتائج سے) متنبہ کریں اور جو کافر (یعنی حق بات کو چھپانے والے) ہیں ، وہ جھوٹی (دلیلوں) کے ساتھ جھگڑتے ہیں تاکہ اس طرح حق کو متزلزل کر دیں اور انھوں نے ہماری نشانیوں کو اور اس بات کو جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے ، تمسخر کی بات بنا رکھا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے ، جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنی گزشتہ سیاہ کاریوں کو بھول جاتا ہے ۔ بلاشبہہ ہم نے ان کے دل و دماغ پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھ سکتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے (کہ حق کی آواز نہیں سن سکتے) ، اور تم کتنا ہی ہدایت کی طرف بلاؤ وہ کبھی ہدایت پانے والے نہیں ۔

ان آیات میں قلب پر پردہ پڑ جانے کی مندرجۂ ذیل چار وجوہ بیان کی گئی ہیں :

۱۔ کفر : کفر کے معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں اور اصطلاح قرآن میں اس کے معنی حق کو چھپانے کے ہیں ۔
۲۔ حق کی تضحیک و مخاصمت ۔
۳۔ آیاتِ الٰہی سے اعراض و پہلو تہی ۔
۴۔ اپنی بدعملیوں کے فطری نتائج و عواقب سے غفلت و بے پروائی ۔

ان وجوہ کے مضمرات پر غور و فکر کرنے سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ خارجی اور نفسیاتی حقائق جنھیں اصطلاحِ قرآنی میں آیاتِ انفس و آفاق سے تعبیر کیا گیا ہے ، انسان کے سفر زندگی میں سنگ میل اور نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی مدد اور رہنمائی ہی سے وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے ۔ چنانچہ جو شخص ان نشاناتِ راہ سے مستفید ہونے کے بجائے ان کی تکذیب و تضحیک کرتا ہے وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا ۔ ظاہر ہے ایسے شخص کے نصیب میں گمراہی و نامرادی کی اذیتوں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے ۔ اسی مفہوم کو سورۂ بنی اسرآءیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا لا وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَ اِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا o (بنیٓ اسرآءیل ۱۷ : ۴۵ تا ۴۶) :

اور جس وقت تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لائے ، ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں ، اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں ، تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے کہ جب تم قرآن میں اپنے اکیلے پروردگار کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ موڑ کر چل دیتے ہیں .

ان آیات میں بھی قلب پر پردے پڑ جانے کے وہی اسباب بیان کیے گئے ہیں جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئے ہیں ؛ لیکن قرآن حکیم نے الفاظ کی تبدیلی اس معجزانہ انداز میں کی ہے کہ گزشتہ اور مؤخرالذکر آیات ایک دوسرے کی تفسیر معلوم ہو رہی ہیں ۔ چنانچہ ان آیات کو بنظرِ غائر دیکھنے سے ان حقائق کا پتا چلتا ہے کہ قرآن حکیم آیات انفس و آفاق کا آئینہ دار ہے اور اس نے اعمال انسانی کے نتائج و عواقب کے ظہور کے دن کو آخرت سے تعبیر کیا ہے ۔ اس کے علاوہ مؤخرالذکر آیات سے یہ بھی مترشح ہے کہ قلب پر پردہ پڑ جانے سے وہ نظریۂ توحید کا حریف نہیں ہو سکتا ، اس لیے توحید ربی کی تاب نہ لانا اس کا شعار بن جاتا ہے .

قلب انسانی کی اپنے فطری حسن سے محرومی چونکہ فطرت کے قانون مکافات کی وجہ سے ہوتی ہے ، اس لیے قرآن حکیم اسے عام طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جیسا کہ اس نے خود بھی کئی بار بیان کیا ہے قلب کی ہر کیفیت و حالت انسان کے اپنے نظریات و اعمال کی ہی مرہون منت ہوتی ہے ، اور اس واقعیت کا اعتراف فطرت انسانی جس طرح کرنے پر مجبور ہے ، اسے قرآن حکیم نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنے مخصوص اسلوب میں اس طرح بیان کیا ہے:

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ
اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا
فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْ ۢ
بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

(حٰمٓ السجدۃ ۴۱ : ۱ تا ۵) :

یہ (کتاب) خدائے رحمٰن و رحیم کی نازل کی ہوئی ہے۔ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں فرداً فرداً بیان کی گئی ہیں۔ قرآن عربی میں ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو علم رکھتے ہیں۔ یہ (حیات صالحہ کے روشن مستقبل کی) بشارت دینے والا اور (مصیبت بداماں زندگی کے تاریک اور بھیانک مآل سے) خبردار کرنے والا ہے۔ ان (لوگوں) میں سے بہتوں نے اس سے منہ موڑ لیا ہے۔ چنانچہ وہ اسے نہیں سنتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل و دماغ اس بات سے پردوں میں ہیں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے۔ پس تو اپنا کام کر ہم اپنے کام میں لگے ہی رہیں گے۔

۶۔ غفلت و جہالت: انسان کے دل و دماغ پر جب ایک مدت تک پردہ پڑا رہتا ہے تو وہ حسن و حقیقت کے احساس و شعور سے قطعاً بے گانہ ہو جاتا ہے بلکہ اسے ان سے نفرت ہو جاتی ہے۔ انسان کی اس نفسیاتی حالت کو قرآن حکیم نے غمر، یعنی غفلت و جہالت کی حالت سے تعبیر کیا ہے:

وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

toobaa-elibrary.blogspot.com

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ٥ (المؤمنون ۲۳ : ۶۲ تا ۶۳):

اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے (یعنی حقیقت حیات کو بیان کرتی ہے) اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ، بلکہ ان کے دل و دماغ اس سے غفلت و جہالت میں ہیں اور اس کے علاوہ ان کے اور بھی (غیر صالح) اعمال ہیں جو وہ کرتے ہیں .

اس غفلت و جہالت کا انسان کی نفسیاتی کیفیات پر یہ اثر پڑتا ہے کہ وہ ہر مسئلۂ حیات کو بجائے علم کی روشنی کے ظن و تخمین سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے[۶] ، لیکن ظن سے چونکہ آدمی کو کسی شے کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی ، اس لیے وہ کامرانی حیات کی حسین راہ کو کھو کر غلط راہوں میں بھٹکتا رہتا ہے :

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ لا الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ لا (الذّٰرِيٰت ۵۱ : ۱۰ تا ۱۱) :

اٹکلیں دوڑانے والے مارے گئے اور وہ غفلت و جہالت میں ڈوبے ہوئے حقیقت سے بے خبر ہیں .

۷- اندھاپن : انسان جب غفلت و جہالت میں ڈوب جاتا ہے تو وہ حقیقت و واقعیت کا مشاہدہ نہیں کرتا ، جس کی وجہ سے اس کے قلب کی فعلی اور انفعالی قوتیں مسلوب ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے فطری حسن یا نور بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے ۔ قلب کی اس حالت کو قرآن حکیم نے ''عمی القلوب'' سے تعبیر کیا ہے :

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ج فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ o

(الحج ۲۲ : ۴۶) :
کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی کہ (عبرت حاصل کرتے اور) ان کے دل و دماغ سمجھنے بوجھنے اور کان سننے کے قابل ہو جاتے (واقعہ یہ ہے کہ) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں ، بلکہ قلوب اندھے ہو جاتے ہیں ، جو سینوں میں ہیں (یعنی عقل و بصیرت باقی نہیں رہتی ہے) .

اس آیت میں مشاہدہ و تجربہ کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا گیا ہے کہ جو لوگ حقائق زندگی اور مناظر فطرت کا مشاہدہ و تجربہ نہیں کرتے وہ عقل و بصیرت سے بھی محروم رہتے ہیں - وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ و تجربہ ہی سے عقل و بصیرت اور صحیح ذوق حسن پیدا ہوتا ہے - اس سے ظاہر ہوا کہ جو لوگ دل کے اندھے ہوں گے ، وہ کور ذوق ، گمراہ اور ناکام ہوں گے .

۸- تقفل : حسن سے محروم قلب کی قساوت و شقاوت اور ظلمت و جہالت جب اس کی فعلی اور انفعالی قوتوں کے لیے ناقابل عبور روکاٹ بن جاتی ہیں اور وہ قوتیں اپنے فطری وظائف کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہتیں تو اس وقت قرآن حکیم کے محاورے میں کہا جائے گا کہ قلب پر قفل چڑھے ہوئے ہیں :

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ o اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لا الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ط وَاَمْلٰى لَهُمْ o (محمد ۴۷ : ۲۲ تا ۲۵) :

toobaa-elibrary.blogspot.com

پس اگر تم پھر جاؤ تو قریب ہے کہ زمین میں فساد برپا کرو اور اپنی رشتہ داریوں کو منقطع کرو ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ۔ چنانچہ انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ۔ کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دل و دماغ پر قفل چڑھے ہوئے ہیں ۔ بلاشبہہ جو لوگ اپنی پیٹھوں پر پھر گئے (یعنی جنھوں نے حق و صداقت سے منہ موڑ لیا) ، اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت واضح ہو گئی ۔ شیطان نے (اس منہ موڑنے کو) ان کے لیے خوشنما کر دکھایا اور انھیں لمبے وعدے دیے ۔

ان آیات میں قلب پر قفل چڑھ جانے کے دو اسباب بیان کیے گئے ہیں :

(اول) حقائق زندگی کے سننے اور دیکھنے سے کان اور آنکھیں بند کر لینا ۔

(دوم) قرآن حکیم کے اسرار و رموز کو سمجھنے کی خاطر ان پر غور و فکر نہ کرنا ۔

ان اسباب پر غور و فکر کرنے سے پتا چلتا ہے کہ انسان اگر اپنے حواس اور دل و دماغ کی قوتوں سے حقیقی کام نہیں لیتا تو ان میں اضمحلال و تعطل پیدا ہو جاتا ہے ، جس کے نتیجے میں وہ جمالِ حقیقت کے احساس و معرفت سے بیگانہ ہو جاتا ہے ۔ اس کا نفسیاتی اعتبار سے اثر یہ ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت کے شر کی چنگاریاں شعلہ زن ہو کر اس کے قلب کو محیط ہو جاتی ہیں اور جب اس کی نفسیاتی حالت یہ ہو جاتی ہے تو پھر قبیح و ناخوب کا ہر منظر اسے حسین و خوب نظر آنے لگتا ہے اور اس طرح زندگی کے ہر گوشے میں وہ اس فریب نظر کا شکار ہونے لگتا ہے ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ فساد کو صلاح اور بدی کو نیکی تصور کرنے اور تعمیر و اصلاح کے بجائے خرابی و فساد ہی میں مقصدِ حیات کو مضمر سمجھنے لگتا ہے ۔ اس گمراہ اور فریب خوردہ شخص کو اصطلاح قرآنی میں ملعون کہا گیا ہے ۔

۹۔ **طبع :** ارتکابِ معصیت انسان کی زندگی کا چلن بن جائے اور اس کی شخصیت عصیان کے سانچے میں اس طرح ڈھل جائے کہ فسق و

toobaa-elibrary.blogspot.com

فجور ، کفر و منافقت اور کذب و عدوان کے داغ اس پر واضح طور پر مرتسم ہو جائیں تو اس وقت اصطلاح قرآنی میں کہا جائے گا کہ اس کے قلب پر چھاپ لگ گئی ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ قلب پر چھاپ لگ جانے کے اسباب و نتائج کیا ہیں ؟ قرآن حکیم نے اس مسئلے پر متعدد مقامات پر بحث کی ہے اور حاصل بحث کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر مقام کی آیات پر علٰحدہ علٰحدہ غور و فکر کیا جائے :

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۰۰) :

کیا ان لوگوں کے لیے جو پہلی جماعتوں کے بعد ملک کے وارث ہوئے ہیں ، یہ بات موجب ہدایت نہیں ہوتی کہ اگر ہم چاہیں تو (پہلوں کی طرح) انھیں بھی گناہوں کے سبب مصیبتوں میں مبتلا کریں اور ان کے دلوں پر چھاپ لگا دیں کہ وہ (حق و صداقت کی) کوئی بات سن ہی نہ سکیں ۔

اس آیت میں قرآن حکیم نے اقوامِ عالم کے ادبار و زوال کی تاریخی واقعیت کو اپنے اعجازِ بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے کہ ان چند الفاظ نے معانی کے دفاتر کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے ۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ نوعِ انسانی کی ہلاکت و نامرادی کا ایک بنیادی سبب ہے اور وہ ہے — نوامیس فطرت سے انحراف و گریز ، جس کو اس نے اپنی زبان میں ذنب یا گناہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کے نزدیک قلب پر چھاپ لگ جانے کا حقیقی سبب بھی یہی ہے ۔

گناہ چونکہ وسیع المفہوم لفظ ہے ، اس لیے قرآن حکیم نے اس کی سلبی قدروں سے ذہن انسانی کو واضح طور سے آگاہ کرنے کے لیے اس کی جابجا تصریحات کی ہیں ، مثلاً محولہٴ بالا آیت کی اگلی ہی آیت میں اس نے کذب و کفر کو گناہ سے تعبیر کیا ہے :

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (الاعراف ۷ : ۱۰۱) :

یہ ہیں (دنیا کی بعض) آبادیاں ، جن کے کچھ حالات ہم تمھیں سناتے ہیں - ان سب میں ان کے پیغمبرؑ (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آئے ، مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ جو بات پہلے جھٹلا چکے تھے اسے مان لیں - اسی طرح اللّٰہ کافروں کے دل و دماغ پر چھاپ لگاتا ہے .

سورۂ منافقون میں اس واقعیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تکذیبِ حق منافقت کا خاصّہ ہے اور منافق لوگ چونکہ حقیقت پر ایمان لانے کے بعد اس کے منکر ہو جاتے ہیں اور سیاہ کاریاں ان کا شیوۂ زندگی بن جاتی ہیں ، اس لیے ان کے دل و دماغ پر کفر و نفاق کی چھاپ لگ جاتی ہے :

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ○
(المنافقون ۶۳ : ۱ تا ۳) :

(اے پیغمبر !) منافق لوگ جب تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللّٰہ کے رسول ہیں'' ، اور اللّٰہ جانتا ہے کہ تم یقیناً اس کے رسول ہو ، اور اللّٰہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ منافق لوگ بلاشبہہ (حق کی) تکذیب کرنے والے ہیں -

toobaa-elibrary.blogspot.com

انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور اس طرح وہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں ۔ بلاشبہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس کے منکر ہو گئے ۔ (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ان کے دلوں پر چھاپ لگ گئی ، چنانچہ وہ کچھ نہیں سمجھتے ۔

حق و صداقت کی مسلسل تکذیب و تکفیر کے سبب انسان کے نہ صرف دل و دماغ بلکہ اس کے حواس پر بھی چھاپ لگ جاتی ہے ، اور اس طرح وہ شعور و فہم سے بالکل عاری ہو جاتا ہے ۔ انسان کی اس نفسیاتی حالت کو قرآن حکیم نے عذاب عظیم سے تعبیر کیا ہے ۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان حقیقت کا انکار کیوں کرتا ہے ؟ قرآن حکیم اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو لوگ حیاتِ دنیوی کے عارضی فوائد کی خاطر اُخروی زندگی کے ابدی فوائد کی پروا نہیں کرتے ، وہ نوامیس فطرت کے منکر ہو جاتے ہیں اور اس طرح ابدی گمراہی اور محرومی ان کے نصیبوں کا لکھا بن جاتا ہے ۔ انھیں لوگوں کو اس نے غافل بھی کہا ہے :

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ (النحل ۱۶ : ۱۰۶ تا ۱۰۹) :

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا منکر ہوا ، اس شخص کے سوا جو کفر پر مجبور کیا جائے (اور جان کے خطرے سے کوئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بات کہہ دے) اور اس کا دل اپنے ایمان سے مطمئن ہو ، لیکن وہ شخص جس کا سینہ کفر کے لیے کھل جائے تو ایسے ہی لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے آخرت کے مقابلے پر دنیا کی زندگی سے محبت کی اور اللہ تعالیٰ منکرانِ حق کو کبھی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچاتا ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل و دماغ پر ، کانوں اور آنکھوں پر چھاپ لگا دی اور یہی لوگ غافل بھی ہیں ، لا محالہ یہی لوگ آخرت میں نقصان اُٹھانے والے بھی ہیں .

قرآن حکیم کے فلسفۂ حیات کے مرکزی خیال کو ہم لفظ اعتدال سے تعبیر کر سکتے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک زندگی کے ہر گوشے میں جو حسین منظر بھی وجۂ نشاط نظر ہے ، اس کی اصل اعتدال ہی ہے۔ لہٰذا اس کے نزدیک ہر مسرف ، یعنی جو شخص اپنے فکر و عمل میں بے اعتدالی روا رکھتا ہے ، سیاہ کار ہے ۔ بے اعتدالیِ خیال کی ایک شکل ارتیاب کی ہے ، یعنی حقیقت و واقعیت میں شک و شبہہ کرنا ۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ اسراف و ارتیاب دونوں مہلک نفسیاتی امراض ہیں ، جو انسان کو متکبر اور سرکش بنا دیتے ہیں اور ان امراض کے سبب ہی انسان کے دل و دماغ پر چھاپ لگ جاتی ہے اور اسی لیے ان نفسیاتی امراض سے اللہ اور اہل ایمان کو سخت نفرت ہے :

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝

(المؤمن ۴۰ : ۳۴ تا ۳۵) :

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس سے پہلے یقیناً یوسف تمہارے پاس دلائل کے ساتھ آیا ، مگر تم اس کے بارے میں جو وہ تمہارے پاس لایا ، شک و شبہہ میں ہی رہے - یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گیا تو تم نے کہا کہ اللہ اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا - اسی طرح اللہ (اپنے قانون مکافات کے مطابق) ہر اس شخص کو جو حد سے گزرنے والا اور شک کرنے والا ہے گمراہ کرتا ہے - (اور) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات (کامرانی حیات کے حسین نشانات) کے بارے میں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ، جھگڑتے ہیں - (یہ) اللہ اور ایمان دار لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ بات ہے - اسی طرح اللہ ہر متکبر و سرکش کے دل و دماغ پر چھاپ لگاتا ہے .

کسی قوم کی بقا اور ترقی کا راز اس کے افراد کے اشتراک عمل اور ایثار و قربانی کے جذبات میں مضمر ہوتا ہے - چنانچہ جو لوگ اجتماعی زندگی کے نصب العین کو پورا کرنے کی اجتماعی کوشش میں حصہ لینے سے گریز کرتے ہیں وہ اصل میں منافقت کے مرض کا شکار ہوتے ہیں ، اور اس مرض کے سبب ہی ان کے دل و دماغ پر چھاپ لگی ہے اور وہ حق و صداقت کے فوائد و برکات اور باطل و شیطنت کے نقصانات کو سمجھنے کے قابل نہیں رہتے :

وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ٥ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ٥ (التوبة ۹ : ۸۶ تا ۸۷) :

اور (اے پیغمبر) جب (قرآن کی) کوئی سورت اس بارے میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو جو لوگ ان میں مقدور والے ہیں وہی تجھ سے اجازت مانگتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے ، گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ساتھ بیٹھے رہیں ۔ انھوں نے پسند کیا کہ پیچھے رہ جانے والیوں (خانہ نشین عورتوں) کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر چھاپ لگ گئی ، چنانچہ وہ کچھ نہیں سمجھتے .

انسان کے سامنے زندگی کے دو راستے ہیں : ایک عدل و انصاف کا حسین و مستقیم راستہ ، جسے اصطلاحِ قرآنی میں سواء السبیل یا صراط المستقیم کہتے ہیں اور دوسرا راستہ باطلیت و شیطنت کا ہے ، جسے انسان اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق منتخب کرتا ہے ۔ قرآن حکیم کا اس بارے میں ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ مؤخرالذکر راستے کو اختیار کرتے ہیں ، وہ حق و صداقت کی باتیں سن کر یہی نہیں کہ انھیں قبول نہیں کرتے بلکہ ان کی تضحیک کرتے ہیں اور اس کا اثر ان کی نفسیات پر یہ پڑتا ہے کہ ان کے دل و دماغ پر چھاپ لگ جاتی ہے اور وہ حیات انسانی کے سود و زیاں کو سمجھنے کے قابل نہیں رہتے :

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝ (محمد ۴۷ : ۱۶) :

اور ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں ، یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں : "اس نے ابھی کیا کہا تھا" ؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دل و دماغ پر اللہ نے چھاپ لگا دی اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں .

قرآن حکیم نے سورۃ النساء میں بنی اسرائیل قوم کی نفسیات کی تحلیل کرتے ہوئے اس واقعیت کی طرف خصوصیت سے انسان کی توجہ کو منعطف کرایا ہے کہ اس قوم کے افراد دعوت حق کو قبول کرنے کے بجائے اس کی تکفیر و تکذیب اس لیے کرتے تھے کہ ان کے دل و دماغ

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر چھاپ لگی ہوئی تھی اور اس چھاپ کے لگنے کے اسباب یہ تھے :

۱- انھوں نے بار بار اپنے عہد کو توڑا ؛

۲- اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب و تکفیر کی ؛

۳- انبیاء علیہم السلام کو نا حق قتل کیا ؛ اور

۴- انھوں نے ہر دعوت حق کے مقابلے میں کہا کہ ہمارے قلوب غلاف میں ہیں .

محولہ بالا اسباب کو قرآن حکیم نے اس انداز سے بیان کیا ہے کہ ہر منکرِ حق قوم کے نفسیاتی احوال و کوائف کی تصویر اپنے تمام خد و خال کے ساتھ ذہن انسانی کے سامنے آ جاتی ہے :

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ وَ كُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ قَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ قَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ٥

(النسآء ۴ : ۱۵۵) :

پس ان کی عہد شکنی کے سبب اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور متعدد پیغمبروں کو ناحق قتل کیا اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل و دماغ غلافوں میں محفوظ ہیں ، (حالانکہ واقعہ یہ نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر خدا نے چھاپ لگا دی ہے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے ہیں .

۱۰- ختم : انسان کی حسین فطرت جب افکارِ باطل اور اعمال قبیحہ کی وجہ سے قطعی طور پر مسخ ہو جائے اور اس کا قلب کفر و معصیت کی تاریکیوں میں اس طرح محصور ہو جائے کہ آفتاب حقیقت کی کوئی کرن بھی اس میں داخل ہونے کی راہ نہ پا سکے تو اس نفسیاتی حالت کو قرآن حکیم کے محاورے میں قلب پر مہر لگنا کہتے ہیں :

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِہٖ وَ قَلۡبِہٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ؕ فَمَنۡ یَّہۡدِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۝

(الجاثیہ ۴۵ : ۲۳) :

تو کیا تو نے (اس حقیقت کا) مشاہدہ کیا ؟ کہ جو شخص اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیتا ہے اور اللہ (اپنے قانون مکافات سے) اسے علم (کی دنیا میں) گمراہ کر دیتا ہے اور اس کے کان اور دل و دماغ پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے ۔ چنانچہ اللہ کے بعد کون ہے جو اسے ہدایت دے سکتا ہے ؟ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو ؟

محولۂ بالا آیت میں مفصلہ ذیل نکات خصوصیت سے قابل غور ہیں :

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے بھی معبود نہیں ہو سکتی ، اس لیے احکام الٰہی کے مقابلے میں نفس کی خواہشات کو محبوب رکھنا اور ان کے مطابق اپنی راہ و منزل کی تعیین کرنا گمراہی کا موجب ہے ۔

۲۔ انسان علم و حکمت میں کتنی ترقی کیوں نہ کر لے ، لیکن قوانین فطرت کے بجائے خواہشات نفس کی پیروی کرے گا تو وہ گمراہ ہو جائے گا اور علم و حکمت کی روشنی اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکے گی ۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ علم سے وہی انسان مستفید ہو سکتے ہیں جو نوامیس فطرت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ۔

۳۔ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے سے نہ صرف قلب کی فعلی اور انفعالی قوتیں مسلوب ہو جاتی ہیں بلکہ حواس بھی اپنے وظائف فطری کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے ۔

۴۔ صرف خدا وند تعالیٰ ہی انسان کی اس کی منزل مقصود تک صحیح رہنمائی کر سکتا ہے ، اس لیے ہر مسئلۂ حیات کے صحیح حل کی طرف رسائی اس کی ہدایت کے بغیر ممکن نہیں ۔

اس آیت حسنہ کے مضمرات پر غور و فکر کرنے سے اس بات کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

پتا چلتا ہے کہ اس جگہ انسان کی حسین فطرت اور اس کے نفسِ امارہ کے میلانات و عواطف کے تضاد و تخالف کو دکھانا مقصود ہے ، نیز حقیقت کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کی فطرتِ سلیم کے تقاضے ہی دین حنیفہ کی اساس ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں ہم جنھیں نوامیسِ فطرت کہتے ہیں وہ دراصل انسان کی فطرت سلیم ہی کے تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کی صحیح انداز اور طریقے سے تشفی کرنے ہی میں حیات انسانی کے ارتقاء اور اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے ۔ اس کے برعکس نفس انسانی کی خواہشات باطل اور گمراہ کن ہوتی ہیں اور ان کی تشفی کرنے کا مطلب ہلاکت و نامرادی ہے ۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ حیاتِ انسانی کے نشو و ارتقاء اور کامیابی کے لیے فطرت سلیم اور نفس امارہ کے تقاضوں میں فرق روا رکھنا نہایت ضروری ہے ۔

سورۃ الانعام میں اس نکتے کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ نوامیسِ فطرت کی خلاف ورزی کرنے سے جب انسان کے قلب و حواس کی قوتیں مسلوب ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت ان قوتوں کو بحال نہیں کر سکتی ، یعنی غیر فطری طریقوں سے قلب و حواس کی کھوئی ہوئی قوتیں بحال نہیں ہو سکتیں :

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝

(الانعام ٦ : ٤٦) :

(اے پیغمبرؐ) ان سے کہہ دو ! ”تم نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر اللہ تمھاری دیکھنے اور سننے کی قوتوں کو سلب کر لے اور تمھارے دل و دماغ پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں یہ قوتیں واپس دلا سکتا ہے ۔ دیکھو ہم کس طرح مختلف طریقوں سے آیات بیان کرتے ہیں ، پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ موڑے ہوئے ہیں .

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ انسان کی ہر نفسیاتی بیماری کا علاج ممکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے ، لیکن جب اس کے دل و دماغ پر مہر لگ جاتی ہے تو یہ مرض لا علاج ہو جاتا ہے اور شفا کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی ؛ لہٰذا ایسے اشخاص کو حق و صداقت کی دعوت دینا لا حاصل ہوتا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ o خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ ط وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ ز وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ o (البقرۃ ۲ : ٦ تا ۷) :

بلا شبہہ جن لوگوں نے (حق و صداقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا (اور حقیقت کو سننے اور قبول کرنے کی فطری استعداد کھو دی) ان کے لیے یکساں ہے ، خواہ تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو ، وہ کبھی ماننے والے نہیں ۔ اللہ نے ان کے دل و دماغ اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا اور ان کے لیے سخت عذاب ہے ۔

ان تمام مباحث سے ثابت ہوا کہ حسن کے احساس و ادراک کے لیے قلب کا حسین ہونا ضروری ہے ، ورنہ اس کے محسوسات و مدرکات سچے نہیں ہوں گے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب نہم

۱- زَاغَ سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنے اصل مرکز تک نہ پہنچنا - اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں ، مثلاً اس شے کا اپنے مرکز سے ادھر ادھر ہو جانا ، مرکز سے پیچھے رہ جانا یا آگے نکل جانا .

۲- طغیاًن کے معنی حد سے تجاوز کر جانے کے ہیں . (لسان العرب)

۳- aeasthic sense

۴- mind

۵- حسن حقیقت کو قرآن حکیم اپنی اصطلاح میں آیت یا آیات کے مجموعے ، یعنی سورۃ سے تعبیر کرتا ہے .

۶- وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النّجم ۵۳ : ۲۸) :

بلاشبہہ گمان حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دہم

صفاتِ حسن

حسن اپنی اصل کے اعتبار سے وحدت کا آئینہ دار ہے ، لیکن وحدت اضافی اعتبار سے کثرت کا حکم رکھتی ہے ، جسے صفات سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ حسن کی وہ صفات جو خاص کر فنی تخلیقات کو مستلزم ہیں ، قرآن حکیم کی رو سے چار ہیں :

۱- بوقلمونی

۲- موزونیت

۳- فنی جامعیت

۴- پاکیزگی

اس سے پیشتر کہ ان چاروں صفات پر فرداً بحث کی جائے ، اس نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ وحدت حسن میں چونکہ نظر افروزی اور سرور انگیزی کا راز مضمر ہے ، اس لیے حسن کی ہر صفت کے لیے لازم ہے کہ وہ نظر افروز اور سرور انگیز ہو .

۱- بوقلمونی : یہ کائنات جو حسن و جاذبیت کا نگار خانہ ہے ، رنگ اختلاف و تنوع سے مزین نظر آتی ہے ۔ اس کے مناظر کی بوقلمونی اور نظاروں کی گونا گونی کو دیکھ کر بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائنات تضاد و تخالف کا ایک نظر فریب طلسم ہے اور اس کے عناصر ترکیبی میں مناسبت و ہم آہنگی نہیں پائی جاتی ، لیکن یہ واقعیت پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ کائنات کے حسن و دلکشی کی وجہ حقیقی یہ ہے کہ اس کے عناصرِ ترکیبی میں مناسبت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ لہٰذا اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس بوقلمونی کی حقیقت کیا ہے ؟ اور اسے کیوں حسن کی ایک صنعت قرار دیا گیا ہے ؟ اس سوال کا جواب معلوم

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنے سے پہلے اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ کائنات مجموعی اور انفرادی دونوں حیثیتوں سے حسن و نظر افروزی کا پیکر بے مثال ہے ، اس کی ہر شے اپنی مطلق اور اضافی حیثیت سے حسین و نظر افروز ہے ۔ اس سے منطقی طور سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس کائنات کی ہر شے کے عناصر ترکیبی میں اپنی مطلق اور اضافی دونوں حیثیتوں سے مناسبت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ اس صورت حال کو دیکھ کر قدرتی طور پر انسان سوچنے لگتا ہے کہ جب ہر شے کے عناصر ترکیبی میں مطلق اور اضافی حیثیتوں میں تناسب و ہم آہنگی پائی جاتی ہے تو پھر کائنات میں جو تخالف و تضاد پایا جاتا ہے ، اس کی وجہ کیا ہے ؟ کیا یہ فریب نظر ہے ؟ یا حقیقت میں کائنات رنگ تضاد و تخالف سے مزین ہے ؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ کائنات تضاد و تخالف کی تصویروں کا مرقع ہے ، لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کے ہر تضاد و تخالف میں وحدت پائی جاتی ہے ، جس کی وجہ سے تمام متضاد و متخالف اشیاء میں مطلق اور اضافی حیثتوں سے مناسبت و ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ بوقلمونی کی حقیقت کا راز تضاد و تخالف کی وحدت میں مضمر ہے اور اسی وجہ سے وہ حسن کی ایک ناگزیر صفت ہے ۔

وحدت کا یہ اعجاز ہے کہ وہ متضاد و مختلف چیزوں میں ہم آہنگی پیدا کر دیتی ہے ، جیسا کہ موسیقی میں مختلف و متضاد آہنگوں کی وحدت سے سُر بنتا ہے اور مختلف و متضاد سُروں کی وحدت سے نغمہ اور راگ کی تشکیل ہوتی ہے ۔ اسی طرح مصوری میں جب کسی تصویر کے متضاد و متخالف رنگوں اور خطوط میں وحدت پائی جاتی ہے تو اس میں خود بخود جاذبیب و نظر افروزی پیدا ہو جاتی ہے ۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس تصویر کے عناصر ترکیبی میں مناسبت و ہم آہنگی کا پایا جانا یقینی ہے ۔ چنانچہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شے میں اختلاف و تضاد برنگ وحدت پایا جاتا ہے جو اس کی مکمل ہم آہنگی کی دلیل اور اس کے حسن و دلکشی کی وجۂ حقیقی ہے ۔

غور سے دیکھا جائے تو بوقلمونی حسن کی حرکی قوت کی مظہر ہے ۔ جو نہ صرف انسان کی جمالیاتی حس بلکہ اس کے ذوق تجسس کی تسکین کا سامان لازوال ہے ۔ چنانچہ اس اعتبار سے بوقلمونی ہی میں حسن کی جاذبیت و نظر افروزی کے ثبات دوام اور اس کے ارتقائے مسلسل کا راز مضمر ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لہٰذا یہی وجہ ہے کہ اس رنگ و بو کا گوشہ گوشہ بوقلمونی کی نیرنگیوں کا مرقع ہے ، جس کی طرف قرآن حکیم بار بار انسان کو دعوتِ فکر و نظر دیتا ہے :

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا

بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ

بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ

كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ (فاطر ۳۵ : ۲۷ تا ۲۸) :

کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے ، پھر ہم اس کے ساتھ رنگا رنگ کے پھل نکالتے ہیں اور پہاڑوں کے ایسے سلسلے ہیں جو سفید و سرخ مختلف رنگوں کے ہیں اور بعض کالے کلوٹے ہیں اور اسی طرح انسانوں ، جانوروں اور چارپایوں میں سے بھی طرح طرح کے رنگوں کے ہیں ۔ اللہ سے صرف اس کے علم والے بندے ہی ڈرتے ہیں ۔ بلا شبہہ اللہ عزیز (یعنی سب پر غالب آنے والا) اور غفور (یعنی ہر ظاہر اور باطنی بلا سے بچانے والا) ہے ۔

عالمِ جمادات ہو یا عالمِ نباتات ، عالمِ حیوانات ہو یا عالم سماوی ، ان میں سے ہر ایک عالم بوقلموں مناظر کا نگار خانہ ، اور ہر منظر اختلاف و تضاد کا آئینہ دار ہے ۔ یہ تضاد و تخالف چونکہ تعدیل و تسویہ کے رنگ سے مزین ہے ، اس لیے یہ نظارے دلکش اور سرور انگیز ہونے کے ساتھ بصیرت افروز بھی ہیں :

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِىْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ٥ (النحل ۱۶ : ۱۳) :

اور جو کچھ اس (باری تعالیٰ) نے تمھارے لیے زمین میں پیدا کیا ہے وہ گونا گوں رنگوں کا ہے ۔ بلا شبہہ اس (بوقلمونی) میں ان لوگوں کے لیے نشان (حقیقت) ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں :

مصورِ حقیقی کے پیکرانِ تخلیق رنگ کے اعتبار سے ہی ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں بلکہ ان کی شکل و شباہت بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہے اور تو اور اس دنیا کی راہیں بھی ایک دوسری سے مختلف ہیں :

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ط فَاَخْرَجْنَا بِہٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ٥ کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُوْلِی النُّھٰی ٥ (طٰہٰ ۲۰ : ۵۳ تا ۵۴) :

وہ پروردگار جس نے تمھارے لیے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی ، نقل و حرکت کے لیے اس میں راہیں نکال دیں اور آسمان سے پانی برسایا اور پھر ہم اس کے ساتھ مختلف قسم کی سبزیوں کے جوڑے پیدا کرتے ہیں ۔ کھاؤ اور اپنے جانوروں کو چراؤ ۔ بلا شبہہ اس میں دانا لوگوں کے لیے (حقیقت کے) نشانات ہیں ۔

شکل و صورت اور رنگ و شباہت کی بوقلمونی میں کہیں کہیں مشابہت کے جلوے بھی نظر آتے ہیں ، لیکن غور سے دیکھیں تو یہ مشابہت بحیثیت مجموعی خود بھی ایک وجہ اختلاف ہے :

وَھُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُکُلُہٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ط (الانعام ٦ : ١٤١) :

وہ (اللہ) ہی ہے جس نے (طرح طرح کے درختوں کے) باغات پیدا کر دیے ، ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے (جیسے انگور کی بیلیں) اور بغیر اس کے (جیسے وہ درخت جو خود اپنے تنوں پر کھڑے ہوتے ہیں) اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں ، جن میں مختلف قسم کی کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں ، نیز زیتون اور انار کے درخت صورت شکل میں ایک دوسرے سے ملتے ہوئے اور ایک دوسرے سے مختلف ۔

بوقلمونی سے عالم صوری ہی میں جمال و رعنائی نہیں بلکہ عالم معنوی کی نظر افروزیاں اور سرور انگیزیاں بھی اسی کی مرہون منت ہیں :

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ط

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ

شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥

(النحل ١٦ : ٦٩) :

پھر ہر قسم کے پھلوں سے کھا اور اپنے پروردگار کی مسخر کی ہوئی راہوں پر گامزن ہو جا ۔ ان (یعنی شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے جو رس نکلتا ہے وہ مختلف رنگتوں کا ہوتا ہے ، اس میں انسانوں کے لیے شفا ہے ۔ بلا شبہہ اس میں ان لوگوں کے لیے (حقیقت کا) نشان ہے ، جو غور و فکر کرنے والے ہیں ۔

اس عالم رنگ و بو میں بہار کی گلکاریوں اور رنگینیوں کے نظارے اس وجہ سے دلکش و نشاط نظر ہیں کہ یہ خزاں کی زرد رنگتوں اور ان کی تخریب کاریوں کے مناظر کا بھی آئینہ خانہ ہے :

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ

فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ

toobaa-elibrary.blogspot.com

يَهِيْجُ فَتَرٰهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر ۳۹ : ۲۱) :

کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے ، پھر اسے چشمے بنا کر زمین میں چلاتا ہے ، پھر اس کے ساتھ گونا گوں رنگتوں کی روئیدگی پیدا کرتا ہے ، پھر وہ خشک ہو جاتا ہے ، تو تُو اسے زرد دیکھتا ہے ، پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے ۔ اس میں بلا شبہہ عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے سوچنے سمجھنے کی بات ہے .

اب دیکھیے جس طرح اس گلشنِ ہستی کے پیکرانِ جمیل و جلیل کے رنگ و صورت کا اختلاف ان کی جاذبیت و نظر افروزی کا سبب ہے ، اسی طرح افرادِ نسلِ انسانی کی زبان رنگ اور شکل و شباہت کے اختلاف کے یہ کشور حیات جنتِ نگاہ اور طرح طرح کے دل آویز نغموں کی طرب گاہ ہے ۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ کائنات اور حیات انسانی کے یہ بو قلموں مناظر عبث اور فریبِ نظر نہیں بلکہ حقیقتِ حسن کے آئینہ دار ہیں اور ہر زمان و مکان میں ایسے ہی رہیں گے :

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ

اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝

(الروم ۳۰ : ۲۲) :

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری (یعنی افرادِ نسل انسانی کی) زبانوں اور رنگوں کا اختلاف نشانات قدرت میں سے ہیں اور اس میں ہر زمانے اور ہر علاقے کے لوگوں کے لیے (حقیقت کے) نشانات ہیں .

اختلاف و تضاد چونکہ حسن کی دل کشی کا سبب ہے ، اس لیے انسان کی معاشرتی زندگی کو حسین و دل کش بنانے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے درجات میں اختلاف ہوتا ۔ چنانچہ معاشیات ہو یا سیاسیات ، ثقافت ہو یا اخلاقیات ، معاشرت انسان کو حسین و دل کش بنانے کے لیے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اولاد آدم کے حفظ مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ ط اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ز صلے وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o

(الانعام ٦ : ١٦٥) :

یہ اس (خالق حقیقی) کی کار فرمائی ہے کہ اس نے تمھیں زمین میں (پچھلوں کا) جانشین بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تا کہ جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے ، اس میں تمھاری آزمائش کرے ۔ بلاشبہ تمھارا پرور دگار (اپنے قانون قدرت کی رو سے) بدلا دینے میں تیز ہے اور (یہ اس لیے ہے کہ) وہ غفور (جسمانی اور روحانی بلاؤں سے بچانے والا) اور رحیم (یعنی بار بار رحم کرنے والا ہے) ۔

عالمِ مکان میں بو قلمونی کی نیرنگیوں کا تماشا دیکھنے کے بعد نگاہ عالمِ زمان کی طرف اٹھتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دن کی ہنگامہ آرائیوں اور رات کی سکون آفرینیوں کے نظارے بھی رنگِ اختلاف سے مزین ہیں ۔ صبح کی سہانی بہار ، چاشت کا نظر افروز شباب ، دوپہر کی بھر پور جوانی اور ڈھلتے دن کے نظارے ، جب انسان کو گوناں گوں سرگرمیوں کی لذت سے آشنا کرکے گزر جاتے ہیں تو شام کے رنگین اور رات کے کیف پرور مناظر اس کو راحت و سکون کی نیند سلا دیتے ہیں ۔ اوقات کے اس تغیر و تبدل سے نہ صرف عالمِ ہستی کی صوری اور معنوی نظر افروزیاں اور دل کشیاں وابستہ ہیں بلکہ انسان کی جمالیاتی حس کی تشفی بھی ان کے بغیر ممکن نہیں ہے - یہی وجہ ہے کہ جب وہ بوقلمونیِ اوقات کے حیرت افزا نظاروں سے متأثر ہوتا ہے تو اس کی روح بے ساختہ پکار اٹھتی ہے :

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ o وَلَهُ

.toobaa-elibrary.blogspot.com

الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَ حِیْنَ

تُظْهِرُوْنَ ٥ (الروم ٣٠ : ١٧ تا ١٨) :

پس پاک ہے اللہ کے لیے اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لیے ستائش ہے جب تم پر شام آتی ہے ، جب تم پر صبح ہوتی ہے ، جب دن کا آخری وقت ہوتا ہے اور جب تم پر دوپہر آتی ہے .

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ خلقتِ کائنات اور زمانے کی بوقلمونیاں بے مقصد اور بے سود نہیں بلکہ ان میں عقل مند لوگوں کے لیے حقیقتِ حسن کے نشانات ہیں :

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ

وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ج (اٰل عمرٰن ٣ : ١٩٠) :

اصل یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے (نظاروں) کے اختلاف میں اربابِ دانش (کی نظر و فکر) کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں .

اس عالمِ کون و مکان کا ایک دل کش پہلو یہ ہے کہ یہاں کی ہر چیز اپنی متضاد صنف ضرور رکھتی ہے ؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بوقلمونیِ حیات کے عالم میں فطرت کا قانونِ تزویج کار فرما ہے ؛ اور اس قانونِ تزویج کا خاصّہ ہے کہ چیز کی ایک صنف میں اگر قوتِ جذب ہے تو اس کی متضاد صنف میں قوتِ انجذاب پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ اس وجہ سے ہر چیز اپنی متضاد صنف میں ایک بے پناہ کشش محسوس کرتی ہے جسے جذبۂ محبت کہتے ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ کشش و محبت کے ان جذبات کی تشفی ہی سے انسان راحت و سکون حاصل کرتا ہے اور اس میں بھی ازدواجی زندگی کی راحت و مسرت کا راز مضمر ہے :

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط اِنَّ فِیْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذٰ لِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ٥ (الروم ۳۰ : ۲۱) :

اور اس (یعنی اللہ تعالیٰ) کے نشانات قدرت میں سے ایک نشان یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم میں سے ہی جوڑے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) پیدا کیے تا کہ ان سے تمھیں تسکین پہنچے اور پھر تمھارے (یعنی مرد اور عورت کے) درمیان محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیے ۔ بلاشبہہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس میں (حقیقت حسن کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں ۔

صنف کا یہ تضاد و تخالف صرف نوعِ انسانی اور دیگر جاندار چیزوں میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہر پیکرِ تخلیق میں پایا جاتا ہے :

وَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ٥ (الذّٰرِیٰت ۵۱ : ۴۹) :

اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو ۔

فطرت کا قانون تزویج نباتات و حیوانات کے عوالم میں ہی نہیں بلکہ ان اشیاء میں بھی جن کا انسان کو علم نہیں ، کار فرما ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ٥ (یٰسٓ ۳۶ : ۳۶) :

پاک و بےعیب ہے وہ (ذات) جس نے زمین کی پیداوار میں ، انسانوں میں اور ان تمام مخلوقات میں جن کا انسان کو علم نہیں ، متضاد اصناف ، یعنی جوڑے پیدا کیے ۔

کائنات جس طرح اپنے مناظر کی بوقلمونی سے حسین و دل کش نظر آ رہی ہے ، اسی طرح زندگی اپنے ایام کے تغیر و تنوع کے سبب دل کشی اور جاذبیت رکھتی ہے ، مثلاً ہر پیکرِ حیات کے لیے بچپن ، لڑکپن ، شباب ، جوانی ، کہولت اور بڑھاپے کی منزلیں مقدر ہیں اور ہر منزل میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

زندگی ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے اور اس طرح اس کی جاذبیت و نظر افروزی کے انداز بدلتے رہتے ہیں :

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○

(المؤمن ۴۰ : ۶۷) :

وہ (فاطرِ کائنات) ہے ، جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ، پھر نطفے سے پھر علقے سے (یعنی جونک کی شکل کی ایک چیز سے) پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر نکالتا ہے ، پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر تم بوڑھے ہو جاتے اور تم میں سے کوئی وہ ہے ، جسے پہلے وفات دی جاتی ہے اور کوئی اپنے مقررہ وقت تک زندگی بسر کرتا ہے اور تا کہ تم عقل سے کام لو .

قرآن حکیم اب بو قلمونی کے ان کرشموں کی طرف انسان کی توجہ کو منعطف کراتا ہے ، جن سے معاشرۂ انسانی کے گوشے گوشے میں جاذبیت و دل کشی پیدا ہو گئی ہے ۔ مثال کے طور پر حیات انسانی پھیلتی ہے تو اس کا رخ دو مختلف سمتوں کی طرف ہوتا ہے ۔ دادا سے باپ اور بیٹے سے پوتے کا سلسلہ آگے کی طرف بڑھتا رہتا ہے ، اور دوسری طرف وہ صہر ، یعنی دامادی کے راستے پر چلتی ہے اور اختلاف و تنوع کی تمام کڑیاں ایک دل کش انداز سے آپس میں ملتی جاتی ہیں ۔ ان دونوں شاہراہوں میں سے بے شمار راہیں اور پگڈنڈیاں مختلف سمتوں میں نکل کر وحدت میں کثرت کے جلوے پیدا کرتی ہیں :

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ○ (الفرقان ۲۵ : ۵۴) :

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور وہی (خالق حقیقی) ہے ، جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا ، پھر اس کے لیے نسب اور سسرال کے رشتے بنا دیے اور تیرا پروردگار قدرت والا ہے .

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ بو قلمونی حسن کی ایسی صفت ہے ، جو انسان کی جمالیاتی حس اور اس کی جبلتِ تجسس کی تسکین و تشفی کے لیے ناگزیر ہے .

۲ ۔ موزونیت : حسن کی دوسری صفت موزونیت ہے ۔ کسی چیز کی اپنی حقیقت کے اعتبار سے محل اور موقع کے عین مطابق واقع ہونے کی حالت کو موزونیت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ لفظِ "موزوں" میں وزن کا جو مفہوم پایا جاتا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل میں وہی چیز موزوں ہوگی ، جو اپنی نوعیت ، کمیت ، کیفیت اور واقعیت کے لحاظ سے متناسب و معتدل ہوگی ۔ لہٰذا جو چیز موزوں ہوگی ، وہ جمالیاتی قدروں کی بھی حامل ہوگی ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے باری تعالیٰ کے تمام پیکرانِ تخلیق کو جو جمیل و جلیل ہیں ، موزوں کہا ہے :

وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝ (الحجر ۱۵ : ۱۹) :

اور ہم نے زمین میں ہر چیز کو موقع و محل ، کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے مناسب اور خوبصورت پیدا کیا ہے .

موزونیت کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں کمال کا مفہوم مضمر ہے ، یعنی وہی چیز حقیقت میں موزوں ہوگی ، جو ہر لحاظ سے مکمل ہوگی ۔ چنانچہ کسی پیکرِ تخلیق کو موزوں بنانے کے لیے فنکار کے لیے ضروری ہوا کہ وہ پہلے اس کی ہر لحاظ سے تکمیل کرے اور یہ بات خود خالق حقیقی کی تخلیقی فعلیت سے ثابت ہے ۔ مثال کے طور پر سورۂ یونس میں قرآن حکیم نے واضح طور پر اس واقعیت کو بیان کیا ہے کہ زمین جب تک اپنی تخلیقات سے اپنی تکمیل نہیں کر لیتی اس میں موزونیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

پیدا نہیں ہوتی :

حَتّٰی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَھَا وَازَّیَّنَتْ (یونس ۱۰ : ۲۴) :

یہاں تک کہ زمین بناؤ سنگار سے اپنی تکمیل کر لیتی ہے اور اس میں موزونیت پیدا ہو جاتی ہے .

محولۂ بالا آیت میں زخرف کا جو لفظ ہے ، اس کے معنی کسی کام کی تکمیل کرنے کے بھی آتے ہیں ، اس لیے یہ ثابت ہوا کہ جب تک فنی تخلیقات میں جامعیت و کمال پیدا نہ ہو ، وہ موزوں نہیں ہو سکتیں ۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی شے کی تزئین بھی ان ہی اشیاء سے ہو سکتی ہے جو بذات خود جامع اور مکمل ہوں ۔ جامعیت و کمال چونکہ حسن کی صفت ہے اس لیے ستاروں کے حسن کو قرآن حکیم نے "زینۃ الکواکب" سے تعبیر کیا ہے ، یعنی حسن کو اس کی اپنی صفت کے مترادف قرار دیا ہے :

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَۃِ نِ الْکَوَاکِبِ لا

(الصّٰفّٰت ۳۷ : ٦) :

بلا شبہہ ہم نے اس دنیا کے آسمان کو تاروں کے حسن سے آراستہ کیا .

اور زینت چونکہ حسن کی صفت ہے ، اس لیے اس کا مقصد نظرِ انسانی کو سرور بخشنا بھی ہے :

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰھَا لِلنّٰظِرِیْنَ لا

(الحجر ۱۵ : ۱٦) :

اور یقیناً ہم نے آسمان میں (ستاروں کی گردش کے لیے) برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس میں خوشنمائی پیدا کر دی .

چوپایوں کے حسن کو بھی قرآن حکیم نے ایک جگہ زینت سے تعبیر

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا ہے :

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ط

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل ۱۶ : ۸) :

(اور دیکھو !) گھوڑے ، خچر اور گدھے پیدا کر دیے ہیں تاکہ تم ان سے سواری کا کام لو اور ان میں خوشنمائی اور رونق بھی ہے اور وہ اور بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں .

حسن کی طلب و جستجو فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے ، اس لیے حسین چیزیں نہ صرف جمالیاتی حس کی تشفی کرتی ہیں ، بلکہ حیاتِ انسانی کی طمانیت و مسرت کا سامان بھی ہیں ۔ لہٰذا ان حسین چیزوں کو جنھیں قرآن حکیم ''خدا کی زینتیں'' کہتا ہے ، استعمال میں نہ لانا یا ان سے منہ موڑنا اپنے فطری تقاضوں کو غیر فطری طریقے سے دبانے کے مترادف ہے ۔ اس لیے یہ کفران نعمت بھی ہوا .

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ

مِنَ الرِّزْقِ ط (الاعراف ۷ : ۳۲) :

کہہ دیجیے (اے پیغمبرؐ !) کس نے اللّٰہ کی حسین چیزوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہیں اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو حرام کیا ہے ؟

زیب و زینت کی چیزیں چونکہ آرائش جمال کے لیے ضروری ہیں اور ان سے حیات انسانی کے جمال و جلال میں اضافہ ہوتا ہے ، اس لیے قرآن حکیم ان کے استعمال پر زور دیتا ہے اور وہ عبادت گاہوں میں بھی انسان کو ان حسین چیزوں میں ملبوس دیکھنا چاہتا ہے :

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۚ

(الاعراف ۷ : ۳۱) :

اے اولاد آدم ! عبادت کی ہر جگہ پر اپنے آپ کو اپنی زیب و زینت کی چیزوں سے آراستہ رکھا کرو ۔ نیز کھاؤ پیو ، مگر حد سے نہ گزر جاؤ ۔ اللہ تعالیٰ انھیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں ۔

اس بحث سے ہم نتیجہ مستنبط کر سکتے ہیں کہ وزن سے فنی تخلیقات میں حسن پیدا ہوتا ہے ، اس لیے موزونیت حسن کی صفت ہوئی اور یہ مشاہدے کی بات بھی ہے کیونکہ آواز میں نغمگی ، شعر میں شعریت اور خطوط میں تصویریت پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب ان میں وزن ہو ۔ چنانچہ جس مناسبت و ہم آہنگی کو شعر میں وزن کہتے ہیں ، اس کو موسیقی میں لَے اور مصوری میں توازن کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ وزن سے صرف صوری چیزوں ہی میں حسن نہیں ہوتا ، بلکہ عالمِ معنوی کے تمام حسین مناظر بھی وزن ہی کے مرہون منت ہیں ۔ یہ واقعہ ہے کہ جب تک انسان کی طبع موزوں نہ ہو وہ کبھی صحیح معنوں میں فن کار نہیں بن سکتا ، کیوں کہ حسن آفرینی کے لیے موزونی طبع کا ہونا لازمی ہے :

لیک موزونیِ نفس دگر است
آں نفس نیست مطلع سحر است
بحر صد رنگ موج و قطرہ شکست
آنچہ موزوں فتاد گوہر بست
ہر کہ موزوں نباشد انساں نیست
فہم نیرنگ معنی آساں نیست
طبع موزوں نہ کسبی و عملی است
از عطیات فیضِ لم یزلی است

۳ ۔ فنی جامعیت : حسن کی ایک صفت اِتقان ہے ، جسے جمالیات کی اصطلاح میں فنی جامعیت سے تعبیر کر سکتے ہیں ؛ اور اس سے مراد ہے کسی فنی تخلیق میں ہنر و کمال اور درستی و پختگی کا اس طرح مجتمع

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونا کہ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی ، نقص ، عیب اور فنی سطحیت نہ پائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ خالق حقیقی کی تخلیقات میں جو حسین ہیں فنی جامعیت پائی جاتی ہے :

صُنْعَ اللّٰہِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ کُلَّ شَیْءٍ ط o (النمل ۲۷ : ۸۸) .

یہ اللہ کی کاریگری ہے کہ اس نے ہر چیز میں فنی جامعیت پیدا کر دی .

قرآن حکیم نے فنی جامعیت کو کمال فن کی ایک شرط قرار دیا ہے ؛ اور ساتھ ہی اس نے اس واقعیت کو بھی آشکارا کر دیا ہے کہ جس فنی تخلیق میں فنی جامعیت پائی جائے گی ، اس میں کبھی کوئی نقص اور عیب نہیں ہوگا اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں وہ خالق حقیقی کے پیکران تخلیق کو نقد و نظر کے لیے پیش کرتا ہے :

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَلا ھَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ o ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ھُوَ حَسِیْرٌ o (الملک ٦۷ : ۳ تا ۴) :

وہ (باری تعالیٰ) ہے جس نے سات آسمانوں کو درجہ بدرجہ پیدا کیا ۔ تم تخلیق رحمانی میں کوئی اختلاف (یا تناقص) نہیں دیکھو گے ۔ (یقین نہ ہو تو) پھر نظر کو لوٹاؤ تو پھر بھی اس میں کوئی خرابی یا خامی نہیں دیکھو گے ۔ تم اسی طرح یکے بعد دیگرے دیکھتے رہو ، تمہاری نگاہ اٹھے گی اور عاجز و درماندہ ہو کر واپس آ جائے گی (لیکن کوئی نقص نہیں نکال سکے گی) .

فنی جامعیت سے یہی نہیں کہ فنی تخلیقات میں کوئی نقص اور عیب نہیں رہتا بلکہ ان میں قیام و ثبات بھی پیدا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کے جامع کلام کو "کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ"
اور "قَوْلِ الثَّابِت" سے تعبیر کیا ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ؕ (البیّنۃ ۹۸ : ۲ تا ۳):

اللہ کی طرف سے یہ رسولؐ ہے جو پاک صحیفے پڑھتا ہے (اور) ان میں مضبوط و غیر فانی کتابیں ہیں.

اور

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ (ابرٰہیم ۱۴ : ۲۷):

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں حیاتِ دنیوی و اخروی دونوں میں محکم بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے.

اس بحث سے معلوم ہوا کہ فنی جامعیت حسن کی ایک ناگزیر صفت ہے اور جو فن پارہ اس صفت سے متّصف ہوگا، وہ رنگِ دوام سے مزین ہوگا۔ لہٰذا ایسے فن پارے حیاتِ انسانی کے سرورِ مدام اور ارتقاے دوام کے لیے ضروری ہیں.

پاکیزگی: پاکیزگی بھی حسن کی ایک صفت ہے اور اس لفظ کو ہم نے ان معنوں میں استعمال کیا ہے، جن معنوں میں قرآن حکیم نے طیب و طہارت اور تزکیہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں، اس لیے پاکیزگی کے لفظ کو ان تینوں الفاظ کے معانی و مفہوم کا قائم مقام سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ پاکیزگی کے مفہوم کو متعین کرنے کے لیے ہمیں پہلے ان تینوں الفاظ کے معانی و مفہوم کو سمجھنا ہوگا۔ سب سے پہلے لفظ طیب کے لغوی معانی پر غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ طیب چیز وہ ہوگی جو ظاہری اور باطنی اعتبار سے مکروہات اور نجائس سے پاک و صاف

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کے علاوہ پسندیدہ ، عمدہ ، مکمل اور سُرور انگیز ہوگی ۔ اس طرح مطہر اس چیز کو کہیں گے جو ہر طرح کی نجاست ، غلاظت اور میل کچیل سے پاک و صاف ہوگی ، اور لفظ تزکیہ میں کسی چیز کو پاک و صاف کرنے ، اس کی اصلاح کرنے اور اسے نشو و نما کرنے کے قابل بنانے کا مفہوم مضمر ہے ۔ یہاں اس امر کی صراحت کر دینا بھی بے محل نہ ہوگا کہ تزکیہ عام طور پر باطنی پاکیزگی اور تطہیر ظاہری پاکیزگی کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ ان الفاظ کی لغوی حیثیت پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اب ہم قرآن حکیم کی روشنی میں ان کے معنی و مفہوم کو متعین کرنے کی کوشش کریں گے ۔ چنانچہ اس لفظ طیب کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے :

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِىْٓ اُكُلَهَا
كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (ابرٰھیم ۱۴ : ۲۴ تا ۲۵) :

کیا تونے غور نہیں کیا کہ اللہ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے ، (جو) ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے ، اس کی جڑ مضبوط ہے ، اس کی شاخیں آسمان تک پھیلی ہوئی ہیں ، وہ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل دیتا ہے ، اور اللہ نوع انسانی کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ (ان حقائق کو) یاد کریں ۔

محولۂ بالا آیت میں لفظ طیب کی معنوی حقیقت کے جن پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے ، وہ مندرجہ ذیل ہیں :

۱ ۔ پاکیزہ بات کی مثال چونکہ شجرِ طیبہ کی سی ہے اور شجرِ طیبہ کے لغوی معنی پھل دینے اور نشو و نما پانے والے درخت کے ہیں ، اس لیے پاکیزہ بات میں پھلنے پھولنے اور سود مند نتائج پیدا کرنے کی فطری صلاحیت ہوگی ۔ اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعتبار سے وہ حیاتِ انسانی کے لیے رحمت اور اس کے
نشو و ارتقاء کا ایک بنیادی سبب ہوئی .

۲ - پاکیزہ بات بنیادی طور پر محکم اور اس کو ثبات لازم ہوگا .

۳ - پاکیزہ بات اصل کے اعتبار سے غیر متبدل اور ٹھوس تو ہوگی ، مگر اس میں ارتقائی قوتیں بھی ہوں گی ، جن کی وجہ سے اس میں علم و حکمت کی جو شاخیں پھوٹیں گی وہ ہمیشہ علو و رفعت کی طرف ترقی کریں گی .

۴ - اور یہ شاخیں قوانین فطرت کے مطابق ہمیشہ اچھے نتائج پیدا کریں گی .

ان حقائق کی رو سے ثابت ہوا کہ اساسی استحکام و ثبات ، مسلسل عمومی افادیت اور اعلیٰ ارتقائی صلاحیت پاکیزہ بات کی تین اہم صفات ہیں اور ان صفات کے بغیر کوئی فنی تخلیق پاکیزہ نہیں کہلا سکتی اور جب وہ پاکیزہ نہیں ہوگی تو ان صفات سے لازمی طور پر محروم ہوگی ، اس لیے وہ عبث اور بے کار ہوگی - پاکیزہ بات کے مفہوم کو واضح طور پر سمجھانے کے لیے قرآن حکیم نے اس کی ضد ، یعنی خبیث بات کی معنوی حقیقت کو بھی بے نقاب کر دیا ہے :

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ○ (ابرٰهیم ۱۴ : ۲٦) :

اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت کی سی ہے ، زمین کی سطح پر اس کی جڑ کھوکھلی ، جب چاہا اکھاڑ پھینکا ، اس کے لیے ثبات نہیں .

اس بات سے ثابت ہوا کہ ہر ناپاک فنی تخلیق بنیادی طور پر کھوکھلی ، عبث و بیکار اور بے ثبات ہوتی ہے ، اس لیے وہ سلبی قدروں کی حامل اور حیات انسانی کی حریف ہوتی ہے ، لیکن اس کے برعکس پاکیزہ بات میں چونکہ استحکام و ثبات پایا جاتا ہے اور مثبت قدروں کی حامل ہوتی ہے ، اس لیے جہادِ زندگی میں وہ انسان کی ثابت قدمی کا

toobaa-elibrary.blogspot.com

باعث بنتی ہے :

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ قف وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ (ابرٰهیم ۱۴ : ۲۷) :

اور ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ حیات دنیوی و اخروی دونوں میں محکم بات کے ساتھ (جہاد زندگی میں) ثابت قدم رکھتا ہے اور حد سے زیادہ گزرنے والوں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا کرتا ہے ۔

اس آیت میں انسان کو خصوصیت سے حقیقت کے اس پہلو کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ پاکیزہ بات ، یعنی پاکیزہ لٹریچر سے جویانِ حق کے ارادے میں مضبوطی و توانائی اور ان کے پائے ہمت میں استقلال و ثبات پیدا ہوتا ہے ، اس لیے یہ ارتقاے انسانیت کے ثبات و دوام کے لیے نہایت ضروری ہے ۔

عربی زبان کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِهٖ ، یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے ؛ اور یہ ہے بھی سچ - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہر پاکیزہ بات جس کی اصل حسن ہے ، سرچشمۂ حسن ہی کی طرف رجوع کرتی ہے :

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ط اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ط (فاطر ۳۵ : ۱۰) :

جو کوئی عزت چاہتا ہے تو عزت اللہ ہی کے لیے ہے ، اسی کی طرف پاکیزہ باتیں چڑھتی ہیں اور وہ عمل صالح کو بلند کرتا ہے :

پاکیزہ بات کا آخری ارتقائی مقام جب اللہ تعالیٰ ، یعنی حسن حقیقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوا تو اس کی عظمت و فضیلت کے فقیدالمثال ہونے میں شک و شبہہ کی قطعاً گنجائش نہیں ہو سکتی - اس تمام بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ پاکیزہ لٹریچر انسان کے ارتقاء اور اس کی فضیلت و بزرگی کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر معراج انسانیت کا وہ مقام نہیں حاصل کر سکتا ، جسے اصطلاح قرآنی میں مقام محمود[1] کے نام سے موسوم کیا گیا ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب دہم

۱- عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء ۱۷ : ۷۹) :

قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام پر پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب یازدہم

جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق

اس عالم زمان و مکان میں ہر جگہ قدرت کا قانون تزویج جاری و ساری ہے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کا جوڑا ، یعنی نر اور مادہ پایا جاتا ہے - اسی قانون تزویج کا اعجاز ہے کہ زوجین میں جذب و انجذاب کی متضاد قوتیں پائی جاتی ہیں ، اور ان قوتوں کے تعامل و تفاعل کے سبب ان میں باہمی کشش و جاذبیت یا محبت پائی جاتی ہے - اس قانون تزویج پر جمالیاتی نقطۂ نظر سے غور و فکر کرتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے کہ جس طرح ہر چیز اپنا زوج رکھتی ہے ، جس کی وجہ سے اس میں کشش و جاذبیت پائی جاتی ہے ، اسی طرح ہر چیز کا حسن اپنا زوج رکھتا ہے جو انسان کے نظام حواس و قلب میں ہوتا ہے - یہ اجمال تفصیل کا متقاضی ہے ۔

قدرت نے اس عالم رنگ و بو میں پھل پیدا کیے ہیں ، مثلاً آم - آم اپنے کئی عناصر ترکیبی سے مرکب ہوتا ہے ، جیسے وجود ، شکل و صورت ، رنگ و بو اور ذائقہ وغیرہ - ان میں سے ہر عنصر کے حسن کا زوج انسان کے مقام حواس و قلب میں ہوتا ہے ، جس کی وجہ سے وہ آم کو محسوس و معلوم کرتا اور اس سے لذت و حظ حاصل کرتا ہے - مثال کے طور سے اگر آم کی شکل و صورت اور رنگ ڈھنگ کا حسن انسان کے قلب و نگاہ میں نہ ہوتا تو آم کا وجود اس کے لیے مشہود و معتبر نہ ہوتا ۔

اب ہم آم کی خوشبو کو لیتے ہیں ، اگر حسن بو انسان کے قلب و شامہ میں نہ ہوتا تو وہ نہ تو اسے محسوس کرتا ، نہ پہچان سکتا اور نہ اس سے محفوظ ہی ہو سکتا - اسی طرح اگر آم کی لذت کا حسن اور اس کے وجود کے مادے کا حسن انسان کے قلب اور اس کی حس ذائقہ اور حس

toobaa-elibrary.blogspot.com

لامسہ میں موجود نہ ہوتا تو انسان نہ تو اس کی لذت سے حظ اٹھا سکتا اور نہ آم کے وجود کی لذت ہی اس پر مشہود ہوتی ۔

انسان کے اس نظام حواس و قلب کو جو کل موجودات کا جمالیاتی نظام ہے ، "جمالیاتی حس" سے تعبیر کرتے ہیں ۔ جمالیاتی حس تمام افراد نسل انسانی میں ودیعت کی گئی ہے ، اس اعتبار سے وہ عالمگیر ہے ۔ یہاں ایک عام جمالیاتی مغالطے (aesthetic falacy) کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ، جس کے رفع ہوتے ہی جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق میں جو فرق ہے ، وہ آشکار ہو جائے گا ۔

جمالیات سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب عموماً مجھ سے یہ سوال برنگ اعتراض پوچھتے ہیں کہ اگر دنیا کے تمام انسانوں میں جمالیاتی حس پائی جاتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کسی کو حسن ایک کی صورت پسند ہے تو دوسرے کو دوسری صورت مرغوب ہے ، نیز حسن آواز ، حسن رنگ اور حسن خطوط وغیرہ میں لوگوں کی پسند میں یہ اختلاف و تضاد کیوں پایا جاتا ہے ؟

یہ سوال چونکہ ایک جمالیاتی مغالطے کا نتیجہ ہے اور اپنی عمومیت کی وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے ، اس لیے پہلے اس کی صراحت کر دی جاتی ہے ۔

سوال یہ ہے کہ اگر جمالیاتی حس عالمگیر ہے اور ہر انسان کو حسن مرغوب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اہلِ مغرب کو مغربی موسیقی اور اہلِ مشرق کو مشرقی موسیقی پسند ہے ؟ دور کیوں جائیں خود پاکستان کے اندر مختلف علاقوں کے لوگوں کو مختلف قسم کی موسیقی اور اس کی دھنیں مرغوب ہیں ۔ کچھ لوگ ہیں جو کلاسیکی موسیقی کے دلدادہ ہیں اور اکثر ہیں جو ہلکی پھلکی موسیقی کو زیادہ پسند کرتے ہیں ۔

حسن نسوانی کے متعلق بھی لوگوں کی پسند میں اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے ۔ کوئی قوم نزاکت میں حسن کو مضمر سمجھتی ہے تو کوئی قوم تنومندی کو حسن کی ناگزیر صفت خیال کرتی ہے ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کو گلاب پسند ہے تو دوسرے کو موتیا ، کوئی سرخ رنگ کا دلدادہ ہے تو کوئی سیاہ رنگ پر جان دیتا ہے ، کوئی سمن کی خوشبو کا شائق ہے تو کسی کو حنا کی خوشبو

toobaa-elibrary.blogspot.com

مرغوب ہے ۔

مختصر یہ کہ حسن کی شکل و صورت ، قد و قامت ، رنگ و بو اور لذت و ذائقہ وغیرہ میں عالمگیر طور سے اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے ۔ جب یہ حقیقت ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس کی وجہ کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب خود اس کے اندر مخفی ہے ، اور وہ یہ ہے کہ انسان کے اپنے جمالیاتی ذوق میں اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے ۔ اس سے پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمالیاتی ذوق کیا ہے اور جمالیاتی حس اور اس میں فرق کیا ہے ؟

جمالیاتی حس قدرت کی طرف سے ایک بیج کی طرح ہر طبع انسانی میں ودیعت ہوتی ہے ۔ اندرونی اور بیرونی عوامل اس بیج کی نشو و نما کرتے رہتے ہیں ، مثلاً تعلیم و تربیت ، موروثی خصائص ، ریاض و مزاولت ، جغرافیائی خصائص ، آب و ہوا ، قومی و نسلی روایات وغیرہ ۔ نتیجۃً یہ بیج ترقی کرتے کرتے شجر برگ و بار کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ شجر تو جمالیاتی حس ہے اور اس کے برگ و بار کو جمالیاتی ذوق سے تعبیر کرتے ہیں ۔ شجر تو بہرحال شجر ہی رہتا ہے ، لیکن ہر ملک اور علاقے کے ان اندرونی اور بیرونی عوامل میں چونکہ اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے ، لہٰذا جمالیاتی حس کے شجر کے برگ و بار ، یعنی جمالیاتی ذوق میں بھی اختلاف و تنوع پایا جاتا ہے ۔

اگر جمالیاتی حس میں عالمگیر وحدت اور جمالیاتی ذوق میں عالمگیر اختلات و تضاد نہ ہوتا تو قدرت کی تخلیقات بھی صورت و شکل ، رنگ و بو ، قد و قامت ، خد و خط اور لذت و ذائقہ کے اعتبار سے مختلف اور گونا گوں نہ ہوتیں ، اور ان میں یہ جاذبیت و دل کشی اور نظر افروزی و سرور انگیزی بھی نہ ہوتی ۔

قانون تزویج کا یہ تقاضا تھا کہ قدرت نے ہر چیز کو حسین بنایا تو ہر انسان کو باطنی حس یا جمالیاتی حس عطا کی ، اس طرح اس نے اپنی تخلیقات کی شکل و صورت ، رنگ و بو ، قد و قامت وغیرہ کو مختلف اور گونا گوں بنایا تو انسان کے لیے جمالیاتی ذوق میں بھی اس نسبت سے اختلاف و تنوع پیدا کر دیا ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حسن اشیاء کا تو ہر انسان دلدادہ ہے اور وہ سب کی نظر کی ٹھنڈک ہے ، لیکن چیزوں کی شکل و صورت ، رنگ و بو ، قد و قامت ، خط و خال کے اعتبار سے افراد

toobaa-elibrary.blogspot.com

نسل انسانی کی پسند میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمالیاتی پسند کے اس اختلاف کے لیے میں نے جمالیاتی اختلاف کی تعبیر اختیار کی ہے۔

جہاں تک میری معلومات اور مطالعے کا تعلق ہے مغرب کے علماے جمالیات، جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق میں امتیاز نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں جو فرق پایا جاتا ہے اس سے وہ ابھی آشنا نہیں ہوئے۔ اگر ان کی نظر اللہ تعالیٰ کی آخری زندۂ جاوید کتاب پر ہوتی تو اس کی روشنی میں انھیں یہ فرق ضرور نظر آتا، اور وہ ان دونوں میں یقیناً امتیاز کرتے۔ جمالیاتی حس اور جمالیاتی ذوق کے فرق سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے کہ فلاسفہ اور علماے جمالیات جمالیاتی قدروں اور اخلاقی قدروں کو مطلق عالمگیر نہیں مانتے، بلکہ انھیں اضافی اور تغیّر پذیر خیال کرتے ہیں۔ اقدار کا تعلق جمالیاتی حس سے ہوتا ہے جو عالمگیر، مطلق اور غیر متبدل ہے، جمالیاتی ذوق سے نہیں ہے۔ مغرب کے علماے جمالیات اور فلاسفہ چونکہ جمالیاتی مغالطہ کے شکار ہیں، اس لیے وہ نہ تو جمالیاتی حس اور نہ جمالیاتی اقدار ہی کی مطلقیت و عالمگیریت کو معلوم کر سکے۔

بہرحال، یہ بات کہ دنیا کے ہر انسان کو حسن پسند ہے جمالیاتی حس کے وہبی و عالمگیر ہونے کی دلیل ہے۔ جمالیاتی حس اللہ تعالیٰ کا فیضان عام ہے۔ جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے وہ اس باطنی قوت کے ساتھ دنیا میں آتا ہے، لیکن حسن لطیف ہے اور اسے اپنی پیدائی کے لیے کثافت یا مادے کی حاجت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب وہ مادے میں ظہور کرتا ہے تو اس میں کثرت پیدا ہو جاتی ہے۔ کثرت میں اختلاف و تضاد اور بوقلمونی و تنوع پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے کائنات کی جملہ اشیاء کی شکل و صورت، رنگ و بو، قد و قامت، اور خط و خال میں بوقلمونی و تنوع اور اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ اس کثرت کا اعجاز ہے کہ اس دنیا میں لاکھوں، کروڑوں نہیں، اربوں انسان بستے ہیں، لیکن ہر فرد دوسروں سے مختلف شکل و شباہت رکھتا ہے۔ صرف ایک انگوٹھا لیجیے، آج تک کسی شخص کا انگوٹھا نہ تو دوسرے شخص جیسا ہوا ہے نہ ہوگا۔ اس میں اختلاف ضرور ہوتا ہے۔ انسان کو خَلق (=ظاہری صورت) کی طرح اس کے خُلق (باطنی صورت) میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس طرح بحیثیت انسان کے ہر فرد بشر کی شکل میں عالمگیر طور سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحدت پائی جاتی ہے ، جو اسے دیگر حیوانوں کے متمائز کرتی ہے ، اسی طرح بحیثیت انسان کے ہر فرد بشر کے خلق میں بھی وحدت پائی جاتی ہے ، جو انسان و حیوان میں مابہ الامتیاز ہے ۔ خلق کی وحدت انسان کی جمالیاتی حس کی عالمگیر وحدت پر اور خلق میں کثرت اس کے جمالیاتی ذوق کی عالمگیر کثرت پر دلالت کرتی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ اس وحدت و کثرت کے ظہور ہی میں زندگی کی تمام دلچسپیوں کا راز مضمر ہے ۔

جمال و جلال

جمال اور جلال ایک ہی حقیقت کے دو مظاہر ہیں ، اور وہ حقیقت ، حسن ہے ۔ اس لحاظ سے یہ دونوں حسن کی صفات ہیں ۔ موسیقی کی اصطلاح میں یہ ایک سر کے دو آہنگ ہیں ۔ ایک زیر سے مشابہ ہے تو دوسرا بم سے ۔ زیر و بم ہی سے آہنگ اور صورت حال میں غنایت پیدا ہوتی ہے ۔ جمال اور جلال دونوں حسن کے اجزائے لا ینفک ہیں ۔ ان میں سے جمال تو لطافت و نزاکت اور محبوبیت و رحمت کا مظہر ہے ، جب کہ جلال ہیبت و جبروت اور قہاری و عظمت کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ ہیں : اَللّٰہُ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَال (ارشاد نبوی ؐ) : اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو چاہتا ہے ۔ اور وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۚ (الرحمٰن ۵۵ : ۲۷) : اور صرف تیرے ربِ جلیل کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جمال اس کی ربوبیت و رحمت اور احسان و کرم کی صفات کا جب کہ جلال اس کی قدرت و عزت اور صمدیّت و عدل کی صفات کا مظہر ہے ۔

یہ عالم زمان و مکان ، جو اہل ذوق و نظر کے جمالیاتی مشاہدات کے لیے حسن کا ایک جہان بیکران ہے ، رنگ جمال و جلال سے مزین ہے ۔ ہر مخلوق کی تقدیر یہ ہے کہ وہ دو متضاد عناصر سے مرکب ہوتی ہے ۔ ایک آہنگ سے غنایت یا نغمگی اور ایک خط یا ایک رنگ سے تصوریت پیدا نہیں ہوتی ۔ وجہ یہ ہے کہ اس عالم کون و زمان میں قدرت کا قانون تزویج جاری و ساری ہے ۔ جس طرح اس قانون کی فعالیت کی وجہ سے قدرت کی ہر چیز کا جوڑا ہوتا ہے ، جسے نر اور مادہ کہتے ہیں ، اسی طرح حسن

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا بھی جوڑا ہے ، جسے جمال اور جلال سے تعبیر کر سکتے ہیں .

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ یہ کائنات حسین ہے ، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں توازن ہے - اس سے وہ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ توازن حسن مخلوق کی ایک ناگزیر شرط ہے - چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شعر ہو یا تصویر ، سر ہو یا تال اگر اس میں وزن نہیں تو وہ کچھ بھی نہیں ، اور اگر وزن ہے تو وہ شعر ہے ، تصویر ہے اور سرتال ہے - بہرحال ، کائنات اس لیے حسین ہے کہ اس میں وزن ، یعنی جمال و جلال کا توازن ہے .

اہل ذوق و نظر کے لیے یہ عالم زمان و مکان جمیل و جلیل صورتوں اور مناظر کا ایک دلکش و نظر افروز مرقع ہے - اس میں جلال کے چند ایک نمونے یہ ہیں :

عالم جمادات میں : کوہ گران ، بحر ذخار ، تند رو دریا ، بڑی بڑی آبشاریں ، بڑے بڑے لق و دق صحرا ، وغیرہ .

عالم نباتات میں : عظیم جنگلات ، بڑے بڑے تناور درخت وغیرہ .

عالم حیوانات میں : خونخوار درندے ، مثلاً شیر ، چیتا ، بھیڑیا ، ریچھ وغیرہ - عظیم‌الجثہ بہائم ، مثلاً ہاتھی ، بھینسا ، دریائی جانوروں میں مگرمچھ ، ویل مچھلی وغیرہ .

طیور میں : شکاری پرندے ، مثلاً عقاب ، باز ، شاہین ، نیز شتر مرغ وغیرہ .

عالم انسانیت میں : مرد .

اور

عالم زمان میں : دن

اب ہم اس میں جمال کے چند ایک نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

عالم جمادات میں : نہریں ، کاریزیں ، چھوٹے چھوٹے چشمے اور ندیاں ، قیمتی پتھر وغیرہ .

عالم نبات میں : مرغزار ، نخلستان ، باغات ، چمن شجر و گل ، سبزہ وغیرہ .

toobaa-elibrary.blogspot.com

عالم حیوانات میں : مویشی جیسے گائے ، بھینس ، بھیڑ بکری ، نیز ہرن او اس قسم کے دیگر پالتو جانور .

طیور میں : بلبل ، فاختہ ، طوطی ، مینا ، طاؤس ، زاغ و زغن اور اس قسم کی چڑیاں .

عالم انسانیت میں : صنف نازک یا عورت .

عالم زمان میں : رات .

حسن کی دلکشی و جاذبیت اور نظر افروزی و سرور انگیزی کا ایک سبب یہ ہے کہ اس میں جمال و جلال کے دو ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جو رنگ تخالف و تضاد سے مزین ہیں - مغرب کے علمائے جمالیات ، مثلاً لون جائنسس ، برک ، کیمز اور کانٹ ، جنھوں نے خصوصیت سے "جلال" کو موضوع فکر و نظر بنایا ہے ، اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ جلال (sublime) حسن (beauty) ہی کی ایک صفت ہے ، جس طرح کہ جمال ہے - انھوں نے جلال اور حسن میں امتیاز کرنے کی ناکام کوشش کی ہے - میرے نزدیک ان کے اس فکری مغالطے کی دو وجوہ ہیں : اولاً یہ کہ مغربی زبانوں میں عربی کی طرح حسن کی صفت "جمال" کے لیے کوئی لفظ نہیں - اس کا نتیجہ ہے کہ وہ جمال اور حسن میں کوئی تمیز نہیں کرتے اور نہ یہ معلوم ہی کر سکتے ہیں کہ جمال بھی جلال کی طرح حسن کی ایک صفت ہے .

ثقافت کے کمال کا راز یہ ہے کہ اس میں جمال و جلال ایک متوازن تناسب سے موجود ہوں - اس میں جلال کی قوت تسخیر بھی ہو اور جمال کی رحمت و محبوبیت بھی - قرآن مجید نے مومنوں ، یعنی اسلامی نقطۂ نظر سے انتہائی ثقافت یافتہ (cultured) انسانوں کی ایک صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے اہل حسن و محبت سے تو رحمت و احسان کے ساتھ پیش آتے ہیں ، لیکن حسن و حق کے دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لیے اپنے جلال ، یعنی قوت و جبروت کا مظاہرہ کرتے ہیں (الفتح ۴۸ : ۲۹) .

جلال کے مشاہدے سے انسان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور قوت و جبروت کا شعور بیدار ہوتا ہے ، جو اسے متقی بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے - اسی طرح مشاہدۂ جمال سے انسان میں اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکران اور الوہیت کا شعور جاگ اٹھتا ہے اور اس سے اس کے جذبۂ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبودیت کو زبردست تحریک ہوتی ہے ۔ علاوہ بریں اس سے انسان کو اس حقیقت کا حسن یقین ہو جاتا ہے کہ فقط ایک حسن حقیقی ہی اس کا حقیقی اِلٰہ (یعنی معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود) ہے ، اور اس وجہ ہی سے انسان اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتا اور اس کی بارگاہ میں تشکر و امتنان کے جذبات کا اظہار کرتا ہے ۔

اسلام میں اسی لیے مشاہدہ جمال و جلال پر بجا طور سے بہت زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ اللّٰہ تعالیٰ کا حسن چونکہ صفات جمال و جلال کا ایک بے مثال مظہر ہے ، اس لیے پیغمبر اعظم و آخر صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ نماز اس طرح پڑھنی چاہیے کہ جیسے نمازی اللّٰہ تعالیٰ کا مشاہدہ کر رہا ہو ، اگر یہ سعادت حاصل نہ ہو تو پھر یہ تصور کرے کہ اللّٰہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے ، اور یہ "احسان" ہے (بخاری و مسلم) - احسان کو اس اعتبار سے حسن عبادت یا روح عبادت سے تعبیر کر سکتے ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ حسن حقیقی کا مشاہدہ یا تصور انسان کو عبودیت کے ارفع ترین مقام پر پہنچا دیتا ہے ، جو قرب و حضور اور وصل و دید کا مقام محمود ہے ۔

جمالیاتی حظ

اس کی عمومی اور ابتدائی تعریف تو اس طرح کی جا سکتی ہے کہ "جمالیاتی مشاہدے" سے انسان کو جو خالص مسرت حاصل ہوتی ہے ، اسے جمالیاتی حظ کہتے ہیں ۔ قرآن مجید نے جمالیاتی حظ کے صحیح و جامع معانی و مفہوم سے ہمیں آگاہ کرنے کے لیے اس کے لیے متعدد تعبیرات اختیار کی ہیں ، مثلاً مسرت (= فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ۝ البقرۃ ۲ : ۶۹) ؛ نضرت و سرور (وَ لَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ۝ الدھر ۷۶ : ۱۱) ؛ لذت چشم (تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ... الزخرف ۴۳ : ۷۱) ؛ حیرت دل (اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ ... الاحزاب ۳۳ : ۵۲) ؛ آنکھوں کی ٹھنڈک (قُرَّةَ اَعْيُنٍ ... الفرقان ۲۵ : ۷۴ و السجدۃ ۳۲ : ۱۷) ۔ ان تعبیرات قرآنی کی مدد سے اب ہم جمالیاتی حظ کی ایک جامع تعریف کرنے کے قابل ہوئے ہیں : "جمالیاتی حظ اس کیف پرور

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور لذت انگیز سرور سے عبارت ہے، جو جمالیاتی مشاہدے سے حاصل ہو، اور اس سے دل کو تازگی، فرحت، طمانیت اور ٹھنڈک پہنچے".

اس تعریف میں ہر لفظ اپنا ایک خاص مقام اور مفہوم رکھتا ہے، لہٰذا ان الفاظ کی فرداً فرداً مجملاً صراحت کر دی جاتی ہے.

۱- **کیف** : جمالیاتی مشاہدے میں استعجاب یا حیرت کا عنصر پایا جاتا ہے، جو جمالیاتی حظ میں کیف پیدا کر دیتا ہے۔ کیف دراصل جمالیاتی استعجاب یا حیرت کا ثمرہ ہوتا ہے.

۲- **لذت** : حسّی جمالیاتی تقاضے کی تسکین پر دلالت کرتی ہے.

۳- **نضرت یا تازگی** : اس سے مراد دل کی مسرت کے وہ خارجی اثرات ہیں جو انسان کی آنکھوں میں اور چہرے پر ہویدا ہوتے ہیں۔ حسن کے سرورانگیز اہتزاز یا اثرات کے سبب غنچۂ دل شگفتہ و شاداب ہو جاتا ہے تو اس سے انسان کی آنکھوں میں چمک، ٹھنڈک اور چہرے میں تازگی و شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے، جسے نضرت کہتے ہیں.

۴- **فرحت** : اس سے مراد دل کی حالت بسط و کشاد ہے، یعنی دل کا احساس کشادگی و آزادی.

۵- **طمانیت** : سلبی طور سے خوف و حزن کے اثرات دل سوز، یعنی اضطراب و بے قراری اور یاس و حسرت اور احساس خطر کے فقدان پر، اور ایجابی لحاظ سے دل کی اصل حالت سکینت و قرار اور اطمینان و دلجمعی پر دلالت کرتی ہے.

۶- **سرور یا مسرت** : اس سے طمانیت کی ارفع و اعلیٰ کیفیت مراد ہے۔ کسی خوش خبری یا حسن نظارہ سے دل میں کیف پرور اہتزاز پیدا ہو جائے، اور اس میں بیم و یاس اور حزن و ملال کی تاریکیاں چھٹ جائیں، نیز اس میں امید و طرب کی شمع روشن ہو جائے تو اس کیفیت کو مسرت یا سرور سے تعبیر کرتے ہیں.

۷- **ٹھنڈک** : سرور کی ارفع و اعلیٰ کیفیت کو کہتے ہیں۔ خوف و حزن سے اگر دل میں جاں سوز آگ لگتی ہے اور اسے بے قرار و مضطرب کر دیتی ہے تو سرور سے دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ ٹھنڈک خالص جمالیاتی حظ سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے کمال پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے لیے میں نے "جمالیاتی خنکی" کی تعبیر اختیار کی ہے.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس تعریف کی رو سے جمالیاتی حظ کی ایک ناگزیر پیش شرط جمالیاتی مشاہدہ ہے ۔ مشاہدہ اگر خالص جمالیاتی نہیں ہوگا تو اس سے خالص جمالیاتی حظ بھی حاصل نہیں ہوگا ۔ جمالیاتی مشاہدے میں اگر جنسی یا کوئی اور عنصر شامل ہو جائے تو وہ ''خالص'' نہیں رہتا ، اور اس کے نتیجے سے جمالیاتی حظ میں دوسرے عناصر کی آمیزش ہو جاتی ہے ، اور وہ ''خالص'' نہیں رہتا ، اور اس طرح اس کی کیفیت و کمیت میں فرق پڑ جاتا ہے ۔ اگر فرائڈ کے مکتب فکر کی یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ جمالیاتی مشاہدے میں جنسی عنصر شامل ہوتا ہے تو یہ عموماً پس منظر میں ہوتا ہے .

جمالیاتی لمحات

آرزوے حسن انسان کا فطری یا طبعی خاصہ ہے ، گو یہ اور بات ہے کہ نفس کی خواہشات اس پر غلبہ پا لیتی ہیں تو وہ پس منظر میں چلی جاتی ہے ۔ خواہشات نفسانی جتنی گراں بار ہوتی ہیں آرزوے حسن اتنی ہی زیر بار ہوتی ہے ۔ جو لوگ نفس امارہ سے مغلوب ہو کر اس کے مطیع و فرماں بردار ہو جاتے ہیں ، ان میں آرزوے حسن کی حالت اس دانۂ روئیدہ کی طرح ہوتی ہے جو زیر سنگ گراں بار ہو ۔ انسان کی یہ آرزوے حسن اس کی فطرت کا جزو لا ینفک ہے ، اور انسان جب تک زندہ ہے وہ زندہ رہتی ہے ۔ حیات انسانی اور آرزوے حسن لازم و ملزوم ہیں ، لہٰذا حیات اخروی میں بھی انسان میں یہ آرزوے حسن اس کے ارتقاے مسلسل اور اصل جمالیاتی مشاہدے کی وجۂ حقیقی بنی رہے گی .

انسان کے جرم و گناہ اور ظلم و جہل کا ایک بنیادی سبب اس کی آرزوے حسن کا اس کی نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو جانا ہے ، لیکن آرزوے حسن نفسانی خواہشات کے بار گراں کے نیچے تڑپتی تو رہتی ہے ، لیکن مرتی نہیں بلکہ زندہ رہتی ہے ، اور اس سے رہائی پانے کی اسے طلب و جستجو رہتی ہے ۔ اس کی مثال اس مواد صدف ایسی ہے جو ابر نیساں کے ایک قطرے کا منتظر رہتا ہے اور جوں ہی وہ قطرہ اسے حاصل ہوتا ہے وہ زندہ و تابندہ گوہر بن جاتا ہے ۔ بالکل اسی طرح آرزوے حسن دل کی گہرائیوں میں ابر حسن بار کے ایک قطرے کی منتظر رہتی ہے ، اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

جوں ہی وہ قطرہ اسے حاصل ہوتا ہے ، اس میں ایسی قوت حیات پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ نفسانی خواہشات کے دبیز پردوں کو توڑ کر اور اس کے بارگراں کو ہٹا کر پیش منظر میں آ جاتی ہے اور نفس امّارہ کو مغلوب و محکوم بنا لیتی ہے - یہ وہ سارا مرحلہ ایک لمحے میں سر کر لیتی ہے ، جس کے لیے میں نے ''جمالیاتی لمحے'' کی تعبیر اختیار کی ہے ۔

جمالیاتی لمحہ ایک حسین انقلاب پر دلالت کرتا ہے جس سے آرزوے حسن زندہ و بیدار ہو جاتی ہے اور انسان خواہ کتنا ہی ظالم و جاہل اور مجرم و گناہ گار ہو ، وہ اپنی اصل حسین حالت پر لوٹ آتا ہے ، اور وہ محسن و صالح بن جاتا ہے - کتب سیر میں ہم نے بارہا پڑھا ہے کہ فلاں شخص دفعۃً ''چور سے قطب'' ، ظالم سے عادل ، گناہ گار و مجرم سے صالح و محسن بن گیا - اس کی وجہ حقیقی جمالیاتی لمحہ ہے ۔

یہاں پہنچ کر قدرتی طور سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمالیاتی لمحہ پیدا کیسے ہوتا ہے - اس کا جواب ایک لفظ میں دینا ہو تو وہ ہے ''حسن''۔ حسن کے ذکر سے اور اہل حسن و محبت کی بزم میں جمالیاتی لمحے کے پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے ، اسی لیے یہ مقولہ زبان زد عام و خاص ہے :

صحبت صالح ترا صالح کند　　صحبت طالح ترا طالح کند

ایک حدیث طیبہ میں ہے کہ ''عالم (جو اہل حسن و محبت ہو) کی صحبت میں بیٹھنا ہزاروں برسوں کی عبادت سے افضل ہے'' - اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے علماء کی صحبت ، حسن و محبت کی جنت ہوتی ہے ، جہاں ان انوار حسن کی بارش ہوتی ہے ، جس کے ایک قطرے سے آرزوے حسن انقلاب و قوت حیات حاصل کرتی ہے ، اور انسان کو اہل حسن و محبت بنا دیتی ہے - یہ اہل حسن و محبت ہیں جو ''عبدیت'' کے مقام محمود پر فائز ہوتے ہیں اور یہی حسن مآب یا جنت کے وارث ہیں ۔

قرآن مجید خداے حی و قیوم کا زندہ و ناطق کلام ہے - انسان جب اسے خالی الذہن ہو کر حسن نیت سے اس پر غور و فکر کرتا یا اسے سنتا ہے تو نفس الٰہی کے اعجاز سے اس میں جمالیاتی لمحہ پیدا ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے - ایسے جمالیاتی لمحے کی بدولت ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قلب ماہیت ہوئی تھی ، اور ان میں ایسا حسین نفسیاتی انقلاب آیا تھا کہ ان کی زندگی قوت ایمان اور عدل و احسان کا بے مثال نمونہ بن گئی ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

المیہ میں بھی جمالیاتی لمحہ پیدا کرنے کی استعداد ہوتی ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے وقتی طور پر ہی سہی دل کی قساوت و شقاوت دور ہو کر اس میں رقت و گداز پیدا ہوتا ہے ۔ اگر ایسے موقع پر آرزوئے حسن کو ابھرنے کا اور پس منظر سے پیش منظر میں آنے کا موقع مل جائے اور اس میں اتنی توانائی حیات پیدا ہو جائے جس سے وہ نفس امارہ مغلوب کر سکے تو اس کی ماہیت قلب ہو جاتی ہے اور اس میں حسین انقلاب آ جاتا ہے ۔

خشوع و خضوع ، آہ و فغان ، گریہ و زاری اور توبہ و استغفار میں بھی جمالیاتی لمحات پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے ۔ علاوہ ازیں ، مریضوں کی جذبۂ غمگساری کے ساتھ عیادت کرنے اور قبرستانوں کو اپنی منزل اول سمجھ کر ان کی زیارت کرنے سے بھی دل میں جمالیاتی لمحہ پیدا ہونے کے امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ۔

نماز میں قرب و حضوری کے موقع پر انوار کی جو بارش ہوتی ہے اس سے بھی جمالیاتی لمحات پیدا ہوتے ہیں ، اس سے یاد آیا کہ یہ جو روایت ہے کہ لیلۃ القدر میں ایک ایسی گھڑی ہے جس میں ہر دعا قبول ہو جاتی ہے تو اس سے دراصل جمالیاتی لمحہ ہی مراد ہوتی ہے ۔ جس لمحے میں انسان کا قلب ، اس کی دنیا اور آخرت سب حسین بن جائیں تو وہ ایک لمحہ ہزاروں برس سے افضل و بہتر نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا اور اس سے بہتر اور کون سی دعا ہو سکتی ہے ؟

بعض مذاہب میں اور اسلام میں بھی تصوف کا ایک مکتب فکر موسیقی کو جمالیاتی لمحات پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں ۔ تجربہ بتاتا ہے کہ حسن آواز میں یقیناً لمحاتی لمحات پیدا کرنے کی تأثیر ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب دوازدہم

حسن اور فن

فن کی تعریف : حسن ، حقیقت مجردہ ہونے کے سبب اپنے اظہار و نمود کے لیے شکل و صورت کا محتاج ہے اور حسن کو ارادۃً کسی شکل و صورت میں ظاہر کرنے کے ہنر کو فن کہتے ہیں ۔ اس تعریف کی رو سے ہر فنی تخلیق کا حسین ہونا ناگزیر ہوا ، جیسا کہ خالق حقیقی کی ہر ارادی تخلیقی فعلیت کے نتیجے سے ظاہر و ثابت ہے ، کیونکہ اس کی ہر فنی تخلیق حسین ہے :

الَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (السجدة ۳۲ : ۷) :

وہ باری تعالیٰ ہے جس نے جو چیز بنائی حسین بنائی .

اور

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ (النحل ۱۶ : ۵ تا ۶) :

اور دیکھو ، اس نے چار پائے پیدا کیے ، ان میں (یعنی ان کی کھال اور اُون میں) تمھارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے ، نیز طرح طرح کے فائدے اور انھیں میں ایسے جانور بھی ہیں ، جن کا گوشت تم کھاتے ہو اور دیکھو ، (انھیں اس طرح پیدا کیا کہ) ان میں تمھاری نظر کے لیے حسن پیدا ہو گیا ہے ، جب شام کے وقت انھیں (میدانوں سے چرا کر واپس لاتے ہو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور جب صبح کو (میدانوں میں) چھوڑ دیتے ہو .

اور

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ط

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ o (النحل ۱۶ : ۸) :

اور (دیکھو) گھوڑے ، خچر اور گدھے پیدا کر دیے ہیں کہ ان سے سواری کا کام لو اور ویسے ان میں خوشنمائی اور زیبائی بھی ہے اور بہت سی چیزیں ایسی بھی پیدا کرتا ہے جن کی تمھیں خبر نہیں .

باری تعالیٰ کی ہر فنی تخلیق چونکہ حسن و خوبی کا بے مثال شاہکار ہے اس لیے قرآن حکیم نے اسے "اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ" کہا ہے :

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ o (المؤمنون ۲۳ : ۱۴) :

چنانچہ کتنی با برکت ذات ہے اللّٰہ تعالیٰ کی جو فن کاروں میں بہترین فن کار ہے .

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ حسن اور فن کا تعلق ناگزیر ہے اب ہم فنی تخلیق کی اہم خصوصیات کو معلوم کرنے کی کوشش کریں گے - چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ فنی تخلیق چونکہ حسین ہوگی اس لیے وہ ذوق نظر کی تسکین کا سامان بھی ہوگی ، جیسا کہ باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کا شاہکار جنت ہے :

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ج

(السجدة ۳۲ : ۱۷) :

چنانچہ کسی متنفس کو بھی اس بات کا علم نہیں کہ اس کے لیے آنکھ کی ٹھنڈک کا کون سا سامان (یعنی جنت) پوشیدہ رکھا گیا ہے .

ظاہر ہے جو چیز نظر کی ٹھنڈک ہوگی وہ لذت بخش و سرور انگیز بھی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ضرور ہوگی :

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ (الزخرف ۴۳ : ۷۱) :

اور اس میں (یعنی جنت میں) وہ نعمتیں ہیں جن کی نفوس انسانی کو خواہش ہوتی ہے اور جن سے آنکھیں لذت حاصل کرتی ہیں ، اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے .

فن کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ارادہ اور مقصد پایا جاتا ہے ، لہذا جو چیز کسی ارادہ اور مقصد کے بغیر معرض ظہور میں آئے گی ، وہ فنی تخلیق کہلانے کی مستحق نہیں ہوگی ، بلکہ اسے شعبدہ بازی ، کھیل ، تماشا وغیرہ ناموں سے موسوم کریں گے ، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ہر تخلیقی فعلیت میں ارادہ پایا جاتا ہے :

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (یٰسٓ ۳٦ : ۸۲) :

جب وہ کسی شے (کی تخلیق کا) ارادہ کرتا ہے تو اس کا صرف یہی حکم ہوتا ہے کہ بن جا ، چنانچہ وہ شے بن جاتی ہے .

اور باری تعالیٰ چونکہ احسن الخالقین ہے اس لیے اس کی تخلیقی فعلیت محض تفنن طبع یا کھیل تماشے کے لیے نہیں ہوتی :

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ (الدخان ۴۴ : ۳۸) :

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو بھی ان کے درمیان ہے محض کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا .

بلکہ اس کی تخلیقی فعلیت میں دائمی مقصدیت اور مستقل آفاقی افادیت پائی جاتی ہے ، جسے اصطلاح قرانی میں ”تخلیق بالحق“ سے تعبیر کیا

toobaa-elibrary.blogspot.com

جاتا ہے :

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(الدخان ۴۴ : ۳۹) :

اور ہم نے ان کو (یعنی کائنات کی تمام اشیاء کو) بجز عالمگیر صداقت ، دائمی مقصدیت اور آفاقی افادیت کے پیدا نہیں کیا .

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے نفسیاتی احوال و ظروف اور خلقت کائنات پر غور و فکر کرتے ہیں ، وہ فطرۃً اس واقعیت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ جہاں انفس و آفاق اور اس کی کوئی شے بھی لا یعنی ، بے مقصد اور بے فائدہ نہیں :

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ لا الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران ۳ : ۱۹۰ تا ۱۹۱) :

بلاشبہ زمین اور آسمانوں کی خلقت میں اور رات دن کے ایک کے بعد ایک آتے رہنے میں ارباب دانش کے لیے (حقیقت کو سمجھنے کی) بہت نشانیاں ہیں - وہ ارباب دانش اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہرحال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور اس ذکر و فکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں اور بے اختیار پکار اٹھتے ہیں اے پروردگار ! یہ سب کچھ جو تو نے پیدا کیا ہے سو بلاشبہ بیکار و عبث نہیں پیدا کیا ہے ، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے ، خدایا ! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

شرائط فن : اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہر فنی تخلیق کے لیے مفصلہ ذیل چار شرائط کو پورا کرنا لازمی ہے :

(۱) فن کار کی شعوری اور ارادی تخلیقی فعلیت کا حاصل ہو .

(۲) حقیقت ، یعنی عالمگیر صداقت ، دائمی مقصدیت اور مستقل آفاقی آفادیت کی آئینہ دار ہو .

(۳) حسین و سرور انگیز ہو .

(۴) انسان کے ہاتھ کی بنی ہوئی ہو ، مشینوں کی مرہون منت نہ ہو .

فن کی یہ شرائط چونکہ بہت اہم ہیں ، اس لیے ان کی وضاحت کر دینا مناسب ہو گا .

فن کی پہلی شرط کا مطلب یہ ہے کہ فن کار جہاں انفس و آفاق کے حقائق ، یعنی نفسیات انسانی اور کائنات کے حقائق کی سوجھ بوجھ رکھتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ کیوں اور کس مقصد کی خاطر کسی چیز کی تخلیق کر رہا ہے .

فن کی دوسری شرط حقیقت ہے اور اس لفظ کے مفہوم میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے ، عالمگیر صداقت ، دائمی مقصدیت اور مستقل آفاقی افادیت مضمر ہے ۔ یہ الفاظ چونکہ اپنے اندر معانی کے دفاتر لیے ہوئے ہیں ان پر فرداً فرداً روشنی ڈالنا ضروری ہے ۔ عالمگیر صداقت سے مقصود واقعیت کا صحیح اور جامع اظہار ہے ۔ اس اعتبار سے فن کار کے لیے واقعیت کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کرنا ضروری ہوا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہی فنی تخلیق صداقت کی آئینہ دار ہو گی ، جو واقعیت کی صحیح اور مکمل مظہر ہوگی اور واقعیت سے مراد جہاں انفس و آفاق کے واقعات کی ہمہ گیری ، آفاقیت اور صحت ہے ۔ اس اعتبار سے فن کے لیے ضروری ہوا کہ وہ صرف ان واقعات کو معرض اظہار میں لائے جو ہر زمان و مکان میں مستقل دوامی حیثیت رکھتے ہیں ، اس لیے اسے ان واقعات سے جو وقتی اور عارضی حیثیت رکھتے ہیں بے تعلق اور بے نیاز رہنا چاہیے ۔ فن کی مقصدیت سے مراد یہ ہے کہ فن ، فضول ، عارضی اور بے ثبات مقاصد کے لیے نہیں بلکہ اعلیٰ ، مستقل اور غیر متبدل مقاصد کی خاطر معرض وجود میں آیا ہے اور اس کی یہ خصوصیت ہی اسے صحافت سے جدا کرتی ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وجہ یہ ہے کہ صحافت ہر عارضی اور تغیر پذیر مقصد کی برآوری کے لیے مخصوص ہے ۔ اسی طرح عالمگیر افادیت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ فن چونکہ مستقل مقاصد کے لیے مخصوص ہے اس لیے اس کے فوائد کی حیثیت بھی عارضی اور تغیر پذیر نہیں بلکہ دائمی اور آفاقی ہے ، یعنی اس کا مقصد ہر زمان و مکان کے انسان کو فائدہ پہنچانا ہے ۔ چنانچہ فن کی افادیت کو رنگ و نسل اور زبان و قومیت کے قفسوں میں مقید نہیں کیا جا سکتا .

فن کی تیسری شرط اس کا حسن اور صلاحیتِ سرور انگیزی ہے ۔ ظاہر ہے جو شے حسین ہوگی وہ جمالیاتی حس کی تشفی ضرور کرے گی ، اس لیے جو چیز حسین اور سرور انگیز نہیں ہوگی ، وہ ہرگز فنی تخلیق کہلانے کی مستحق نہیں ہوگی .

فن کی چوتھی شرط ہے کہ فنی تخلیق ہاتھ کی بنی ہوئی ہو اور یہ چیز فن اور صنعت میں وجہ امتیاز ہے ۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی انگلیوں کی نفاست کا کوئی مشین یا آلہ نہ تو آج تک مقابلہ کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر ہی سکے گا .

"تخلیقی فعلیت کی تکنیک (یا اسلوب فن کاری)"

یہ واقعیت معلوم کر لینے کے بعد کہ باری تعالیٰ کا ہر پیکر تخلیق حسین ہے ، انسان کے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تخلیقات خداوندی میں حسن کیسے اور کیوں کر پیدا ہوتا ہے ؟ تاکہ وہ بھی اپنی فنی تخلیقات کو حسین بنانے کا گر یا تکنیک سیکھ لے ۔ قرآن حکیم اس سوال کا یہ جواب دیتا ہے کہ باری تعالیٰ نے جس تکنیک سے وجود انسانی کو بنایا اور مصور و متشکل کیا ہے ، وہ تکنیک ہر فنی تخلیق میں جمالیاتی قدریں پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے :

یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ (الانفطار ۸۲ : ۶ تا ۸) :

اے انسان ! تجھے کس چیز نے اپنے کرم کرنے والے پروردگار

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے بارے میں دھوکا دیا (کہ وہ تیری مادی اور روحانی زندگی کی تکمیل نہیں کرے گا حالانکہ واقعہ ہے کہ) اس نے تیری تخلیق کی ، پھر تیرے (عناصر) میں تناسب و ہم آہنگی حد کمال تک پیدا کی ، پھر (تیری خصلتوں میں) اعتدال ملحوظ رکھا ، اس کے بعد جس صورت میں چاہا تیری تشکیل کر دی .

اور

وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ٥ (الفرقان ۲۵ : ۲) :

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ، اس میں صحیح تناسب اور وزن ملحوظ رکھا .

اور

مِنْ نُّطْفَةٍؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ لا (عبس ۸۰ : ۱۹) .

اور اسے نطفے سے پیدا کیا ، پھر اس میں تناسب اور وزن ملحوظ رکھا -

اور

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ٥ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥ (الحجر ۱۵ : ۲۸ تا ۲۹) :

اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں بشر کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ، پیدا کرنے والا ہوں - پس جب میں اس (کے عناصر) میں مناسبت و ہم آہنگی پیدا کر دوں اور اس میں اپنی روح سے پھونک دوں ، تو تم اس کے لیے سجدے میں گر پڑنا .

محولہٗ بالا آیات میں تخلیقی فعلیت کے چھے ارتقائی مدراج بتائے گئے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں اور یہ خالق حقیقی کی تکنیک کے ناگزیر عناصر ہیں :

اول : تخلیق دوم : تسویہ

سوم : تعدیل چہارم : تعیینِ اقدار

پنجم : ترکیبِ صوری ششم : انفاخِ روح

اس تکنیک کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے ان تمام مدارج پر فرداً فرداً بحث کی جاتی ہے ۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم تخلیق کے مرحلے کو لیتے ہیں ۔ تخلیق کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے اس امر کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ پیش نظر آیات میں تخلیق سے مراد "تخلیق مکمل" نہیں جو عام طور پر اس لفظ کے معنی سمجھے جاتے ہیں بلکہ اس سے قرآن حکیم کی مردا ہیولیٰ یا خاکہ ہے ۔ بالفرض اگر تخلیق سے ایسی شے مراد ہے جو شکل و صورت کے اعتبار سے مکمل ہے تو پھر تسویہ، تعدیل اور ترکیب صوری کے تمام مرحلوں کو غیر ضروری اور عبث قرار دینا ہوگا ۔ ظاہر ہے اس قسم کا تصور کرنا بھی باری تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے ۔ بہر حال ہم لفظ تخلیق کے مفہوم کو قرآن حکیم ہی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ سورۃ التغابن میں اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر کیا ہے :

> خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ (التغابن ۶۴ : ۳) :
>
> اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق دائمی افادی مقصدیت کے لیے کی ہے ۔

ظاہر ہے کہ آسمان اور زمین دونوں اپنی اصل کے اعتبار سے خاکے ہیں کیونکہ ان کی اپنی کوئی باقاعدہ شکل و صورت نہیں ۔ مثال کے طور پر ہم پہلے آسمان کو لیتے ہیں اور مشاہدہ انسانی گواہ ہے کہ ایک بے صورت پہنائی یا خاکہ یا کینوس ہے، جس کی تزئین چاند سورج اور ستاروں ایسے خوشنما نقش و نگار سے کی گئی ہے :

> وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (الملک ۶۷ : ۵) :
>
> اور بلاشبہہ ہم نے اس دنیا کے آسمان کو قندیلوں سے مزین کیا ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ٥ (الصّٰفّٰت ۳۷ : ٦) :

بلاشبہہ ہم نے اس دنیا کے آسانوں کو ستاروں کے حسن سے مزین کیا ہے .

اور

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ٥ (نوح ۷۱ : ۱٦) :

اور ہم نے ان (آسانوں) میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا .

ان آیات سے ثابت ہوا کہ آسان محض ایک خاکہ ہے اور تخلیق سے مراد متشکل وجود نہیں ، خاکہ ہے .

تخلیق سے قرآن حکیم چونکہ خاکہ مراد لیتا ہے ، اس لیے اس نے زمین کو فرش اور بساط کہا ہے :

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءًص ٥ (البقرۃ ۲ : ۲۲) :

وہ پروردگار جس نے تمھارے لیے زمین فرش کی طرح بچھا دی اور آسان کر چھت بنابا .

اور

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا لا (نوح ۷۱ : ۱۹) :

اور اللہ نے تمھارے لیے زمین چٹائی کی طرح بچھا دی .

ان آیات میں زمین کو فرش اور آسان کو چھت اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں اس مرقع کائنات کے خاکے ہیں اور ان میں سے ایک خاکہ اگر اجرام فلکی سے مزین ہے تو دوسرا خاکہ پہاڑوں ، دریاؤں ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

پھلوں پھولوں سے آراستہ ہے :

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ط وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥ (الرعد ۱۳ : ۳) :

اور وہ (خالق حقیقی) ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے بنائے ، وہ دن پر رات کا پردہ ڈالتا ہے .

مصور جس طرح ایک بیرنگ خاکے پر کوئی تصویر کھینچتا ہے تو خاکے کی زینت بن جاتی ہے ، اسی طرح زمین کا بے رنگ خاکہ باری تعالیٰ کے بیکرانِ تخلیق سے مزین ہے :

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا (الکہف ۱۸: ۷) :

جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کے لیے آرائش و زینت کا سامان بنایا ہے .

اس بحث سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ قرآن حکیم کی رو سے تخلیق کے معنی خاکہ یا خاکہ تیار کرنے کے ہیں اور یہ فاطر ہستی کی تخلیقی فعلیت کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے .

اب ہم تخلیق کے احوال و مدارج معلوم کرنے کی کوشش کریں گے - چنانچہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ باری تعالیٰ کے قانون تخلیق کی اصل ایک عالمگیر وحدت ہے اور یہ عالمگیر وحدت تخلیق انسانی میں بھی کار فرما ہے جو تمام اشیاء کی خلقت کا نقطۂ عروج ہے :

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (الزمر ۳۹ : ۶) :

تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا .

ہر شے کی تخلیق کا قانون بیشک ایک ہے ، لیکن ہر شے کی تخلیق کے احوال و مدارج مختلف ہیں اور سب سے زیادہ مدارج ، تخلیق انسانی کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں کیونکہ وہ باری تعالیٰ کے تمام پیکران تخلیق سے زیادہ مکمل اور حسین ہے :

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (نوح ۷۱ : ۱۴) :

اور بیشک تمھیں مختلف مدارج میں سے گزار کر پیدا کیا (یعنی انسان نے تخلیق کے کئی ارتقائی مدارج طے کرنے کے بعد موجودہ صورت اختیار کی ہے) ۔

ارتقائی مدارج کے اعتبار سے تخلیق انسانی کی دو قسمیں ہیں : تخلیق اول اور تخلیق آخر ۔

تخلیق اول سے قرآن حکیم کی کیا مراد ہے ؟ اور اس کے مدارج ، احکام اور مقتضیات کیا ہیں ؟ اس سلسلے کے یہ اہم سوالات ہیں جن کے جوابات معلوم کرنے کے لیے ہم مندرجۂ ذیل آیات کو اپنی نظر و فکر کا مرکز بناتے ہیں :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (المؤمنون ۲۳ : ۱۲ تا ۱۴) :

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ۔ پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ، ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں ۔ پھر نطفے کو ہم نے علقہ بنایا ۔ پھر علقے کو گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا ۔ پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا ۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہہ چڑھا دی اور پھر ہم نے اسے دوسری تخلیق میں پیدا کر دیا ۔ تو کیا ہی برکتوں والی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذات ہے اللہ کی ، پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا .

محولہ بالا آیت میں تخلیق انسانی کے جن چھے ارتقائی مدارج کا ذکر کیا گیا ہے ان پر بحث کرنے سے پہلے اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ باری تعالیٰ کی مذکورۂ بالا تخلیقی فعلیت اگرچہ حیاتیاتی ہے ، یعنی اس کے اس عمل تخلیق سے متنفس اشیاء پیدا ہوتی ہیں ، لیکن اس کے باوجود اس کی تخلیقی فعلیت کی تکنیک فن کی ہر صنف کے لیے معیاری اور مثالی حیثیت کا حکم رکھتی ہے ، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کو احسن الخالقین ، یعنی سب خالقوں میں بہتر خالق کہا ہے ۔ احسن الخالقین کی ترکیب لفظی اور محل وقوع پر تدبر کرنے سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ محولۂ بالا آیت میں اگرچہ حیاتیاتی عمل تخلیق کا بیان ہے ، لیکن فن کاری کی مقتضیات اور حقیقی تکنیک کو سمجھنے کے لیے ہم اس کی تشریح بانداز دگر بھی کر سکتے ہیں اور ہمارے نزدیک ان آیات کو اس طرح بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا ایک منشا یہ بھی تھا .

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کی تکنیک ہر فن کار کے لیے معیاری اور مثالی حیثیت کا حکم رکھتی ہے ۔ لہٰذا اعلیٰ فن کار بننے یا فن کاری میں کمال پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس کی تکنیک کو حتی المقدور زیادہ سے زیادہ اپنانے کی کوشش کرے اور یہ واقعہ ہے کہ اس کا عمل ِ تخلیق جس قدر اس تکنیک سے مطابقت و ہم آہنگی رکھے گا ، اسی قدر اس کی فنی تخلیقات جمالیاتی قدروں کی حامل ہوں گی ۔ چنانچہ اس تکنیک کو دریافت کرنے اور سمجھنے کے لیے ہم سب سے پہلے مندرجۂ ذیل آیات پر غور و فکر کرتے ہیں :

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ط وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا o (الفرقان ۲۵ : ۵۴) :

اور وہی (پروردگار) ہے جس نے بشر کو پانی سے پیدا کیا ، پھر اسے نسب اور سسرال والا بنایا اور تیرا پروردگار قدرت والا ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہ (النحل ۱۵ : ۲۸) :

اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں بشر کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے ، پیدا کرنے والا ہوں .

اور

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ لا (الرحمٰن ۵۵ : ۱۴) :

اس نے انسان کو ٹھیکری ایسے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا .

اور

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ہ (صٓ ۳۸ : ۷۱) :

جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے بشر (یعنی نوع انسانی) پیدا کرنے والا ہوں .

محولۂ بالا آیات سے جو حقائق منکشف ہوئے ہیں ، ان کی روشنی میں ہم مندرجۂ ذیل نتائج مستنبط کر سکتے ہیں :

(۱) انسان کی تخلیق کرنے سے پہلے باری تعالیٰ کے علم میں چونکہ وجودِ انسانی کی مکمل تصویر اور تشکیل وجود کا مواد موجود تھا ، اس لیے معلوم ہوا کہ کسی شے کی تخلیق کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کا نقشہ فن کار کے ذہن میں موجود ہو اور اسے اس کے موادِ تشکیل کا بھی علم ہو .

(۲) نوع انسانی کی تخلیق پانی اور مٹی سے ہوئی ہے ، اس لیے ہر فنی تخلیق کا آغاز پانی اور مٹی سے ہونا چاہیے ، لیکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسان کی فعلیّت چونکہ حیاتیاتی نہیں ، اس لیے اس لحاظ سے اس کی نوعیت دوسری ہے اور اس فنی تحقیقات کا سرچشمہ قلب ہے اور یہ واقعہ ہے کہ قلب انسانی میں پانی اور مٹی دونوں خاصیتیں پائی جاتی ہیں ، مثلاً قلب کا وہ حصہ جسے دل کہتے ہیں ، اپنی قوت جانفزائی اور دیگر صفات کے اعتبار سے سمندر کی طرح ہے اور اسی طرح اس کا دوسرا حصہ جو دماغ سے عبارت ہے ، اپنی قوت نامیہ اور دیگر صفات کے لحاظ سے زمین کے مشابہ ہے ، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر انسان کا دل و دماغ تخلیقی فعلیّت کے لیے موزوں اور مناسب ہے ، بلکہ وہی شخص حقیقت میں فن کار بن سکتا ہے جس کے دل و دماغ میں وہ خاصیتیں پائی جائیں ، جن کا ذکر مندرجۂ بالا آیات میں آیا ہے .

مثلاً

(۱) دل میں پانی کی طرح حیات بخشی و جانفزائی کی صلاحیت ہو تاکہ تخلیق کے بیج کی نشو و نما ہو سکے - بالفاظِ دیگر دل خود بھی زندہ ہونا چاہیے اور اس میں حیات آفرینی کی قوت بھی ہونی چاہیے .

(۲) جس طرح پانی میں طاقت اور حرکت ہوتی ہے اسی طرح دل میں قوت اور روانی ہونی چاہیے .

(۳) پانی سے جس طرح تشنگی کی تشفی ہوتی ہے اسی طرح دل میں ایسی صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ جمالیاتی حس کی تسکین کر سکے .

اسی طرح فن کار کے دماغ میں یہ خصائص پائے جانے چاہییں :

(۱) مٹی میں جس طرح پانی کے خصائص کو حاصل و جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے ، دماغ انسانی میں بھی اسی طرح دل کی خاصیتوں کے حصول اور ان کو محفوظ کر لینے کی صلاحیت ہونی چاہیے .

(۲) مٹی میں جس طرح تکوینی صلاحیت پائی جاتی ہے اسی طرح

toobaa-elibrary.blogspot.com

دماغ میں بھی تخلیقی قوتوں کا پایا جانا ضروری ہے .

(۳) مٹی میں جس طرح نباتات کے بیج موزوں غذا حاصل کرتے اور مناسب نشو و نما پاتے ہیں ، دماغ میں بھی اسی طرح فنی تخلیقات کے بیجوں کو موزوں غذا پہنچانے اور مناسب نشو و نما دینے کی صلاحیت ہونی چاہیے .

(۴) انسان میں قوتِ گویائی اور جلالت کے پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے وجود کی تشکیل اس مٹی سے ہوئی ہے جو گرمی سے پختہ ہو کر آواز دینے کے قابل ہو چکی تھی ، اس لیے فنی تخلیقات میں جلالت و گویائی پیدا کرنے کے لیے فن کار کا دماغ گرمیِ فکر اور سوزِ دل سے پختہ ہونا ضروری ہے .

(۵) زمین جس طرح پانی سے شاداب ہو کر نباتات میں جمال و دل کشی پیدا کرتی ہے ، دماغ میں بھی اسی طرح خونِ دل سے سیراب ہونے اور فنی تخلیقات میں جمال و زیبائی پیدا کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے .

اب ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ محولہ بالا آیات میں وجود انسانی کی تخلیق کے جن ارتقائی مدارج کا ذکر کیا گیا ہے وہ کیا ہیں ؟ اور انسان کی تخلیقی فعلیت میں ان مدارج تخلیق کی کیا نوعیت ہو جاتی ہے - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم نے وجودِ انسانی کی تخلیق کے مندرجہ ذیل چھے ارتقائی مدارج بیان کیے ہیں :

(۱) نطفے کا درجہ
(۲) علقے کا درجہ
(۳) مضغے کا درجہ
(۴) عظماً ، یعنی ہڈیاں بننے کا درجہ
(۵) لحماً ، یعنی ہڈیوں پر گوشت چڑھنے کا درجہ
(٦) تخلیقِ آخر کا درجہ

واقعہ یہ ہے کہ جس طرح حیاتیاتی تخلیق میں نطفہ مختلف ارتقائی مدارج میں سے گزر کر ایک مکمل و متشکل وجود بنتا ہے ، اسی طرح انسان کی فنی تخلیق میں اس کا تخمِ تخیّل ارتقائی مدارج طے کرکے ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکمل فنی تخلیق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے حیاتیاتی عملِ تخلیق میں جو حیثیت نطفے کی ہوتی ہے وہی حیثیت تخمِ تخیّل کی فن کاری میں ہوتی ہے۔ چنانچہ نطفے کی طرح تخمِ تخیّل بھی خونِ دل سے غذا حاصل کرکے پھلتا پھولتا ہے؛ نیز جس طرح نطفہ، علقے سے مضغہ اور مضغے سے ترقی کرکے ہڈیوں کا ڈھانچا بنتا ہے، اور پھر اس پر گوشت کی تہیں چڑھتی ہیں۔ اسی طرح تخمِ تخیّل ذہنِ انسانی میں رفتہ رفتہ واضح صورت اختیار کرتا ہوا مضبوط و مستحکم بنتا ہے۔ اس مضبوطی و محکمی کو قرآن حکیم نے اتقان، سے تعبیر کیا ہے، لیکن اتقان جو فنی تخلیق کی قوت و جلالت پر دلالت کرتا ہے، آخرکار رنگِ جمال سے مزین ہو جاتا ہے اور اس وقت انسان کی یہ ذہنی تخلیق ہر لحاظ سے مکمل ہو جاتی ہے، اور پھر جب فن کار اسے معرض اظہار میں لے آتا ہے تو قرآن حکیم کی اصطلاح میں اسے تخلیق آخر کہتے ہیں۔

تخلیق آخر پر بحث کرنے سے پہلے یہاں اس نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ انسان کا دماغ اگرچہ بے شمار تخیلات کی آماجگاہ ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر تخمِ تخیّل بار آور ہو کر کسی فنی تخلیق میں ظاہر ہو، اس لیے کہ صرف وہی تخمِ تخیّل بار آور ہوتا ہے جو اصطلاح قرآنی میں "قرارِ مَکِین"، یعنی اپنے استقرار اور نشو و نما کے لیے دماغ میں موزوں اور مناسب جگہ حاصل کر لیتا ہے۔

۲۔ **تسویہ**: فن‌کاری کا دوسرا درجہ تسویہ کا ہے اور اس لفظ کے لغوی معنی یہ ہیں: کسی چیز کو سلیقے سے تیار کرنا، ہموار و مکمل کرنا، متفق و ہم‌آہنگ کرنا، درست اور برابر کرنا"۔ مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں: "تسویہ کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس طرح ٹھیک ٹھیک درست کر دینا کہ اس کی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو"۔ چنانچہ تسویہ سے مراد کسی چیز کو ایک موزوں اسلوب کے ساتھ اس طرح بنا کر مکمل کرنا کہ اس کے تمام ظاہری و باطنی عناصر میں تناسب و ہم‌آہنگی پائی جائے۔ لہٰذا تسویہ ہی سے فنی تخلیقات میں حسن یا جمالیاتی قدریں پیدا ہوتی ہیں؛ اور باری تعالیٰ کے تمام پیکرانِ تخلیق بھی اسی لیے حسین ہیں کہ ان میں تسویہ پایا جاتا ہے۔

لہٰذا فنکار کی تخلیقی فعلیت میں تسویہ کا عمل ناگزیر ہے، کیونکہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے بغیر فنی تخلیقات میں جمالیاتی قدریں پیدا نہیں ہو سکتیں ۔

کسی شے کے عناصر تخلیق میں تسویہ پیدا کرنے کے دو طریقے ہیں : (۱) ایجابی اور (۲) سلبی ۔ ایجابی یا مثبت طریقہ تو یہ ہے کہ کسی چیز کی ان عناصر سے تخلیق کی جائے جن میں ہر اعتبار سے مکمل موافقت و مطابقت پائی جاتی ہو ۔ سلبی یا منفی طریقہ یہ ہے کہ کسی شے کی متضاد و متخالف عناصر سے تخلیق کی جائے اور تضاد اور تخالف میں کیفیت و کمیت کے اعتبار سے توازن و اعتدال ملحوظ رکھا جائے ۔ چنانچہ منفی طریقے کی بہترین مثالیں موسیقی میں ملتی ہیں ، جہاں متضاد و متخالف ، مگر معتدل و متوازن سُروں سے نغموں ، دھنوں اور راگوں کی تشکیل کی جاتی ہے ۔ یہ منفی طریقہ صرف موسیقی ہی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ تمام اصناف فن میں اس سے کام لیا جاتا ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ شاعر لفظوں ، مصور رنگوں اور خطوں اور تمثیل نگار کرداروں کے اختلاف و تضاد میں جب تناسب و اعتدال روا رکھتا ہے تو شعر ، تصویر اور تمثیل میں خود بخود تسویہ یا ہم‌آہنگی پیدا ہو جاتی ہے ۔ اصل یہ ہے کہ تسویہ وحدت کا حکم رکھتا اور وحدت چونکہ کثرت کی اصل حقیقت ہے اس لیے جہاں کہیں تضاد و اختلاف میں اعتدال پایا جائے گا ، وہاں ہم‌آہنگی خود بخود پیدا ہو جائے گی ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس مرقعِ کائنات کے مناظر اور نظارے باوجود اپنی بوقلمونی اور تضاد و تخالف کے ایک مکمل وحدت اور ہم‌آہنگی کے آئینہ دار ہیں ۔

۳۔ تعدیل : فنی تخلیق کا تیسرا ارتقائی درجہ اعتدال کا ہے ۔ چنانچہ تخلیقی فعلیت کا تیسرا مرحلہ تعدیل کا ہوا اور تعدیل سے مراد کسی شے کے عناصر کو کمیت و کیفیت کے اعتبار سے صحیح اور متناسب و موزوں ترکیب دینا ہے ۔ ظاہر ہے ترکیب کی صحت ، تناسب اور موزونی اس فنی تخلیق میں حسن کی وہ صفات پیدا کر دیتی ہیں جن کی وہ حق دار ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ہر پیکرِ تخلیق ان صفات حسن کا مظہر ہے ، جن کا وہ سزاوار ہے ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تخلیقی فعلیت میں تعدیل کا عمل نہایت اہم ہے کیونکہ اس کے بغیر فنی تخلیق میں وہ بات نہیں پیدا ہو سکتی جس میں اس کی جاذبیت و دل‌کشی کا راز مضمر ہے ، مثلاً نغمے میں 'سُر' شعر میں 'وزن' اور تصویر میں 'روپ'

toobaa-elibrary.blogspot.com

(tone) اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا ، جب تک ان کے تخلیقی عناصر میں اعتدال نہ ہو ۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ کسی فنی تخلیق میں جمالیاتی قدریں پیدا کرنے کے لیے تعدیل کا عمل ناگزیر ہے ۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فن کار کس طرح اپنی تخلیقی فعلیت میں اعتدال ملحوظ رکھ سکتا ہے ؟ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی جمالیاتی حس ہی اعتدال کی کیفیت کو محسوس کر سکتی ہے اور فن کار اپنی جمالیاتی حس اور وہبی و اکتسابی صلاحیت ہی سے اپنی تخلیقی فعلیت میں اعتدال ملحوظ رکھتا ہے اور اس طرح اپنی فنی تخلیقات میں جمالیاتی قدریں پیدا کرتا ہے ۔ اس سے یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی فنی تخلیقات میں اعتدال پیدا کرنے کے لیے خود فن کار کی طبیعت میں اعتدال کا پایا جانا ضروری ہے ۔ اصل یہ ہے کہ شعر میں شعریت ، نغمے میں غنایت اور تصویر میں تصویریت پیدا ہی اعتدال کی بدولت ہوتی ہے ۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ہر پیکرِ تخلیق جسے وہ کلمہ سے تعبیر کرتا ہے اس وجہ سے حسن و خوبی کا شاہکار ہے کہ وہ اعتدال و صداقت کا کامل نمونہ ہے :

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًاؕ (الانعام ۶ : ۱۱۵) :

اور تیرے پروردگار کا کلمہ (یا تخلیق) سچائی اور اعتدال میں منتہائے کمال کو پہنچا ہوا ہے ۔

۴ **تعین اقدار :** تخلیقی فعلیت کا چوتھا مرحلہ تعین اقدار کا ہے ، یعنی فنی تخلیقات میں قدریں پیدا کرنے کا مرتبہ ۔ ہم جمالیاتی قدروں کے باب میں پڑھ چکے ہیں کہ قدر کی دو قسمیں ہیں : ایک خارجی اور دوسری داخلی ۔ خارجی قدر سے مراد یہ ہے کہ فنی تخلیق کی شکل و صورت اس کے داخلی اور خارجی ماحول کے عین مطابق بنی ہوئی ہو اور وہ ہر اعتبار سے مناسب و متوازن ہو ۔ اسی طرح داخلی قدر کے یہ معنی ہیں کہ اس فنی تخلیق کی قوت و تأثیر ، کمیت و کیفیت اور داخلی اور خارجی ماحول کے عین مطابق ، یعنی ہر اعتبار سے متناسب و متوازن ہو ۔

قدر پر مفصل بحث چونکہ گزر چکی ہے لہٰذا یہاں اعادہ و تکرار غیر ضروری ہوگا ۔ بہر کیف اس واقعیت کو بیان کر دینا ضروری ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعینِ اقدار کے بغیر چونکہ فنی تخلیق لا یعنی و بے مقصد ہوگی ، اس لیے تخلیقی فعلیت میں تعینِ اقدار کا عمل نہایت اہم اور ناگزیر ہے ۔

۵۔ ترکیب صوری : تخلیقی فعلیت کا پانچواں مرحلہ ترکیب صوری یا صورت گری کا ہے ، اور اس بات میں فن کار کو اختیار ہے کہ وہ اپنی فنی تخلیقات کی صورتیں جس وضع قطع کی بنانا چاہے بنا سکتا ہے ، کیوں کہ یہی احسن الخالقین کا اسلوبِ صورت گری ہے ۔

چنانچہ ترکیب صوری کے مرحلے پر پہنچ کر فن کار کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنی فنی تخلیق کی تشکیل ، صورت اور وضع قطع کے اعتبار سے جس طرح چاہے کر لے ، کیونکہ حسن کسی خاص شکل و صورت ، رنگ ڈھنگ اور وضع قطع کا مرہونِ منت نہیں ، بلکہ وہ ہر شکل و صورت ، ہر رنگ ڈھنگ اور ہر وضع قطع میں ظاہر ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس شے کے تخلیقی عناصر میں تسویہ و اعتدال پایا جائے اور وہ اس تکنیک سے پایۂ تکمیل کو پہنچی ہو ، جو باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کی تکنیک ہے ۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حسن کو کسی خاص صورت و رنگ ڈھنگ اور وضع قطع سے مخصوص سمجھنا ، جائز نہیں ۔ رہا یہ مسئلہ کہ بعض طبائع خاص قسم کی شکل و صورت ، وضع قطع اور رنگ ڈھنگ کو پسند کرتی ہیں تو اس کا تعلق ذوقِ انسانی سے ہے اور ذوقِ انسانی جس نوعیت کا ہوگا ، اسی نوعیت کی اسے شکل و صورت ، رنگ ڈھنگ اور وضع قطع مرغوب ہوگی ۔

۶۔ انفاخِ روح : تخلیق ، تسویہ ، تعدیل ، تعینِ اقدار اور ترکیب صوری کے مراحل سے گزر کر جو فنی تخلیق پایۂ تکمیل کو پہنچے گی ، وہ حسین تو یقیناً ہوگی ، لیکن اس میں ایک اہم چیز کی کمی رہ جائے گی جسے ''زندگی'' کہتے ہیں ۔ ظاہر ہے زندگی کے بغیر وہ شے مردہ اور اس کا حسن بے جان ہوگا اور زندہ اور بے جان چیز میں جو فرق ہے وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ۔ اس لیے حقیقت میں وہی شے فنی تخلیق کہلانے کی مستحق ہے جو زندہ ہے اور فنی تخلیقات میں زندگی فن کار کے انفاخِ روح یا نفوذ شخصیت یا خونِ جگر سے پیدا ہوتی ہے ۔

تخلیقی فعلیت اور صنعت و حرفت میں ایک امتیازی فرق یہ ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اول الذکر میں فن کار کی روح موجود ہوتی ہے ، اس لیے فنی تخلیق پر اس کی شخصیت کی مہر ثبت ہوتی ہے ، لیکن صنعت و حرفت میں صانع صرف دماغ سے کام کرتا ہے ۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ فن کار اپنی دماغی قوت کے ساتھ دل کی قوت بھی استعمال کرتا ہے جسے خونِ جگر کہتے ہیں ، اور یہ واقعہ ہے کہ جس طرح بچہ ماں کے خون سے غذا حاصل کر کے پرورش پاتا ہے اسی طرح تخم تخلیق فن کار کے دماغ میں قرار پا کر اس کے خونِ جگر سے نشوونما پاتا ہے اور جس طرح ہر ذی روح شے کی نشوونما اس کی غذائیت کی کیفیت و کمیت پر منحصر ہوتی ہے ، اسی طرح فن کار کی اپنی فنی تخلیق کی نشوونما بھی اس کے خونِ جگر کی کیفیت و کمیت پر مبنی ہوتی ہے .

اس تمام مبحث کا ماحصل یہ نکلا کہ باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کی تکنیک ہی فنی تخلیقات میں زندگی اور جمالیاتی قدریں پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور اس تکنیک کو اپنا کر ہی فن کار اپنے فن میں کمال حاصل کر سکتا ہے .

•

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب دوازدہم

۱۔ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ط (صٓ ۳۸ : ۷۵) :

اس نے کہا اے ابلیس تجھے کس نے اسے سجدہ کرنے سے منع کیا ، جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب سیزدہم

تخلیقی فعلیّت کے محرّکات

جمالیات کا ایک اہم مسئلہ تخلیقی فعلیت کے محرکات کا ہے ، اور اس مسئلے کو قرآن حکیم کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں اس واقعیت کا پتا چلتا ہے کہ تخلیقی فعلیت کے محرکات دو قسم کے ہیں : اصلی اور فرعی - اصلی محرک داخلی اور فرعی محرک خارجی ہے - داخلی محرک کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ وہ روح خلاق ہے ، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فن کار کے وجود معنوی میں نازل ہوتی ہے :

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوالْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۙ

(المؤمن ۴۰ : ۱۵) :

وہ (انسان کے) مناصب و مقامات کو بلند کرنے والا ، عرش کا مالک ہے - وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے .

اس آیت کی رو سے ثابت ہوا کہ انسان کے وجود معنوی میں اس روحِ الٰہی کے نزول و ظہور ہی سے فن کاری کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ، اور یہ روحِ خلاق ہی تخلیقی فعلیت کی داخلی محرّکِ حقیقی ہے .

اس مسئلے کو ایک اور نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو حقیقت کا یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ باری تعالیٰ کا اصلی یا ذاتی نام اللہ[1] ہے اور باقی تمام حسین نام اس کی صفات کے آئینہ دار ہیں - چنانچہ یہ مسلمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جس صفت کا ظہور سب سے پہلے ہوا وہ اس کی صفت خالقیت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ مخلوق کو پہلے پیدا نہ کرتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

تو اس کی دوسری صفات ، مثلاً ربوبیت و رحمت وغیرہ کا ظہور بھی نہ ہوتا ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انسان کی فطرت میں بھی سب سے پہلے جو جذبہ پرورش پاتا ہے وہ خالقیت کا ہوتا ہے اور یہی جذبہ اس کی تخلیقی فعلیت کا محرک اصلی ہے ۔

یہاں ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تخلیقی فعلیت کے محرکِ داخلی ، یعنی فن کار کے فطری جذبۂ تخلیق کی علتِ غائی کیا ہے ؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہم مندرجۂ ذیل مشہور حدیث قدسی کی طرف رجوع کرتے ہیں ، جس میں اس سوال کا جامع جواب دیا گیا ہے :

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (الحدیث) :

میں (تمام حسین صفات کا) چھپا ہوا خزانہ تھا ، چنانچہ میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا ۔

اس حدیث طیبہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ فن کار کی تخلیقی فعلیت کی علتِ غائی یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات سے لوگ متعارف ہو جائیں ۔ ظاہر ہے کہ اس کی فنی تخلیقات جتنی زیادہ جامع و کامل ، یعنی حسن و خوبی کی صفات کی آئینہ دار ہوں گی ، اسی قدر اس کی شہرت کا دائرہ بھی وسیع ہوگا ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے فن کار پہلے اپنے فطری جذبۂ تخلیق کی تحریک سے تخلیقی فعلیت کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر اپنی شہرت کے دائرے کو وسیع کرنے کی خاطر اپنے فن میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ؛ اور کمالِ فن کی شرائط کیا ہیں ؟ اس موضوع پر اگلے باب میں بحث کی جائے گی ۔

یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ فطرتِ انسانی کا جذبۂ تخلیق ہی اس کی تخلیقی فعلیت کا محرکِ اصلی ہے ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ جذبۂ تخلیق بعض اسباب کی بنا پر انسان میں مردہ ہو جاتا ہے اور اسے زندہ و بیدار کرنے کے لیے جن محرکات کی ضرورت لاحق ہوتی ہے انھیں قرآن حکیم کی زبان میں تفکرِ انفس و آفاق کہتے ہیں ۔

غور سے دیکھیں تو اس کائنات کے دو رخ ہیں : ایک وہ جو نظر آتا ہے اور اسے معروضی یا ظاہری یا خارجی رخ کہتے ہیں ۔ دوسرا وہ جو

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظروں سے مخفی ہے اور اسے موضوعی یا داخلی یا باطنی رخ سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ کائنات کے ان موضوعی اور معروضی رخوں کو اصطلاح قرآنی میں بالترتیب انفس اور آفاق کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے ؛ اور ساتھ ہی انسان کو ان پر ہمیشہ غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ اس کے فطری جذبۂ تخلیق کو مسلسل تحریک ہوتی رہے اور وہ اپنے اس جذبے کی تشفی تخلیقی فعلیت سے کرتا رہے اور اسی طرح اس کی زندگی کی تکمیل بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے :

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قف مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ط وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ٥

(الروم ۳۰ : ۸) :

کیا انھوں نے اپنی نفسیات (کے احوال و ظروف) پر غور و فکر نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ایک مستقل افادی مقصدیت کے بغیر پیدا نہیں کیا اور واقعہ یہ ہے کہ انسانوں میں کثیر تعداد ان کی ہے جو اپنے پروردگار کے ساتھ ملاقات کرنے کے منکر ہیں ۔

اس آیت کریمہ میں انسان کی توجہ کو حقیقت کے دونوں پہلوؤں کی طرف مبذول کرایا گیا ہے ، یعنی اپنے نفیساتی احوال و ظروف کی طرف بھی اور کائنات کے صوری اور معنوی حقائق کی جانب بھی ۔ اس طرزِ تفکر سے انسان کو جو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کو قرآن حکیم نے کثرت سے بیان کیا ہے ، لیکن یہاں ان تمام فوائد کا جائزہ لینا چونکہ بے محل ہوگا ، اس لیے ہم نفس مضمون کے اعتبار سے صرف ایک ہی فائدے کا ذکر کریں گے اور وہ یہ ہے کہ اس سے جذبۂ تخلیق کو تحریک ہوتی ہے ، مثلاً اپنے نفسیاتی احوال و ظروف پر غور و فکر کرنے سے انسان کو اپنی فطرت کے تخلیقی تقاضوں اور صلاحیتوں کا علم و احساس ہوتا ہے اور لا محالہ ان کی تشفی کرنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اس طرح اس کے جذبۂ تخلیق کو تحریک ہوتی ہے اور وہ تخلیقی فعلیت کی طرف متوجہ ہوتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ اسی طرح انسان جب کائنات کے ظاہری اور باطنی حقائق پر غور و فکر کرتا ہے تو وہ اس کے حسن و کمال سے متأثر ہوتا ہے اور پھر یہ تأثر و انفعال اس کے جذبۂ تخلیق کو زندہ و بیدار کرتا ہے اور وہ حسن آفرینی کے ذریعے اپنی ذات کی تکمیل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہ کائنات صورت و حیات کی ایک حقیقی جلوہ گاہ ہے اور صورت کے حسن و کمال اور زندگی کے حقائق پر غور و فکر کرنے ہی سے انسان میں حسن آفرینی کا فطری جذبہ بیدار ہوتا ہے اور اسی لیے قرآن حکیم نے انسان کو انفس و آفاق کے عوالم پر غور و فکر کرنے کی کثرت کے ساتھ تاکید کی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب سیزدہم

۱- اللہ کے اسم ذات میں جامعیت و اکملیت کی تمام صفات کا مفہوم مضمر ہے - چنانچہ پروفیسر لین (Lane) نے بھی اپنی عربی انگریزی لغت میں اللہ کے یہ معنی لکھے ہیں :

"Comprising all the attributes of Perfection"

یعنی اللہ کی ذات جامعیت و اکملیت کی تمام صفات پر مشتمل ہے ؛ اور اسی لیے قرآن حکیم نے بھی کہا ہے کہ تمام حسین صفات کا صرف اللہ تعالیٰ ہی سزاوار ہے :

اَللّٰہُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی o (طٰہٰ. ۲۰ : ۸) :

اللہ ہی ہے ، کوئی معبود نہیں ہے ، مگر صرف وہی ، اسی کے لیے حسن و خوبی کے نام و صفات ہیں .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب چہاردہم

کمالِ فن کی شرائط

فن کار اپنے فن میں چونکہ کمال حاصل کرنے کی فطری خواہش رکھتا ہے ، اس لیے اس باب میں فن کی ان شرائط سے بحث کی جائے گی جو فن میں کمال حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہیں ۔ اس مقصد کے لیے جب ہم باری تعالیٰ کے پیکرانِ تخلیق کو جو حسن و کمال کے بے مثال شاہکار ہیں بنظر غائر دیکھتے ہیں تو ان میں کمال فن کی مندرجۂ ذیل چار ناگزیر شرائط کا سراغ ملتا ہے :

۱۔ فن کار بذاتِ خود کامل ہو .

۲۔ فنی تخلیق کی جس مواد سے تشکیل کی جائے ، وہ اعلیٰ درجے کا ہو .

۳۔ فنی تخلیق کی شکل و صورت حسین ہو .

۴۔ اس سے جو نتیجہ مرتب ہو ، وہ ہر اعتبار سے بہترین ہو .

ان شرئط سے فرداً فرداً بحث کرنے سے پہلے اس سلسلے کے دو ایک نکات کی صراحت کر دی جاتی ہے :

اول : فن میں کمال حاصل کرنے کے مسئلے پر ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ زندگی چونکہ ازل سے مسلسل ارتقائی مرحلے میں ہے اس لیے کسی فنی تخلیق کی تکمیل ناممکن ہے ، لہٰذا فن میں کمال حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ غور سے دیکھیں تو یہ اعتراض صرف ایک حد تک صحیح ہے کیونکہ یہ حقیقت کے صرف ایک ہی پہلو کا آئینہ دار ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ زندگی اگرچہ ہر زمانے میں ایک کامل‌تر شان میں جلوہ گر ہوتی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اور زمانے کے مسلسل تغیر پذیر رہنے سے کوئی فنی تخلیق اپنی مطلق حیثیت میں مکمل بھی نہیں ہو سکتی ؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ شے اپنے زمانے کے عروج و ارتقاء کی نسبت سے ، یعنی اپنی اضافی حیثیت سے مکمل ہو سکتی ہے ، اس لیے یہاں کمالِ فن سے اضافی کمالِ فن ہی مراد ہے .

دوم : کمالِ فن کے سلسلے میں ایک سوال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ فن کار کیوں اپنے فن میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے ؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جب زندگی ہی اپنی تکمیل کی فطری خواہش رکھتی ہے تو پھر ہر زندہ شے میں اپنی تکمیل کی طلب و آرزو کا پایا جانا فطری ہے اور انسان چونکہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ عقل و شعور رکھتا ہے اس لیے اس میں اپنی تکمیل کی طلب و آرزو بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے ۔ علاوہ بریں ، وہ اپنی تکمیل چونکہ اپنی تخلیقی فعلیت کے ذریعے کر سکتا ہے ، اس لیے وہ اس میں کمال حاصل کرنے کی فطری خواہش رکھتا ہے ۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو اپنی فطرت پر بنایا ہے اور اس کی فطرت یہ ہے کہ وہ ہر لحظہ نئی شان میں ظاہر ہوتا ہے :

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ٥ (الرحمٰن ۵۵ : ۲۹) :

وہ (یعنی باری تعالیٰ) ہر لحظہ ایک (نئی) شان میں (جلوہ گر) ہوتا ہے .

جس طرح باری تعالیٰ اپنی تخلیقات کے آئینے میں ہر لحظہ نئی شان میں جلوہ گر ہوتا رہتا ہے ، اسی طرح انسان بھی اپنی فنی تخلیقات کے ذریعے ایک نئی شان میں ظہور پذیر ہونا چاہتا ہے اور اس کی یہ فطری خواہش ہی اس کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تخلیقی فعلیت اور اور اس میں کمال حاصل کرنے کی اصل محرک ہے .

اب کمال فن کی مندرجہ٘ بالا چاروں شرائط سے فرداً فرداً بحث کی جاتی ہے - پہلی شرط پر غور و فکر کرنے سے اس واقعیت کا پتا چلتا ہے کہ ..." تعالیٰ کے پیکران تخلیق کی جامعیت و اکملیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ خود اپنی ذات و صفات میں کامل ہے۔ اور اس کے کمال کی علتیں اس کی مندرجہ٘ ذیل صفات ہیں :

۱- وحدت

۲- ربوبیت

۳- رحمت

۴- علم و حکمت

۵- قدرت یا صلاحیت

۶- جمال و جلال

واقعہ یہ ہے کہ فن میں کمال حاصل کرنے کے لیے یہ چھے صفات اپنی مجازی صورت میں فن کار کے لیے ناگزیر ہیں - مجازی صورت میں اس لیے کہ یہ صفات اپنی حقیقی صورت میں صرف باری تعالیٰ ہی کو مستلزم ہیں .

۱- وحدت : وحدت سے اس جگہ مراد وحدتِ شعور ہے اور وحدت شعور کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے احساسات و جذبات اور شاعرات و مدرکات اس تناسب و اعتدال سے ہم آہنگ ہو جائیں کہ وحدت یا اکائی کی صورت اختیار کر لیں ، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے خود احساسات و جذبات اور شاعرات و مدرکات میں بھی علٰحدہ علٰحدہ طور پر وحدت پائی جائے ، مثلاً حقیقت حسن کے بوقلموں پہلوؤں کے اثرات اگر اس تناسب و اعتدال سے قلب پر مرتسم ہوں کہ ان کے مجموعی تأثرات میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے اور وہ اکائی کی صورت اختیار کر لیں تو اس اکائی یا وحدت کو احساسات و جذبات کی وحدت سے تعبیر کریں گے ، اسی طرح حقیقتِ حسن کے گونا گوں پہلوؤں کے متعلق تخیلات و نظریات کے متفق و ہم آہنگ ہو جانے کو شاعرات و مدرکات کی وحدت کے نام سے موسوم کیا جائے گا .

toobaa-elibrary.blogspot.com

نفسیات انسانی پر تدبر کرنے سے اس بات کا سراغ ملتا ہے کہ تکمیلِ شخصیت کے کام میں جو چیز انسان کے لیے زبردست رکاوٹ بن جاتی ہے، وہ اس کے احساسات و مدرکات کا تضاد و تخالف ہے؛ اور جب یہ رکاوٹ دور ہو جائے تو شخصیت انسانی کی تکمیل نفسیاتی اعتبار سے خود بخود ہو جاتی ہے اور اس کی اس حالت کو قرآن حکیم نے "خلقِ عظیم"[۱] تعبیر کیا ہے۔

وحدت شعور سے جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کی تکمیل ہوتی ہے اسی طرح یہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ارتقاء کا بھی ناگزیر ذریعہ ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شعورِ قومی کے فقدانِ وحدت سے افراد میں اتحاد، محبت اور تنظیم حقیقی طور پر باقی نہیں رہتے اور اس کے نتیجے سے ان میں تشتت و افتراق پیدا ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ ان کی اجتماعی نظام زندگی کا شیرازہ منتشر ہونے لگتا ہے اور وہ قوم جمود و تعطل کا شکار ہو کر ادبار و تنزل کی گہرائیوں میں گرنے لگتی ہے۔ اجتماعی نفسیات کے اس پہلو کی قرآن حکیم نے اس طرح تصریح کی ہے:

بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ
ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ○ (الحشر ۵۹ : ۱۴) :

ان کے درمیان سخت لڑائی ہے۔ تو انہیں متحد خیال کرتا ہے حالانکہ ان کے قلوب جدا جدا ہیں (یعنی کہ احساسات و جذبات اور شاعرات و مدرکات میں وحدت نہیں)۔ یہ صورت حال اس لیے ہے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

الغرض انسان کی انفرادی زندگی ہو یا اس کی حیات اجتماعی، اس کی تکمیل و ارتقاء کے لیے وحدتِ شعور کا ہونا از بس ضروری ہے۔

وحدتِ شعور کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے فن کار کی شخصیت میں انفرادیت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ یہی انفرادیت جب اس کی فنی تخلیقات میں منتقل ہو جاتی ہے تو ان کی مابہ الامتیاز خصوصیت بن جاتی ہے اور یہ امتیازی خصوصیت تکمیلِ فن اور عظمتِ فن کار کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحدت شعور کی دو قسمیں ہیں : ایک اضافی اور دوسری مطلق۔ اضافی وحدت شعور کا تعلق صرف ایک ماحول سے ہوتا ہے اس لیے وہ وقتی ہوتی ہے ، مثلاً ایک شخص سمندر کے ساحل پر بیٹھا گونا گوں نظاروں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ ایک طرف شفق کا رنگین منظر اس کو دعوت نظارہ دے رہا ہے اور دوسری طرف سمندر کی ناپیدا کنار پہنائی اس کے دامنِ نگاہ کو کھینچ رہی ہے ، اور پھر سمندر کی اس وسعتِ بیکراں میں کہیں شوخیِ امواج کے مناظر ہیں تو کہیں کشتیوں کے لہروں سے کھیلنے کے نظارے ہیں۔ ساحل کی رونق کا یہ عالم ہے کہ نگاہ وہاں پڑتی ہے تو شہیدِ نظارہ ہوا چاہتی ہے۔ اتنے میں اس پُر بہار و دلآویز سماں میں کسی مطربِ شعلہ نفس کے نغموں سے فضا گونجنے لگتی ہے اور اس کے ساتھ ساز دل کے تار بھی مرتعش ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ شخص ان تمام مختلف نظاروں سے ضرور متأثر ہوگا ، لیکن وہ اپنے تأثرات سے اسی صورت میں پوری طرح لذت و سرور حاصل کر سکے گا جب وہ ایک دوسرے کے متناقص و متخالف نہیں ہوں گے ، بلکہ ان میں مکمل ہم آہنگی یا وحدت پائی جائے گی۔ چنانچہ جب دل کے یہ ہم آہنگ تأثرات و احساسات دماغی کیفیات سے بھی ہم آہنگ ہوتے ہیں تو حاصل اضافی وحدتِ شعور ہوتا ہے۔

مطلق وحدتِ شعور میں بھی اسی طرح انفس و آفاق کے مختلف و متضاد مناظر کے اثرات کا آپس میں اور پھر مجموعی طور پر دماغی کیفیات سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایسے اثرات کسی ایک ماحول کی تخلیق نہیں ہوتے بلکہ وہ مختلف زمان و مکان کی پیداوار ہوتے ہیں اور ان کا تعلق حسنِ زندگی کی لمحاتی جھلکیوں سے نہیں ہوتا بلکہ حقیقتِ حسن کے ان پہلوؤں کے مناظر سے ہوتا ہے جو اصل کے اعتبار سے دائمی ہوتے ہیں اور ان نظاروں کے اثرات جب اکائی کی صورت میں قلبِ انسانی پر مرتسم ہوتے ہیں تو ان احساسات و مدرکات کی وحدت کو مطلق وحدت شعور کہتے ہیں۔

وحدتِ شعور کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس سے فن کار کی زندگی کا نصب العین بھی ایک ہو جاتا ہے اور وہ لامحالہ صرف اسی ایک نصب العین کو پورا کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کرتا ہے اور اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

طرح اپنے گوہر مقصود کو حاصل کر لینا ، اس کے لیے نسبتاً زیادہ سہل ہو جاتا ہے ۔ اس کے بر عکس وحدتِ شعور کا فقدان ہو تو آدمی کا یا تو کوئی متعین نصب العین ہی نہیں ہوتا اور اگر نصب العین ہوتے ہیں تو وہ بہت ہوتے ہیں ۔ اس طرح اس کی قوتیں یا تو بے مقصد کاموں پر ضائع ہو جاتی ہیں یا پھر مختلف مقاصد کے حصول کے لیے اس طرح منقسم ہو جاتی ہیں کہ ہر جگہ کامیابی کا حصول نسبتاً بہت زیادہ دشوار ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ ایک حقیقی نصب العین کے حصول کے لیے زمان و مکان کے حقیقی تقاضوں کے مطابق عمل کرنا ہی اصطلاح قرآنی میں عمل صالح کہلاتا ہے ، اور وہی شخص عملِ صالح کرتا ہے جو وحدتِ شعور رکھتا ہے ۔ اصل یہ ہے کہ وحدتِ شعور اپنی نظری صورت میں ایمان ، توحید اور عملی صورت میں عمل صالح سے عبارت ہے ۔ جب وحدتِ شعور کی نظری اور عملی صورتیں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو فن کار کی شخصیت میں مکمل وحدت پائی جاتی ہے اور یہ وحدت فن کار کی تکمیل شخصیت کا ایک ناگزیر عنصر ہے اور اسی لیے قرآن حکیم نے انسان کو وحدتِ شعور کے ساتھ حقیقی نصب العین کی طرف پوری طرح ملتفت ہو جانے کی تاکید کی ہے :

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۗ

(المزمل ۷۳ : ۸) :

اور اپنے پروردگار کا نام یاد کر اور (سب سے) الگ ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جا .

یہ آیت اس واقعیت پر دلالت کرتی ہے کہ انسان کی توجہ کا مرکز حقیقی ایک ہی ہے اور وہ وحدت ہے ، جو اس زمان و مکان کے تمام مناظر کی کثرت و بوقلمونی کی اصل ہے ؛ اس لیے فن کار کی فکر و نظر کا مرکزی نقطہ ہمیشہ وحدت ہی ہونا چاہیے :

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

(المزمل ۷۳ : ۹) ،

مشرق اور مغرب (یعنی ہر زمان و مکان) کا وہ رب ہے ۔ کوئی معبود نہیں ، مگر وہ ہے ؛ اس لیے اسی کو اپنا کارساز و رہنما بناؤ ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

عامۃ الناس چونکہ عام طور پر وحدتِ شعوری کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں ، اس لیے اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے اور اسے دیوانگی و جنون پر محمول کرتے ہیں ؛ اور پھر اس غیر معمولی موحد انسان کی تضحیک کرنے سے بھی نہیں چوکتے جو وحدتِ شعوری کی نعمت سے بہرہ مند ہوتا ہے ، لیکن باری تعالیٰ ایسے برگزیدہ انسان کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ عوام کی باتوں کی قطعاً کوئی پروا نہ کرتے ہوئے ایک احسن طریق سے ان سے کنارہ کش ہو جائے :

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ٥

(المزمل ۷۳ : ۱۰) :

اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ایک احسن طریق سے ان سے کنارہ کش ہو جا .

اس مبحث کا ماحصل یہ نکلا کہ وحدت شعوری اور وحدت عملی کا آپس میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ دونوں کی وحدت ہی اصل میں حقیقی وحدت ہے اور اس وحدت کے بغیر فن کار کی تکمیلِ شخصیت کا کام مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے .

۲- ربوبیت[۲] **:** فن کار کی تکمیلِ شخصیت کے لیے دوسری ضروری شرط اس میں صفت ربوبیت کا پایا جانا ہے ، کیونکہ اس صفت کے پائے جانے ہی سے اس میں اپنی فنی تخلیقات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا جذبہ ، ہمت اور استعداد پیدا ہوتی ہے اور اسی لیے قرآن حکیم نے خالقیت و ربوبیت کی صفات کے باہمی ناگزیر تعلق اور اہمیت پر کثرت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے - چنانچہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم پر جو وحی سب سے پہلے نازل ہوئی ، اس میں انھیں دو صفات کے باہمی ناگزیر تعلق سے ذہن انسانی کو روشناس کرایا گیا ہے :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ
مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (العلق ۹۶ : ۱ تا ۵) :

اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ ، جس نے (اس کائنات کو) پیدا کیا ۔ اس نے انسان کی جمے ہوئے خون سے تخلیق کی ۔ پڑھ کہ تیرا رب جو ہے وہ بہت عنایات کرنے والا ہے (اور وہ عنایات یہ ہیں کہ) اس نے قلم کے ذریعے (انسان کو علوم و فنون) سکھائے (اور) وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ۔

محولہٗ بالا آیات میں مندرجہٗ ذیل نکات کی تصریح کی گئی ہے :

(۱) خالقیت و ربوبیت لازم و ملزوم صفات ہیں ، جن کے بغیر کوئی شخص حقیقی فن کار نہیں بن سکتا .

(۲) تخلیق ، حیاتیاتی (biological) ہی نہیں ، علمی اور فنی بھی ہوتی ہے .

(۳) انسان نے جو بھی علوم و فنون سیکھے ہیں اور ان میں جس قدر بھی ترقی کی ہے ، اس کی علت غائی باری تعالٰی کا فیضانِ ربوبیت ہے .

(۴) باری تعالٰی کی ہر تخلیقی فعلیت میں چونکہ اس کی ربوبیت کار فرما ہوتی ہے اس لیے ہر قسم کی تخلیقی فعلیت کے لیے فن کار کو بھی ربوبیت کی صفت سے متصف ہونا ضروری ہے تا کہ اس کی فنی تخلیقات پایہٗ تکمیل کو پہنچ سکیں .

(۵) قلم انسان کے خیالات و جذبات کے اظہار کا فطری ذریعہ ہے اور قلم سے چونکہ وہ تمام علوم و فنون معرض وجود میں آئے ہیں جو حروف ، نقوش ، اشکال ، نشانات اور تصاویر کے مرہون منت ہیں ، اس لیے موسیقی ہو یا تمثیل گری ، شاعری ہو یا مصوری ، افسانہ نویسی ہو یا تمثیل نگاری ، الغرض علم و فن کی کوئی صنف ہو ، اس میں انسان کا ترقی کرنا خداوند تعالٰی کے فیضان ربوبیت کی دلیل ہے .

سورۂ طٰہٰ میں اس نے ایک بلیغ اور غیر مبہم انداز میں اس امر کی صراحت کر دی ہے کہ اللہ تعالٰی کی صفت ربوبیت ہی اس کی تخلیقی فعلیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کا سرچشمہ ہے :

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ○

(طٰہٰ ۲۰ : ۵۰) :

اس نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت عطا کی ، پھر اس پر زندگی کی صحیح راہ کھول دی .

اس آیت میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی بیان ہوا ہے کہ اس کی ربوبیت نے نہ صرف ہر شے کی تخلیق کی بلکہ ہر ایک کو ایسے موزوں جامۂ تخلیق سے آراستہ کیا جس کی وہ ہر اعتبار سے سزاوار تھی ۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ موزوں چیز تخلیق کرنے اور اپنی شخصیت کی تکمیل کرنے کے لیے فن کار میں صفت ربوبیت کا ہونا ضروری ہے .

اس کے علاوہ ربوبیت اس بات کی بھی مقتضی ہے کہ اس کی تخلیق کی نگہداشت اور پرداخت حدِ کمال تک ہو ۔ لہٰذا فن کار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے تخلیقات ، یعنی نظریات اور نصب العین کی اس وقت تک نگہداشت و پرداخت کرتا رہے جب تک وہ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں .

۳۔ رحمت : فن کار کی تکمیل شخصیت کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں رحمت کی صفت پائی جائے — رحمت اپنے وسیع مفہوم میں محبت و شفقت ، جود و کرم اور لطف و بخشش ایسی تمام صفات پر احاطہ کیے ہوئے ہے ۔ چنانچہ تخلیقی فعلیت کے لیے فن کار میں ربوبیت کے ساتھ رحمت کی صفت کا بھی پایا جانا ضروری ہے ، کیونکہ ربوبیت کی بدولت اگر وہ اپنے پیکرانِ تخلیق میں مستقل افادی مقصدیت پیدا کرتا ہے تو رحمت کی بنا پر وہ ان کو جمالیاتی قدروں سے مزین کرتا ہے ۔ یہ باری تعالٰی کی تخلیقی فعلیت کی تکنیک ہے اور اس کو قرآن حکیم نے مندرجۂ ذیل آیات میں ایک نہایت دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے :

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ○

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا ۚ لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ۙ (النحل ۱۶ : ۴ تا ۷) :

اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا ، پھر دیکھو وہ کھلم کھلا جھگڑنے والا ہے اور اسی نے چارپائے پیدا کیے ۔ ان میں (یعنی ان کی کھال اور اُون میں) تمھارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے اور ان میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو اور تمھارے لیے ان میں خوبصورتی پیدا ہو گئی ہے ۔ جب تم شام کے وقت انھیں (چراگاہوں سے) واپس لاتے ہو اور جب صبح کو (میدانوں میں) چرانے لے جاتے ہو (تو اس وقت کا نظارہ کتنا حسین ہوتا ہے) اور پھر دیکھو ! وہ تمھارے بوجھ اٹھا کر (دور اور دشوار گزار) مقامات پر لے جاتے ہیں جہاں تم اپنی جانوں کو سختی اور دشواری میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے ۔ بلاشبہ تمھارا رب بڑی ہی شفقت رکھنے والا اور بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے ۔

رحمت کا خاصہ چونکہ تحسین و تکوین ہے اس لیے باری تعالیٰ جو سرچشمۂ رحمت ہے ، اس کا ہر پیکرِ تخلیق حسین ہے :

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ۙ الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ۚ (السجدۃ ۳۲ : ۶ تا ۷) :

یہ (باری تعالیٰ) وہ ہے جو پوشیدہ و باطن اور حاضر و ظاہر کا جاننے والا ، طاقت و غلبہ رکھنے والا اور رحمت رکھنے والا ہے ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس نے جو چیز بنائی ، حسین بنائی اور اس نے انسان کی تخلیق کی شروعات مٹی سے کی ۔

رحمت کا خاصہ تحسین و تکوین کے علاوہ تکمیل بھی ہے ، اس لیے الرحمٰن کے پیکران تخلیق ہر اعتبار سے اکمل ہیں ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان میں کسی قسم کا کوئی نقص ، کمی اور عیب نہیں پایا جاتا :

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ o ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ o (الملک ۶۷ : ۳ تا ۴) :

وہ (باری تعالیٰ) ہے جس نے ساتوں آسمانوں کو متناسب و ہم آہنگ پیدا کیا ۔ تم الرحمٰن کی تخلیق میں کوئی تفاوت نہیں دیکھو گے ۔ چنانچہ نگاہ پلٹ کر (ان کی طرف) پھیرو ، تم ان میں کوئی نقص نہیں دیکھو گے ۔ پھر نظر کو جتنی بار چاہو پلٹ پلٹ کر ان کی طرف پھیرو ۔ وہ نظر ذلیل و شرمندہ اور تھکی ماندی تمھاری طرف لوٹے گی ۔

الرحمٰن کی تخلیقات میں کیوں کوئی نقص ، عیب یا تفاوت نہیں پایا جاتا ، قرآن حکیم کہتا ہے اس لیے کہ ان میں اتقان یا فنی جامعیت پائی جاتی ہے ۔

تحسین و تکمیل ہی نہیں بلکہ تسکین آفرینی بھی رحمت کا خاصہ ہے :

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ o (القصص ۲۸ : ۷۳) :

یہ اس کی رحمت کی وجہ سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات

toobaa-elibrary.blogspot.com

دن بنائے تاکہ تم رات کے وقت راحت و سکون پاؤ اور دن میں اس کے فضل کی طلب و جستجو کرو۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ اُس فن کار کی تخلیقی فعلیت کا خاصہ تحسین و تکمیل ہوگا اور اسی فن‌کار کے پیکران تخلیق جمالیاتی حس کی تسکین کا سامان بھی ہوں گے، جس کا قلب آفتاب عشق کے نور و سوز سے تابناک ہوگا۔ چنانچہ عشق کا یہ خاور تاباں جب فن کار کے قلب میں طلوع ہوتا ہے تو اس کے قلب سے ماسوا کے تمام تصورات محو ہو جاتے ہیں اور پھر اس قلب و حواس کے تمام قوی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے لیے وقف ہو جاتے ہیں۔ وہ اگرچہ اس کی حسین تخلیقات سے بھی محبت کرتا ہے، لیکن اپنے خالق کے ساتھ اس کی محبت کی کیفیت و کمیت ہی کچھ اور ہوتی ہے، جسے قرآن حکیم نے خود ہی اپنے دلکش اسلوب میں اس طرح بیان کیا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللهِ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط

(البقرۃ ۲ : ۱۶۵):

اور انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو اللہ کے ہمسر بنا لیتے ہیں۔ وہ انھیں اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں ان کی محبت اللہ کے لیے سب سے زیادہ ہے۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت جب انسان کے دل و دماغ میں گھر کر لیتی ہے تو اس سے صدق پیدا ہوتا ہے جس کی بدولت وہ اپنے پروردگار کی محبت میں اپنے جذبات و احساسات، علائق و روابط اور جان و مال سب کو قربان کر دینے میں دریغ نہیں کرتا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓـئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ o (الحجرٰت ۴۹ : ۱۵) :

مومن صرف وہ ہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں ، پھر وہ شک و شبہ نہیں کرتے اور اپنے مال ، دولت اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں (واقعہ یہ ہے کہ) یہی لوگ اہل صدق ہیں ۔

اور یہ عشق الٰہی جب انسان کی گوناں گوں کوششوں اور قربانیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس پر کامرانی حیات کی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کا دامن زندگی اپنے پروردگار کی رحمت و خوشنودی کی نعمتوں سے معمور ہو جاتا ہے :

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا وَ جَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ لا اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰہِ ط وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ o یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْہُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ لا خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ o

(التوبة ۹ : ۲۰ تا ۲۲) :

جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ، اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے بھی ہیں ۔ ان کا رب انھیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی اور جنت کی بشارت دیتا ہے جس میں ان کے لیے ہمیشہ برقرار رہنے والی نعمتیں ہوں گی ، (چنانچہ) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یقیناً اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کی مخلوق سے محبت کی جائے اور ایک اعلیٰ اور حقیقی نصب العین کے تحت کی جائے ۔ چنانچہ جو لوگ حقیقی نصب العین ، مثلاً ملک و قوم کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دیتے ہیں ، قرآن حکیم ان کی اس قربانی کو عشق الٰہی کا زندہ ثبوت اور ان کو زندۂ جاوید سمجھتا ہے :

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (البقرة ۲ : ۱۵۴) :

تم ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں مردہ نہ کہو کیونکہ وہ زندہ ہیں ، مگر تمہیں اس (واقعیت) کا شعور نہیں ۔

قرآن حکیم نے انسان کو اس امر کی طرف بھی ملتفت کیا ہے کہ فن کار کا منتہائے کمال صرف حسین فنی تخلیقات پیش کرنا ہی نہیں ، بلکہ بہترین فن کار پیدا کرنا بھی ہے ۔ چنانچہ وہ اس حیثیت سے معلم ہوتا ہے اور معلمی کے فریضے کو وہی فن کار حقیقی طور پر ادا کر سکتا ہے جس کی سیرت سوز عشق سے پختہ ہو چکی ہو اور اس طرح اس کی زندگی ہر اعتبار سے نوع انسانی کے لیے رحمت کا باعث ہو ، جیسا کہ محولۂ بالا آیات سے مترشح ہے ۔

چونکہ قرآن حکیم خدائے رحیم و عزیز کی تنزیل ہے ، اس لیے اس میں حیات انسانی کا جمود توڑنے ، انسان میں احساس سود و زیاں پیدا کرنے اور اس کی تمام قسم کی نفسیاتی امراض کو شفا بخشنے کی برقی قوت موجود ہے ۔ چنانچہ کسی پیکر تخلیق میں اس قسم کی قوت اثر و نفوذ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عشق حقیقی سے فن‌کار کی زندگی بھی قوت و جبروت سے معمور ہو :

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (یٰسٓ ۳۶ : ۵ تا ۶) :

یہ قوت و رحمت والے کی تنزیل ہے تا کہ تم اس قوم کے افراد

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو ڈراؤ (یعنی ان میں احساس سود و زیاں پیدا کرو) جن کے
آبا و اجداد (ابھی تک) نہیں ڈرائے گئے ۔ چنانچہ وہ غافل و
بے خبر ہیں .

اور

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا

(بنی اسرآءیل ۱۷ : ۸۲) :

اور ہم قرآن حکیم میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جس میں
مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے .

قرآن حکیم ہی نہیں بلکہ رحمتوں والے خدا کی ہر کتاب ہی نوع
انسانی کے لیے باعث رحمت ہے :

وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ط (ھود ۱۱ :
۱۷) :

اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب بھی قائد و رہنما اور رحمت بن
کر آ چکی ہے .

اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ فن کار چونکہ اپنی فنی تخلیقات کو اپنے نفس مسیحائی سے زندگی بخشتا ہے اس لیے جیسی اس کی شخصیت ہوگی اسی نوعیت کی فنی تخلیقات بھی ہوں گی ۔ لہٰذا وہی فن کار اپنی تخلیقات کو نوع انسانی کے لیے باعث رحمت و شفا بنا سکے گا جو خود سراپا رحمت ہوگا ، یعنی جس کی زندگی رنگ عشق سے پورے طور سے رنگی ہوئی ہوگی اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے ایک طرف اپنے رب رحیم سے اور دوسری جانب اس کی تخلیقات سے عشق ہو ۔ عشق کوئی خارجی شے نہیں بلکہ انسان کی فطرت میں آرزو کا سرچشمہ ہے اور جب یہ کسی خارجی یا داخلی محرک کے سبب پھوٹتا ہے تو قلب انسانی عشق کا محیط بیکراں بن جاتا ہے؛ اور پھر ایسے قلب میں تخلیق کا کوئی تخم بارآور ہوتا ہے تو وہ نہ صرف حسن و کمال کا شاہکار بلکہ نوع انسانی کے لیے باعث رحمت و شفا بن کر ظاہر ہوتا ہے ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ فن‌کار کی تکمیل شخصیت صفت رحمت یا عشق کے بغیر ممکن نہیں .

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴ - علم و حکمت : باری تعالیٰ کے تخلیقی شاہکاروں کے حسن و کمال اور ان کی عظمت و فنی جامعیت کا ایک راز اس کے علم و حکمت کی صفات میں مضمر ہے۔[۳] چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ جب کبھی اپنی تخلیقی فعلیت کی واقعیت و حقیقت سے قلب انسانی کو آشنا اور متأثر کرنا چاہتا ہے تو وہ بالعموم اس کے ذکر کے ساتھ اپنی ان صفات کو بھی اس طرح بیان کر جاتا ہے کہ تخلیق اور علم و حکمت کے ناگزیر تعلق کی نوعیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان کو حقیقت کے اس پہلو کا شعور ہو جاتا ہے کہ تخلیقی فعلیت کے لیے فن کار میں علم و حکمت کی صفات کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان صفات کے بغیر فن کار کی شخصیت کی تکمیل کسی صورت ممکن نہیں، لیکن علم کے محیر العقول کرشموں اور اس سے متعلقہ گوناگوں نظریات کی پیچیدگیوں کے سبب عقل انسانی کا محض اپنے بل بوتے پر علم کی حقیقت کا سراغ لگا لینا از بس دشوار ہے۔ لہٰذا اس اہم اساسی مسئلے کو جو زندگی کے ہر گوشے کو محیط ہے زیر بحث لانے سے بیشتر ضروری ہے کہ ہم علم کے معنی و مفہوم کو قرآن و حکیم کی روشنی میں متعین کر لیں۔ چنانچہ اس نے علم کی حقیقت کو مندرجۂ ذیل چند الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا ہے کہ بحر معانی کوزے میں بند ہو گیا ہے :

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرة ۲ : ۳۱) :

اور ہم نے آدم[۴] کو تمام (چیزوں کے) نام سکھائے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ نام کے لیے کسی مسمیٰ یا چیز کا ہونا ضروری ہے، چاہے وہ چیز مرئی ہو یا غیر مرئی، مادی ہو یا روحانی۔ چنانچہ اس نے کائنات کی خارجیت، یعنی اس کی خارجی اشیاء کو ان کی کلی حیثیت میں آفاق سے اور اسی طرح داخلی یا روحانی اشیاء کو انفس کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل آیت سے مترشح ہے :

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَ فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ

toobaa-elibrary.blogspot.com

شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ۝ (حٰمٓ السجدۃ ۴۱ : ۵۳) :

جلد ہی ہم ان کو آفاق اور ان کے نفسوں میں (حقیقت کے) نشانات دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر پوری طرح ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہے ۔ کیا تیرے پروردگار کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے ۔

اس آیت کے معانی و مضمرات پر تدبر کرنے سے حسب ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں :

(۱) اس کائنات کے دو رخ ہیں ، معروضی اور موضوعی ۔ معروضی رخ مرئی ہے اور زمان و مکان کے نظاروں کی جلوہ گاہ ہے ۔ اس کے برعکس موضوعی رخ باطنی ہے ، جس کی اکمل و احسن صورت نفس انسانی ہے ۔

(۲) اس اعتبار سے علم کی دو قسمیں ہوئیں ، آفاقی اور انفسی ، اور ان دونوں کا فائدہ معرفتِ حقیقت ہے ۔

(۳) کائنات اپنی موجودیت کے اعتبار سے ایک واقعہ ہے ۔ یہ واقعیت ہی حقیقت کی آئینہ دار ہے ، اس لیے معرفتِ حقیقت کے لیے واقعیت کا علم بھی ضروری ہے ۔

(۴) واقعیت چونکہ حقیقت کی آئینہ دار ہے اس لیے قرآن حکیم اسے آیت الٰہی سے تعبیر کرتا ہے ۔

(۵) انسان ، کائنات کے آفاقی اور انفسی دونوں رخوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے ۔

(۶) علم آفاقی ہو یا انفسی ، ان میں جو نوامیس فطرت کام کرتے ہیں وہ مختلف قسموں کے نہیں بلکہ ایک ہی طرح اور نوعیت کے ہیں اور غیر متبدل ہیں جیسا کہ خود قرآن حکیم نے فرمایا ہے :

فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَحْوِیْلًا ٥ (فاطر ۳۵ : ۴۳) :

چنانچہ تو اللہ تعالیٰ کے منہاج و طریق میں کوئی تغیر و تبدل نہیں پائے گا ، اور تو اللہ تعالیٰ کے منہاج و طریق میں کوئی تغیر و انقلاب نہیں پائے گا .

علم کی ماہیت اور علت غائی معلوم کرنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حاصل کیسے ہوتا ہے اور اس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں ؟ اس سوال کے چونکہ دو جز ہیں اور دونوں ہی اہم ہیں ، اس لیے ان دونوں جزئیات کا جواب علٰحدہ علٰحدہ دیا جائے گا ۔ موضوع کے اعتبار سے جزءِ ثانی کو چونکہ اولیت حاصل ہے ، اس لیے پہلے اسی کا جواب معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی ۔ جیسا کہ حواس اور قلب کے باب میں بیان ہو چکا ہے علم حاصل کرنے کے دو ذرائع ہیں : حواس اور قلب :

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ٥ (بنی اسرآءیل ۱۷ : ۳۶) :

اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھے علم نہیں ۔ بلا شبہہ سامعہ ، باصرہ اور قلب سب کے سب اپنی اپنی جگہ جوابدہ ہیں .

اس آیت میں انسان کی توجہ کو خصوصیت سے دو چیزوں کی طرف منعطف کرایا گیا ہے ۔ ایک یہ کہ حصولِ علم کے لیے حواس میں سے سامعہ اور باصرہ باقی تینوں حواس سے بہت زیادہ اہم اور مؤثر ذرائع ہیں ۔ دوسری یہ کہ حواس اور قلب کے جوابدہ ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ حصولِ علم کے ذرائع ہیں .

اب رہا یہ سوال کہ علم کیسے حاصل ہوتا ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی مشاہدہ و تجربہ سے حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم بار بار انسان کو عالم انفس و آفاق کے بصیرت افروز مناظر و عجائبات کی طرف دعوتِ فکر و نظر دیتا ہے تا کہ واقعیت کے مشاہدۂ حقیقی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے اسے معرفتِ حقیقت ہو جائے :

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذّٰریٰت ۵۱ : ۲۰ تا ۲۱) :

اور اہل یقین کے لیے زمین اور ان کے نفسوں میں (معرفت نفس کی) نشانیاں ہیں - پس وہ کیوں مشاہدہ نہیں کرتے ؟

اور

خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ؑ (العنکبوت ۲۹ : ۴۴) :

(اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مستقل افادی مقصدیت کے لیے پیدا کیا - بلا شبہہ ان میں اہل ایمان کے لیے (معرفتِ حقیقت کی) نشانی ہے .

آسمان اور زمین کے مشاہدے سے اس وجہ سے بھی حقیقت کا عرفان ہوتا ہے کہ ان کے جمال و جلال کی نظر افروزیوں اور تابانیوں کی اصل حقیقت خالقِ حقیقی کا نور ہے - چنانچہ ثابت ہوا کہ اس نور کا مشاہدہ ہی حقیقت کا مشاہدہ ہے :

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النور ۲۴ : ۳۵) :

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے .

اس کا ارشاد ہے کہ کائنات کا ہر منظر اور تغیرات حیات کا ہر نظارہ اگرچہ حقیقت کا آئینہ دار ہے ، لیکن اس کی معرفت کے لیے مشاہدۂ حقیقی کا ہونا ناگزیر ہے :

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ٥ (یوسف ۱۲ : ۱۰۵) :

اور آسمانوں اور زمین میں (معرفتِ حقیقت کی) کتنی نشانیاں ہیں کہ لوگ ان کے پاس سے گزر جاتے ہیں اور (اپنی غفلت کی وجہ سے) ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے.

اس آیت میں قرآن حکیم نے مشاہدۂ حقیقی کی سلبی تعریف کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مشاہدہ کسی شے کو محض سرسری نظر سے دیکھنے کا نام نہیں بلکہ وہ غور و فکر سے کسی چیز کو دیکھنے سے عبارت ہے - چنانچہ اس کی معنویت کی اس نے حسب ذیل آیات میں خود ہی صراحت بھی کر دی ہے :

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥ (اٰل عمرٰن ۳ : ۱۹۰ تا ۱۹۱) :

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات دن کے اختلاف میں عقل مند لوگوں کے لیے (معرفتِ حقیقت کی) بہت ہی نشانیاں ہیں (اور عقل مند لوگ وہ ہیں) جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں (اور جب انھیں اس مشاہدۂ حقیقی سے حقیقت کا عرفان ہو جاتا ہے تو وہ بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں) اے پروردگار ! تو نے یہ سب کچھ جو پیدا کیا ہے ، بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کیا ، تیری ذات اس سے پاک ہے کہ اس سے ایک بیکار کام صادر ہو - پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجیے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

محولہ بالا آیات کی رو سے مشاہدۂ حقیقی کی تین ضروری شرائط ہوئیں :

اول : مشاہدہ کرنے والا شخص عقل سلیم رکھتا ہو .

دوم : اپنی فطرت کے مقتضٰی ، یعنی اللہ تعالٰی کا مستقل ذکر کرنے کا عادی ہو .

سوم : عالم انفس و آفاق پر غور و فکر کرنا اس کا شعار ہو ۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ جو شخص ان تینوں اوصاف سے متصف ہوگا ، اسی کا مشاہدہ ، اصل میں مشاہدۂ حقیقی ہوگا .

اس مرقع کائنات کی ہر تصویر کے چونکہ دو رخ ہیں ، اس اعتبار سے مشاہدے کی بھی دو اقسام ہیں : آفاقی اور انفسی ۔ انھیں واضح طور سے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان پر علٰحدہ علٰحدہ بحث کی جائے ۔ چنانچہ ہم پہلے مشاہدۂ آفاقی کی نوعیت و اہمیت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں :

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿ۙ﴾ (اٰل عمرٰن ۳ : ۱۹۰) :

بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور رات دن کے ادلتے بدلتے رہنے میں عقل مند لوگوں کے لیے (معرفتِ حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں .

اور

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ وَ الْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَ بَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۠ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ٥ (البقرة ۲ : ۱۶۴) :

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات دن کے اختلاف میں اور کشتی میں جو لوگوں کے فائدے کے لیے سمندر میں چلتی ہے اور بارش میں جو اللہ آسمان سے برساتا ہے ، جس کے ساتھ زمین اپنی موت کے بعد پھر زندہ ہو جاتی ہے اور (اس واقعیت میں کہ) ہر قسم کے جانور زمین میں پھیلا دیے ہیں ، نیز ہواؤں کے اِدھر اُدھر پھیرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کر دیے گئے ہیں ، عقل مند لوگوں کے لیے (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں .

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشاہدۂ آفاق کی تین قسمیں ہیں : فلکی ، زمینی اور زمانی ۔ چونکہ ان میں سے ہر ایک قسم ہی معرفت حقیقت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے ، اس لیے قرآن حکیم نے ان تمام پر مفصل روشنی ڈالی ہے ، مثلاً اس کا ارشاد ہے کہ عالم افلاک باری تعالیٰ کی تخلیقی فعلیت کا ایسا شاہکار ہے جو حسن و خوبی اور اتقان و کمال کے لحاظ سے بے مثال ہے اور اس پر غور و فکر کرنے کا لازمی نتیجہ عرفان حقیقت ہے :

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ٥ (قٓ ۵۰ : ٦) :

کیا وہ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور کس طرح اسے خوشنما بنایا ہے اور یہ کہ اس میں کہیں بھی کوئی عیب ، نقص اور خلا نہیں .

عالم افلاک کا یہ حسن و کمال نہ صرف اپنی موجودیت پر دلالت کرتا ہے بلکہ حقیقت کا بھی آئینہ دار ہے ، لیکن اس شخص کے لیے جو اپنے دل میں حق کی طلب و جستجو رکھتا ہو :

تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰی لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ٥ (قٓ ۵۰ : ۸) :

ہر اس بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم کا یہ دعویٰ ہے کہ باری تعالیٰ نے طبقات سماوی کی اس فنی جامعیت سے تخلیق کی ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب، نقص اور سقم سے پاک ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی عیب جو نظر اس میں خرابی اور نقص نہیں نکال سکتی اور یہ واقعیت انسان کی فکر و نظر پر حقیقت کے دروازے کھول دیتی ہے۔

وہ کبھی انسان کی توجہ کو خلقت سماوی کی فنی جامعیت کی طرف مبذول کراتا ہے اور کبھی اس کی نظر کو عالم افلاک کے جمال دلآویز کی طرف متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ آئینۂ حسن یا آئینۂ کمال کسی میں حقیقت کا مشاہدہ کر سکے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۙ

(الحجر ۱۵ : ۱٦):

اور دیکھو ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے ان کو خوشنما بنا دیا۔

اور

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (الملک ٦۷ : ۵):

اور (دیکھو) ہم نے دنیا کے آسمانوں کو تاروں کی قندیلوں سے خوش نما بنا دیا۔

وہ کہتا ہے جس طرح افلاک کی فنی جامعیت اور حسن حقیقت کے آئینہ دار ہیں، اسی طرح زمین کا گوشہ گوشہ بھی جمال حقیقت کے جلوؤں سے معمور ہے، لیکن ان میں جلوؤں کو دیکھنے کے لیے اہل یقین کی نظر ضروری ہے:

وَفِى الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ (الذّٰرِیٰت ۵۱ : ۲۰):

اور زمین میں اہل یقین کے لیے (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو نہ صرف اپنے مشاہدے کی واقعیت پر یقین کرنے سے عرفان حقیقت ہوتا ہے بلکہ واقعیت پر غور و فکر کرنے اور اسے عقل کے ذریعے سمجھنے سے بھی وہ حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں :

وَ هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ قف وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (الرعد ۱۳ : ۳ تا ۴) :

اور (دیکھو) وہی (پروردگار حق) ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی اور اس میں پہاڑ اور دریا بنا دیے اور طرح طرح کے پھل بنائے اور پھر ان پھلوں کے دو دو قسموں کے جوڑے بنا دیے ۔ وہ رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے ۔ بلاشبہہ ان چیزوں میں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لینے والے ہیں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں ؛ اور (دیکھو) زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں اور ان میں انگور کے باغ ہیں ، (غلے کی) کھیتیاں ہیں ، کھجور کے درخت ہیں ، ایک ہی جڑ سے کئی کئی نکلتے ہوئے اور الگ الگ جڑوں سے نکلے ہوئے ، سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں ، مگر بعض کو بعض پر پھل اور ذائقے کے اعتبار سے برتری دیتے ہیں ۔ یقیناً ان چیزوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ان لوگوں کے لیے (معرفت حقیقت) کی بڑی ہی نشانیاں ہیں
جو عقل سے کام لیتے ہیں .

وہ کہتا ہے اگر تمھیں واقعی حقیقت کو معلوم کرنے کی طلب و جستجو ہے تو ان چیزوں کو غور کی نظروں سے دیکھو جو تم اکثر کھاتے پیتے ، دیکھتے اور محسوس کرتے ہو اور اس طرح تمھارا دل خود بخود اس واقعیت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اس کائنات کی ہر شے چھوٹی ہو یا بڑی حقیقت کی آئینہ دار ہے :

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۙ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۙ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۙ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۙ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۙ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۙ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۙ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۙ (عبس ۸۰ : ۲۴ تا ۳۲) :

پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف (غور کی نظروں سے) دیکھے ، یہ کہ ہم (پہلے) خوب پانی برساتے ہیں ، پھر ہم زمین کو پوری طرح سے پھاڑتے ہیں ، پھر ہم اس میں اناج اگاتے ہیں اور انگور اور ترکاری اور زیتون ، کھجور کے درخت اور گھنے باغ اور پھل اور چارا ، تمھارے اور تمھارے چوپایوں کے لیے فائدے کی چیزیں .

اس کا ارشاد ہے کہ کائنات میں فطرت کی حرکت و عمل کے تمام ہنگامے حیات انسانی کے سرور انگیز ارتقاء کے لیے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ آئینہ دار حقیقت بھی ہیں ، لیکن ان ہنگاموں میں وہی انسان حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں جو عقل و فکر سے کام لینے کے عادی ہیں :

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ع وَاِنَّ
لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ
مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ
سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ
یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ
الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ
کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ
یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ
شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝

(النحل ۱۶ : ۶۵ تا ۶۹) :

اور (دیکھو) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا ، پھر اس کے ساتھ زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی ، زندہ کر دیا ۔ بلاشبہہ اس (واقعیت) میں ان لوگوں کے لیے (معرفت حقیقت کی) نشانی ہے جو (حق بات کو جی لگا کر) سنتے ہیں اور بلاشبہہ تمھارے لیے چوپایوں میں عبرت ، یعنی واقعیت سے حقیقت تک پہنچانے والی صورت حال ہے ۔ ہم تمھیں اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے ، گوبر اور خون کے درمیان سے ، خالص دودھ پلاتے ہیں ، جو پینے والوں کے لیے آسانی سے حلق میں اتر جانے والا ہے ۔ اسی طرح کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے تم نشہ آور چیزیں (جو قبیح اور بری ہیں) اور حسین رزق حاصل کرتے ہیں ۔ بلاشبہہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس (واقعیت) میں ان لوگوں کے لیے (معرفت حقیقت کی) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں ، اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں ، درختوں میں اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے اونچی بنائی جاتی ہیں ، چھتہ بنائے ، پھر ہر طرح کے پھلوں سے رس چوستی رہے ، پھر اپنے رب کی راہوں پر فرمانبرداری سے چلتی جائے اور اس کے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے ، جس میں انسانوں کے لیے شفا ہے - بلاشبہہ اس (واقعیت میں) ان لوگوں کے لیے (معرفت حقیقت) کی نشانی ہے ، جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں .

وہ کہتا ہے کہ نہ صرف کائنات بلکہ خود انسان کی ہستی بھی حقیقت کی آئینہ دار ہے :

بَلِ الاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۙ (القیٰمۃ ۷۵ : ۱۴) :

بلکہ انسان اپنے نفس پر حجت ہے (یعنی یہ واقعیت کہ انسان مخلوق ہے ، خود خالق حقیقی کی دلیل ہے) .

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم انسان کو اپنی ہستی پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے :

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۭ (الطارق ۸۶ : ۵):

چنانچہ انسان کو چاہیے کہ دیکھے کہ کس چیز سے اس کی تخلیق ہوئی ہے .

وہ کہتا ہے نہ صرف انسان کے صوری مظاہر حقیقت پر دلالت کرتے ہیں بلکہ اس کے معنوی کوائف بھی جو جذبات و احساسات اور مقتضیات و خواہشات سے عبارت ہیں ، حقیقت کے مظاہر ہیں :

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا

اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ٥ (الروم ۳۰ : ۲۱) :

اور (الحق) کے نشانات میں سے ایک نشان یہ ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم میں سے ہی جوڑے (یعنی مرد کے لیے عورت اور عورت کے لیے مرد) پیدا کیے تاکہ ان سے تمھیں تسکین پہنچے اور پھر تمھارے (یعنی مرد اور عورت کے) درمیان محبت اور رحمت کے جذبات پیدا کر دیے ۔ بلاشبہہ ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اس (نفسیاتی واقعیت) میں (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں .

اس کا ارشاد ہے کہ یہ دنیا بے شک گزر گاہ حیات ہے ، لیکن اس میں سے جو کاروان قوم بھی گزرتا ہے وہ اپنے پیچھے ایسے نقوش چھوڑ جاتا ہے جن پر ان کی داستان حیات مرقوم ہوتی ہے اور اس داستان کے ہر لفظ سے حقیقت حیات اس طرح منعکس ہوتی ہے کہ ہر وہ نظر انسانی اسے پہچان سکتی ہے جسے اس کی طلب و جستجو ہوتی ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ وہ انسان کو اس راستے سے گزری ہوئی اقوام کے آثار و نقوش کو ملاحظہ کرنے کی تلقین کرتا ہے :

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ٥ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥ (اٰل عمرٰن ۳ : ۱۳۷ تا ۱۳۸) :

(اور دیکھو) تم سے پہلے (اقوام عالم کے عروج و زوال) بہت سے دور گزر چکے ہیں ، پس زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا ، جنھوں نے (حقیقت کو) جھٹلایا ۔ یہ عام لوگوں کے لیے ایک صاف اور واضح تنبیہ ہے اور ان لوگوں کے لیے جو متقی ہیں ، ہدایت اور موعظت ہے .

اس کا دعوی ہے کہ حقیقت کو جھٹلانے والی قوم قوت اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

روایات کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہوں ، وہ اپنے فطری مآل سے بچ نہیں سکتی اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں وہ تاریخ انسانی سے استشہاد کرتا ہے :

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ط كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ط وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ٥ (المؤمن ۴۰ : ۲۱) :

کیا انھوں نے زمین میں سیر و سیاحت نہیں کی کہ وہ دیکھتے کہ ان سے پہلی (قوموں کا) کیا حشر ہوا ؟ (حالانکہ) وہ قوت اور روایات میں ان سے بڑھ چڑھ کر تھیں ، مگر اللہ نے ان کے غیر حقیقی اعمال ، یعنی گناہوں کے سبب جب انھیں پکڑا تو اس وقت انھیں اللہ (کے قانون مکافات) سے بچانے والا کوئی نہ تھا .

وہ کہتا ہے کہ تخلیق ہستی ایک واقعہ ہے اور اس واقعے کے نقطۂ آغاز پر غور و فکر کرنے سے حقیقیت کا ادراک ہوتا ہے - دوسرے لفظوں میں عالمِ حیات کے آغاز اور ارتقاء کے مشاہدے سے اس زندہ حقیقت تک رسائی ہوتی ہے جو تخلیق ہستی کے پس منظر میں ایک زندہ مدبر قوت کی طرح کام کرتی محسوس ہوتی ہے :

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ٥ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ع (العنکبوت ۲۹ : ۱۹ تا ۲۰) :

کیا وہ (اس واقعیت پر) غور و فکر نہیں کرتے کہ اللہ کس طرح تخلیق کا آغاز کرتا ہے ، پھر وہی اس کی تجدید بھی کرے گا -

toobaa-elibrary.blogspot.com

دن بنائے تاکہ تم رات کے وقت راحت و سکون پاؤ اور دن میں اس کے فضل کی طلب و جستجو کرو۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ اُس فن کار کی تخلیقی فعلیت کا خاصہ تحسین و تکمیل ہوگا اور اسی فن کار کے پیکران تخلیق جمالیاتی حس کی تسکین کا سامان بھی ہوں گے ، جس کا قلب آفتاب عشق کے نور و سوز سے تابناک ہوگا ۔ چنانچہ عشق کا یہ خاور تاباں جب فن کار کے قلب میں طلوع ہوتا ہے تو اس کے قلب سے ماسوا کے تمام تصورات محو ہو جاتے ہیں اور پھر اس قلب و حواس کے تمام قوی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے لیے وقف ہو جاتے ہیں ۔ وہ اگرچہ اس کی حسین تخلیقات سے بھی محبت کرتا ہے ، لیکن اپنے خالق کے ساتھ اس کی محبت کی کیفیت و کمیت ہی کچھ اور ہوتی ہے ، جسے قرآن حکیم نے خود ہی اپنے دلکش اسلوب میں اس طرح بیان کیا ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

(البقرة ۲ : ۱۶۵) :

اور انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو اللہ کے ہمسر بنا لیتے ہیں ۔ وہ انھیں اس طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کی جاتی ہے حالانکہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں ان کی محبت اللہ کے لیے سب سے زیادہ ہے ۔

قرآن حکیم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت جب انسان کے دل و دماغ میں گھر کر لیتی ہے تو اس سے صدق پیدا ہوتا ہے جس کی بدولت وہ اپنے پروردگار کی محبت میں اپنے جذبات و احساسات ، علائق و روابط اور جان و مال سب کو قربان کر دینے میں دریغ نہیں کرتا :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

toobaa-elibrary.blogspot.com

موسیٰ[۴] کو بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے اور انھیں اللہ کے ایام (یعنی زمانے کی تحریک انگیز قوتِ تخریب کی واقعیت) کی یاد دلائے ، (کیونکہ) اس میں بلاشبہہ ہر صبر کرنے والے اور ہر شکر کرنے والے کے لیے (معرفت حقیقت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں .

زمانے کی حرکی قوت تخریب جو حیات انسانی کے جمود و تعطل کو توڑتی رہتی ہے ، اس کی تخلیق و تعمیر کی بھی وجہ حقیقی ہے - قرآن حکیم زمانے کی اس قوتِ مدبرہ کو ایام اللہ سے تعبیر کرتا ہے ؛ اور کہتا ہے کہ یہ ایام ہر قوم کی زندگی میں آتے ہیں ، جن پر غور و فکر کرنے سے انسان پر حقیقت آشکارا ہوتی ہے :

وَ تِلْکَ الاَیّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ؑ (اٰل عمرٰن ۳ : ۱۴۰) :

اور یہ ایّام ہیں جنھیں ہم باری باری لوگوں میں پھراتے رہتے ہیں .

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ حیات انسانی کے ارتقاء کی کُل روئداد زمانے کی لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ، اور اسے دیکھ کر انسان پر حقیقت کا یہ پہلو آشکارا ہوتا ہے کہ زمانے کی حرکی قوت ہی انسان کے تدریجی عروج و کمال کی وجہ حقیقی ہے ، اور اس دعوے کی دلیل وہ یہ دیتا ہے کہ انسان کی تاریخی زندگی میں ایک دور ایسا بھی گزرا ہے ، جب وہ اس دنیا میں ایک بالکل معمولی ، حقیر اور ناقابلِ توجہ شے تھا ، مگر زمانے کی حرکی قوت نے اس کو مشاہدہ و تجربہ کا وہ نور بخشا ، جس کی روشنی میں وہ جہالت و جمود کی تنگنائے سے نکل کر علم و ہنر کی وسیع جولانگاہ میں پہنچ گیا اور زمانہ چونکہ اسے مسلسل مشاہدہ و تجربہ کا نور عطا کرتا رہتا ہے ، اس لیے وہ تخلیق و تعمیر کے کارناموں کے ذریعے برابر ارتقائی منزلیں طے کر رہا ہے - اس واقعیت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے :

ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا

toobaa-elibrary.blogspot.com

مَّذْ کُوْرًا ۝ (الدّھر ۷۶ : ۱) :

بلاشبہ انسان پر زمانے میں وہ وقت بھی آیا ہے جب وہ ایسی شے تھا جو قابلِ ذکر نہ تھی ۔

دوسری جگہ فرمایا :

اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا ۝ (مریم ۱۹ : ٦۷) :

کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے تخلیق کیا جب وہ کوئی چیز نہ تھا ۔

زمانہ چونکہ عالمِ آفاق کے پس منظر میں ایک مدبر غیرمرئی قوت کی طرح حیات انسانی سے جمود و تعطل کو توڑتا رہتا ہے ، اس اعتبار سے وہ باطن ہے ، لیکن وہ رات کے تسکین افزا اندھیرے اور دن کے تحرک انگیز اجالے میں چونکہ اپنا روپ بھی دکھاتا ہے اس لحاظ سے وہ ظاہر ہے ۔ اصل یہ ہے کہ زمانے کے ان مظاہر کی عالمگیر واقعیت ہی معرفت حقیقت کی ناقابل تردید دلیل ہے :

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّھَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ اٰیَۃَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَۃَ النَّھَارِ مُبْصِرَۃً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ط وَکُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰہُ تَفْصِیْلًا ۝ (بنیٓ اسرآءیل ۱۷ : ۱۲) :

اور (دیکھو) ہم نے دن اور رات (کے مظاہر) کو (معرفت حقیقت) دو نشانیاں بنایا ہے ۔ چنانچہ رات کی نشانی کو ہم مدہم کر دیتے ہیں (تاکہ وہ تسکین افزا ہو جائے) اور دن کی نشانی کو روشن بناتے ہیں تاکہ تم اپنے پروردگار کے فضل (یعنی اس کی گونا گوں نعمتوں) کی طلب و جستجو کرو اور تاکہ سالوں کی گنتی اور حساب کا علم بھی حاصل کر لو اور (واقعہ یہ ہے) کہ ہم نے ہر چیز کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اصل یہ ہے کہ آسمان کی بلندیوں میں نورانی قندیلوں کی نظر افروزیاں ہوں یا زمین کی پہنائیوں میں دلکش مناظر کی بوقلمونیاں ، سمندر کی وسعتوں میں جہانِ نو کی حیرت انگیز نیرنگیاں ہوں ، یا فضا کی بیکرانیوں میں عجائباتِ قدرت کے نظارے ، اقوامِ عالم کے عروج و زوال کے آثار و نقوش ہوں یا ارتقاے حیات کے بصیرت افروز کرشمے ، حقیقت سب میں ہی جلوہ نما ہے ، لیکن اس کی معرفت کے لیے نظر کے التفات ، ذہن کی فکر اور دل کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے .

اس بحث سے مشاہدۂ آفاق کی نوعیت و کیفیت کو واضح طور پر سمجھ لینے کے علاوہ یہ بات بھی متحقق ہو گئی کہ حصولِ علم کے لیے مشاہدۂ آفاق نا گزیر ہے اور علم کا حاصل معرفت حقیقت ہے ، لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ علم کی تحصیل و تکمیل کے لیے مشاہدۂ آفاق اور مشاہدۂ انفسی دونوں ہی نا گزیر ہیں ۔ چنانچہ ایسے مؤقف کی صحت کو معیار قرآنی پر پرکھنے کے لیے ہم مشاہدۂ انفسی پر بحث کا آغاز کرتے ہیں .

مشاہدۂ انفسی :

مشاہدۂ انفسی سے مراد فطرتِ انسانی کے احوال و کوائف ، مقتضیات و مطالبات ، عواطف و امیال اور جذبات و احساسات اور ان کے قوانین کی واقعیت و صداقت سے معرفت حاصل کرنا ہے اور اس معرفت سے انسان میں وہ بصیرت پیدا ہوتی ہے جو اس نفسیاتی واقعیت میں حقیقت کا مشاہدہ کر سکتی ہے ۔ چنانچہ قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ یہ نفسیاتی واقعیت چونکہ آئینہ دار حقیقت ہے اس لیے اس کو چشم بصیرت سے دیکھنے سے انسان حقیقت کا مشاہدہ کر سکتا ہے :

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذّٰرِيٰت ۵۱ : ۲۰ تا ۲۱) :

اور (دیکھو) اہل یقین کے لیے زمین اور تمھارے نفسوں میں (معرفت حقیقت) کی نشانیاں ہیں ۔ کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے ہو ؟

ان آیات میں دوسرے نکات کے علاوہ اس واقعیت کی صداقت کو بھی آشکارا کیا گیا ہے کہ مشاہدۂ انفسی محال نہیں ، ممکن ہے ، اور اس سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان تمام نظریات کی از خود تردید ہو جاتی ہے جو مشاہدۂ انفسی کو ناممکن تصور کرتے ہیں ۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ مشاہدۂ انفسی محض امکانی امر نہیں ، بلکہ ایسی صداقت ہے جو وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے :

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ط أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ٥ (حٰم السجدة ۴۱ : ۵۳) :

جلد ہی ہم ان کو آفاق اور ان کے نفسوں میں (حقیقت کے) نشانات دکھائیں گے ، یہاں تک کہ ان پر پوری طرح ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہے ۔ کیا تیرے پروردگار کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا پوری طرح شاہد ہے ۔

اس آیت میں ایک اہم اور لطیف نکتہ بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اور وہ چونکہ فطرت کے ظاہر و باطن کے ہر منظر اور ہر چیز میں موجود ہے ، اس لیے انفس و آفاق دونوں ہی آئینہ دار حقیقت ہیں ۔ ہمارے اس استنباط نتیجہ کی حضرت علیؓ کے ایک مشہور مقولے سے بھی تصدیق ہوتی ہے :

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ :

جس شخص نے اپنے نفس کو پہچان لیا ، اس نے یقیناً اپنے رب کو پہچان لیا ۔

معرفتِ حقیقت کے سلسلے میں قرآن حکیم نے انسان کی توجہ کو ایک نہایت اہم نکتے کی طرف بھی مبذول کرایا ہے ، اور وہ یہ ہے کہ مشاہدۂ انفسی سے فطرت کے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے حقائق معلوم ہو جاتے ہیں ۔ دوسرے لفظوں میں اپنے نفس کے احوال و ظروف پر غور و فکر کرنے سے انسان کو نوامیس فطرت اور ان کی حقیقت کا عرفان ہوتا ہے :

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم قف مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ط

toobaa-elibrary.blogspot.com

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ٥

(الروم ۳۰ : ۸) :

کیا انھوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا ؟ (تاکہ ان پر یہ واقعیت عیاں ہو جاتی کہ) اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ، زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے حق (یعنی افادی مقصدیت) کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لیے پیدا کیا اور انسانوں میں سے اکثر اپنے رب سے ملاقات ہونے کے منکر ہیں .

اس آیت سے ثابت ہوا کہ موضوعی تفکر سے معروضی حقیقت کا عرفان ہوتا ہے - جب یہ واقعہ ہے کہ کائنات کی خارجیت و داخلیت ، یعنی آفاق و انفس کے حقائق میں مکمل ہم‌آہنگی اور وحدت پائی جاتی ہے تو پھر دین اور سائنس کے نظریات میں مغائرت یا تضاد کے پائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ؛ بلکہ قرآن حکیم کی رو سے تو ان دونوں کی اصل ایک ہی ہے ؛ اور ایک کے حقائق سے معرفت کا مطلب دوسرے کے حقائق کا عرفان ہے - لہٰذا یہ نتیجہ نکلا کہ کائنات کا خارجی یا داخلی کوئی گوشہ ہو ، اس میں جو بھی قوانین فطرت کام کر رہے ہیں وہ اصل کے اعتبار سے ایک ہی ہیں اور سبھی آئینہ دار حقیقت ہیں .

مشاہدۂ انفسی کی اصلیت کو قرآن حکیم نے ایک اور انداز میں بھی بیان کیا ہے - وہ کہتا ہے کہ وجودِ انسانی کے باطن میں روحِ الٰہی جلوہ گر ہے ، جس کے نور سے اس میں عقل و بصیرت کی شمع روشن ہے ؛ اور یہی شمع بصیرت ہے ، جو روحِ الٰہی کا ، جو اصل میں حقیقت ہے ، مشاہدہ کر سکتی ہے :

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ

toobaa-elibrary.blogspot.com

السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ط قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ o
(السجدة ۳۲ : ۷ تا ۹) :

(وہ خدائے برحق ہے) جس نے جو چیز بھی بنائی حسین بنائی اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا ، پھر اس کی نسل ایک خلاصہ سے ٹھہرائی ، جو کمزور پانی میں (آ جاتا ہے) ، پھر (اس کے عناصر میں) مطابقت و ہم‌آہنگی پیدا کرکے اسے صحیح انداز میں مکمل کیا اور اس میں اپنی روح سے پھونکا اور تمھارے لیے کان ، آنکھ اور دل و دماغ بنائے ، تم لوگ اس کا بہت کم شکر ادا کرتے ہو .

اس روحِ الٰہی کو قرآن حکیم نے فطرت سے تعبیر کیا ہے اور اپنی اس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کو بھی بنایا ہے :

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ق لا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ق لا o
(الروم ۳۰ : ۳۰) :

اپنی توجہ کو سچے دین کی طرف لگائے رکھ ، یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے انسانوں کی فطرت کو بنایا ہے ۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا ، یہی قائم رہنے والا دین ہے ، لیکن اکثر انسان ایسے ہیں جو اس واقعیت سے بے خبر ہیں .

اس آیت کے معنی و مضمرات پر غور و فکر کرنے سے ہم یہ نتیجہ مستنبط کر سکتے ہیں کہ انسان کی فطرت چونکہ فطرتِ الٰہی کے نمونے پر بنی ہوتی ہے اس لیے اپنی فطرت کو سمجھ لینے سے انسان فطرتِ الٰہی ، یعنی حقیقت کو بھی سمجھ سکتا ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہوا کہ مشاہدۂ انفسی سے معرفتِ حقیقت حاصل ہوتی ہے۔

ان تمام مباحث کو چھیڑنے سے ہماری غرض و غایت یہ تھی کہ یہ دکھایا جائے کہ آیا ہمارا یہ موقف کہ علم، حقیقی مشاہدہ و تجربہ سے حاصل ہوتا ہے، صحت پر مبنی ہے یا نہیں؟ چنانچہ قرآن حکیم کے دلائل و براہین سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ علم، حقیقی مشاہدہ و تجربہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

علم و ظن :

یہ بات چونکہ ثابت ہو چکی ہے کہ علم کے معنی معرفتِ حقیقت کے ہیں، اس لیے ہم اگر کسی شے کی ماہیت و حقیقت معلوم کیے بغیر اس پر حکم لگائیں تو یہ علم نہیں ظن ہوگا:

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ج وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا o (النجم ۵۳ : ۲۸) :

انہیں اس (حقیقت) کا کوئی علم نہیں، وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور بلا شبہہ ظن حق کے معاملے میں کچھ کام نہیں دیتا (یعنی ظن سے حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی)۔

ظن چونکہ ادراکِ حقیقت سے عاجز ہے اس لیے وہ انسان کی گمراہی کا موجب ہے۔ چنانچہ وہ انسان جو فن کاری کے بلند مقام پر پہنچ کر انسانیت کی رہنمائی کر رہا ہو، اگر ظنیات سے کام لے گا تو وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور اپنی فنی تخلیقات سے دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ لہٰذا علمی تحقیق کے بغیر کسی شے کو مطمح نظر اور لائحۂ عمل بنا لینا فن کار کے شایانِ شان نہیں :

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا o (بنی اسرآءیل ۱۷ : ۳۶) :

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اس (چیز) کے پیچھے نہ چل جس کا تجھے علم نہیں (یعنی جس کی حقیقت سے تو بے خبر ہے) - بلاشبہہ کان ، اور آنکھ ، اور دل و دماغ (جو حصولِ علم کے ذرائع ہیں) ان سب سے سوال کیا جائے گا .

علم اور حقیقت چونکہ لازم و ملزوم ہیں ، اس لیے الحق ، یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی منفرد و بے مثال حیثیت سے انکار کرنا بے علمی یا دوسرے لفظوں میں گمراہی کی دلیل ہے :

تَدْعُوْنَنِیْ لِاَکْفُرَ بِاللّٰہِ وَاُشْرِکَ بِہٖ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ زوَّاَنَا اَدْعُوْکُمْ اِلَی الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ o (المؤمن ۴۰ : ۴۲) :

تم مجھے یہ دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا (جو الحق ہے) انکار کروں اور (اس منفرد و بے مثال حقیقت سے انکار کر کے) اس کے ساتھ اس شے کو شریک ٹھہراؤں جس (کی حقیقت) کا مجھے علم نہیں ، اور واقعہ یہ ہے کہ میں تمھیں غلبہ و قوت والے ، مغفرت کرنے والے کی طرف بلاتا ہوں .

اس مختصر سی بحث کا حاصل یہ ہوا کہ فن میں ان نظریات کو داخل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ، جن کی بنیاد ظنیات پر رکھی ہوئی ہو ؛ لہٰذا فن کار ان مقدمات کو ترتیب دیتا اور انھیں اشیاء کو پیش کرتا ہے جن کی حقیقت کا اسے علم ہوتا ہے .

علم و عقل : ظن دماغ کا شغلِ بیکاری ہے ، لہٰذا آدمی شعوری اور غیر شعوری طور پر اس کا شکار ہو جاتا ہے ، لیکن قدرت نے انسان کو اس کے مضر اثرات سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے ایک ایسی قلبی قوت عطا کر رکھی ہے جسے عقل سے تعبیر کرتے ہیں - اس اعتبار سے عقل و علم کا آپس میں ناقابل انقطاع تعلق ہے اور اس تعلق کی نوعیت کو واضح طور سے سمجھنے کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل آیت کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

معانی و مضمرات پر غور و فکر کرنا ہوگا :

وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ

اِلَّا الْعَالِمُوْنَ ○ (العنکبوت ۲۹ : ۴۳) :

اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں ، لیکن انھیں اہلِ علم کے سوا کوئی نہیں سمجھتا .

اس آیت کریمہ کی روشنی میں ہم مندرجۂ ذیل نتائج مستنبط کر سکتے ہیں :

(الف) مثال سے اصل ، واقعیت اور حقیقت تک صرف اہلِ علم ہی پہنچ سکتے ہیں .

(ب) علم و عقل لازم و ملزوم ہیں ، اس لیے اہلِ علم ہی اصل میں عقلمند ہوتے ہیں .

(ج) علم سے عقل نشو و نما پاتی ہے اور اس کی روشنی میں مقدمات کو مرتب کرتی اور دلائل و براہین کے ذریعے انسانوں کو سود و زیاں سے آگاہ کرتی ہے .

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عقل بذاتِ خود کیا شے ہے ؟ قرآن حکیم اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ یہ قلب انسانی کی ایک قوتِ عاملہ کا نام ہے :

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ

بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى

الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ○

(الحج ۲۲ : ۴۶) :

کیا انھوں نے اس خطۂ ارضی میں سیر نہیں کی کہ ان کے لیے قلوب (یعنی دل و دماغ) ایسے ہو جاتے کہ ان کے ساتھ (حقائق کو) سمجھتے اور کان ایسے ہو جاتے کہ ان کے ساتھ (فطرت کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

آواز حق کو) سنتے - یقیناً یہ بات نہیں کہ ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں بلکہ ان کے سینوں میں جو قلوب ہیں ، وہ اندھے ہو جاتے ہیں .

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مشاہدے سے قلب میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جسے عقل کہتے ہیں ، اور مشاہدہ چونکہ حصولِ علم کا ایک ذریعہ بھی ہے ، اس لیے معلوم ہوا کہ عقل و علم کا ارتقاء ایک ہی قانون کا رہینِ منت ہے .

عقل چونکہ قلب کی ایک قوتِ عاملہ ہے ، اس لیے یہ اس کے انفعالات سے بھی جنھیں حواس پیدا کرتے ہیں ، متأثر ہوتی ہے ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی فکر و بصیرت سے برابر کام لیتی ہے اور پھر اپنی قوت اجتہاد سے جو فیصلہ کرتی ہے اس سے دل کو آ گاہ کرتی رہتی ہے - عقل انسانی اگرچہ طبیعی طور پر اپنا وظیفہ ادا کرنے پر مجبور ہے ، لیکن انسان اگر اپنی جہالت و شقاوت ، ظلم و عدوان یا کسی اور نفسیاتی بیماری کے سبب اس سے کام لینا چھوڑ دے تو وہ مفلوج اور ناکارہ ہو جاتی ہے ، اور ساتھ ہی علم کے نور سے محروم بھی ہو جاتی ہے ، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حالت ایک اندھے کی سی ہو جاتی ہے جو اپنے راستے اور اس کے نشیب و فراز کو دیکھ نہیں سکتا اور ضلالت و گمراہی میں سرگرداں رہتا ہے - اس قسم کی عقل رکھنے والے انسانوں کے نفسیاتی حقائق کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے :

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِى يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ط صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ o (البقرة ۲ : ۱۷۱) :

جن لوگوں نے (حق کو ماننے سے) انکار کیا ہے تو ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چرواہا جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے - یہ بہرے ، گونگے ، اور اندھے ہیں ، اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی .

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کا ارشاد ہے کہ عقل ، علم کے نور سے محروم ہو جائے تو محرومی بصیرت اور گمراہی اس کی قسمت کا لکھا بن جاتا ہے :

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ٥

(الروم ۳۰ : ۵۹) :

اللہ اسی طرح ان لوگوں کے قلوب پر چھاپ لگاتا ہے جو علم نہیں رکھتے ۔

عقل چونکہ قرآن حکیم کی نظر میں انسان اور دیگر حیوانات کے مابین حدِ فاصل اور مابہ‌الامتیاز خصوصیت ہے ، اس لیے ایسے لوگ جن کے دل و دماغ علم کے نور اور عقل کی بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں ، وہ حقیقت میں تمام حیوانوں سے بھی بدتر مخلوق ہوتے ہیں :

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ٥ (الانفال ۸ : ۲۲) :

بلاشبہ اللہ کے نزدیک سب سے بدترین حیوان وہ (انسان) ہیں ، جو بہرے گونگے ہیں ، جو عقل سے کام نہیں لیتے ۔

لیکن اس کے برعکس جو لوگ علم و عقل سے کام لیتے ہوئے عدل کی حسین راہ پر مستقل مزاجی سے گامزن رہتے ہیں ، اصل میں انسان بھی وہی ہوتے ہیں اور ان کی زندگانی بذاتِ خود حقیقت زندگی پر ایک زبردست دلیل ہوتی ہے :

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ٥

(اٰل عمرٰن ۳ : ۱۸) :

اللہ نے خود (اس واقعیت کی) شہادت دی ہے کہ اس کے سو کوئی اِلٰہ (معبود و مطلوب اور محبوب و مقصود) نہیں ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

فرشتے اور اہلِ علم بھی عدل و انصاف پر قائم رہتے ہوئے (اس واقعیت کی) گواہی دیتے ہیں کہ اس غلبہ و قوت والے حکیم کے سوا اور کوئی اِلٰہ نہیں ہے ۔

علم چونکہ حیاتِ انسانی کی تکمیل کرنے والے عوامل میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اہلِ علم کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ اس کا دامن مراد حقیقی نعمتوں سے معمور رہتا ہے ۔ ان کی زندگی چونکہ حقیقت کی آئینہ دار بھی ہوتی ہے ، اس لیے قرآن حکیم نے اہلِ علم کو "شہید" کے معزز لقب سے سرفراز کیا ہے :

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۙ (النساء ۴ : ۶۹) :

اور جس کسی شخص نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی تو یقیناً وہ ان لوگوں کا ساتھی ہوا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے ۔ اور وہ نبی ہیں ، صدیق ہیں ، شہید ہیں اور صالح لوگ ہیں (اور جس شخص کے ایسے ساتھی ہوں) تو کیا ہی اچھے ایسے ساتھی ہیں ۔

علم کی گمراہی کے عوامل : عالم بیشک حقیقت کا عارف و شاہد ہوتا ہے ، لیکن منزلِ مقصود تک وہی عالم پہنچا ہے جو راہِ حیات کو علم کی روشنی ہی میں طے کرتا ہے ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالم علم کی شمع رکھتے ہوئے زندگی کی تاریک راہوں کو کیوں اس کے بغیر طے کرنا پسند کرے گا ؟ قرآن حکیم اس سوال کا یہ جواب دیتا ہے کہ نفس انسانی میں ایک ایسی سحر انگیز قوت ہے جو انسان کو حقیقت سے بیزار کر کے اپنی پرستاری پر مائل کرتی رہتی ہے اور انسان اگر اس کا فریب کھا جائے اور اس کے سحر سے مسحور ہو کر اس کا پرستار بن جائے تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے علم کی شمع اس سحر کی تاریکیوں میں چراغ غول کی طرح نظر فریب بن جاتی ہے ، اور وہ حواس باختہ ہو جاتا ہے اور اس طرح اپنے علم کی گمراہیوں میں بھٹکنا ، اس کی قسمت کا لکھا بن جاتا ہے :

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ o (الجاثیة ۴۵ : ۲۳) :

کیا تو نے دیکھا کہ جو شخص اپنی خواہش کو اپنا اِلٰہ [3] یعنی معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے اور اللہ (اس کے نتیجے سے) اس علم پر گمراہ کرتا اور اس کے کان اور اس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیتا ہے ، پس اللہ کے بعد کون اسے ہدایت دے سکتا ہے ؟ تو کیا تم پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے ؟

عالم جس طرح حق کے مقابلے میں اپنی خواہشات نفسانی کی پرستاری کے سبب گمراہ ہو جاتا ہے ، اسی طرح وہ دوسروں کی خواہشات نفسانی کا تتبع کرنے سے بھی ضلالت و گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے ، اس لیے خواہشات نفسانی داخلی ہوں یا خارجی ، حق کے مقابلے میں ہرگز قابل التفات نہیں ۔ چنانچہ فن کار کو راہِ زندگی میں خواہ کتنی ہی دشواریوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے اس کی نظر ہمیشہ مرکز حقیقت پر ہی رہنی چاہیے ، تاکہ دنیا کے سود و زیاں یا خوف و رجا کا کوئی چھلاوا اس کی توجہ اپنی طرف منعطف نہ کر سکے :

وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ط وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَا لَكَ مِنَ

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○ (البقرۃ ۲ : ۱۲۰) :

اور یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب تک کہ تم ان کے دین کی پیروی نہیں کرو گے - کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے اور اگر اس علم کے بعد جو تمھارے پاس آ چکا ہے ، تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تمھارے لیے اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا .

نفس کی خواہش چونکہ انسان کا معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود بن کر اسے حق سے متنفر و سرکش بنا دیتی ہے ، اس لیے جب کسی قوم کے علما خواہشاتِ نفسانی کے پرستار بن جاتے ہیں تو وہ اپنے علم کی گمراہیوں میں صحیح راستے سے بھٹک کر مختلف پگڈنڈیوں پر ہو لیتے ہیں ، اور پھر ان میں سے ہر ایک اپنی ہی راہ کو صراطِ مستقیم تصور کرنے اور بتانے لگتا ہے - چنانچہ اس طرح اس کم نصیب قوم میں اختلافات و تضادات کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ، جو آخرکار اس قوم کی ہلاکت و بربادی کے عوامل بن جاتے ہیں - نفسیاتِ انسانی کے اس گراں بہا راز کو قرآن حکیم نے تاریخ انسانی کی ایک مشہور واقعیت کی صورت میں بیان کیا ہے :

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۚ وَاٰتَیْنٰهُمْ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ

toobaa-elibrary.blogspot.com

يَخْتَلِفُوْنَ ٥ (الجاثية ۴۵ : ١٦ تا ١٧) :

اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرآءیل کو الکتاب ، حکومت اور نبوت عطا کی ، اور پاکیزہ اور اچھی چیزوں سے انھیں روزی دی ، اور انھیں قوموں پر حقیقی فوقیت عطا کی اور اس نظام دین کے متعلق انھیں واضح دلیلیں دیں ۔ چنانچہ انھوں نے اس وقت تک اختلاف نہیں کیا ، جب تک کہ ان کے پاس علم باہمی حسد و بغض کے ساتھ نہیں آیا ۔ یقیناً تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں اختلاف کرتے ہیں .

اس تمام مباحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ فن کار کے لیے علم کی صفت سے متصف ہونا ناگزیر ہے ، کیونکہ اس کے بغیر اس کی شخصیت کی تکمیل نہیں ہو سکتی ؛ لیکن علم رکھنے کے باوجود فن کار کے لیے ضروری ہے کہ وہ حق کے مقابلے میں داخلی یا خارجی خواہش نفسانی کا کہا نہ مانے ، ورنہ علم خود اس کی گمراہی کا سبب بن جائے گا .

یہ بات معلوم کرنے کے بعد کہ علم سے اشیاء کی ماہیت و حقیقت کا ادراک و عرفان ہوتا ہے ، ذہن انسانی میں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس معرفت حقیقت سے انسان مستفید کیسے ہو سکتا ہے ؟ قرآن حکیم کا جواب یہ ہے کہ ”حکمت“ سے ۔ لہٰذا اب حکمت کے مفہوم اور فن کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے :

حکمت : امام راغب اصفہانیؒ نے حکمت کے یہ معنی لکھے ہیں :
”حکمت حکم سے ہے اور اس کے اصل معنی ہیں اصلاح کے لیے روک دیا اور حکمت کے معنی ہیں علم و عقل سے حق کو پا لینا“ ، (مفردات ، بذیل مادہ ح ک م) ، لیکن قرآن حکیم کی رو سے حکمت کا یہ مفہوم جامع نہیں ۔ اس کے مزاج کے مطابق حکمت کی جامع تعریف یہ ہو سکتی ہے :

”علم کی روشنی میں حال و مستقبل کے حقیقی تقاضوں کو سمجھنے اور پھر موقع و محل کے مطابق موزوں طریقے سے ان کو پورا کرنے کی صلاحیت کا نام حکمت ہے“ .

اس تعریف کے آئینے میں ہم دیکھتے ہیں کہ علم و حکمت ایک ہی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سلسلے کی دو کڑیاں ہیں اور ان کے ربط باہمی کی نوعیت وہی ہے جو ایمان اور عمل صالح کی ہے ۔ اس کی توجیہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جس طرح علم سے ادراک حقیقت ہو کر حاصل ایمان ہوتا ہے ، اسی طرح حکمت سے حق کے مطابق عمل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو کر نتیجہ صلاح کی صورت میں نکلتا ہے ۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ علم ، حکمت کے بغیر اور حکمت ، علم کے بغیر حیاتِ انسانی کو حقیقی فائدہ نہیں پہنچا سکتے ۔ اصل یہ ہے کہ علم و حکمت حقیقت زندگی کے دو پہلو ہیں اور ہر پہلو زندگی کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہے ۔

غور سے دیکھیں تو انسان کے تمام علوم کا منتہیٰ زندگی کے حقیقی تقاضوں کو سمجھنا اور اس کے تمام اعمال کا مقصود ان تقاضوں کی تشفی کرنا ہے ، لیکن مؤخرالذکر کام کو وہ چونکہ حکمت کی بدولت ہی سرانجام دے سکتا ہے ، اس لیے ثابت ہوا کہ حیاتِ انسانی کے نشو و ارتقا اور اس کی سکینت و مسرت ، نیز دیگر مادی و روحانی یا دنیوی و اُخروی فوائد کے لیے حکمت از بس ضروری ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اسے "خیراً کثیراً" سے تعبیر کیا ہے :

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚۖ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (البقرۃ ۲ : ۲۶۸ تا ۲۶۹) :

شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور سیاہ کاریوں کی ترغیب دیتا ہے ، مگر اللہ تمھیں اس راہ کی طرف بلاتا ہے جس میں اس کی مغفرت اور اس کے فضل و کرم کا وعدہ ہے ۔ اللہ بہت وسعت رکھنے والا اور بہت زیادہ علم رکھنے والا ہے ۔ وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کسی کو حکمت مل گئی تو

toobaa-elibrary.blogspot.com

یقیناً اس نے بہت زیادہ بھلائی حاصل کر لی ؛ اور ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو عقل و بصیرت رکھنے والے ہیں ۔

محولہٗ بالا آیات میں قرآن حکیم نے حکمت کا سرچشمہ علم کو بتایا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی عطاے حکمت کو اس کی صفت علم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے ۔ پہلی آیت کے آخری ٹکڑے "وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ" کے ساتھ دوسری آیت کے ابتدائی الفاظ "يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ" کو ایک ساتھ ملا کر پڑھنے سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ علم و حکمت کا ربط باہمی لاینفک و ناگزیر ہے ۔

حیاتِ انسانی کے فطری تقاضوں کی تشفی چونکہ حکمت ہی سے ممکن ہے ، اس لیے اس کی مسرت و طمانیت کا ایک فطری ذریعہ ہے ۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہی فن پارہ نوع انسانی کے لیے رحمت کا باعث ہوگا ، جو حکمت سے مملو ہوگا اور اس کی بہترین مثال خالقِ حقیقی کا بے مثال شاہکار قرآن حکیم ہے ۔ قرآن مجید چونکہ سر تا سر حکمت ہے اس لیے وہ سلیم الفطرت انسانوں کے لیے رحمت و شفا ، یعنی منفعت و مسرت ، امن و سلامتی ، رجائیت و ارتقاء اور نفسیاتی بیماریوں کا نسخہ ہے :

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط

(بنی اسرآءیل ۱۷ : ۳۹) :

یہ ان حکمت کی باتوں میں سے ہیں جو تیرے پروردگار نے تجھ پر وحی کی ہیں ۔

اور اس حکمت کی تأثیر یہ ہے کہ :

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ لا (بنی اسرآءیل ۱۷ : ۸۲) :

اور ہم قرآن میں سے وہ چیز اتارتے ہیں جس میں مؤمن ، یعنی سلیم الفطرت انسانوں کے لیے شفا اور رحمت ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور

الٓمّٓ ہ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ لا ھُدًی وَّ رَحْمَۃً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ہ لا (لقمٰن ۳۱ : ۱ تا ۳) :

یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں ، (جو) حسن کاروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں .

حکمت سے مملو شے چونکہ ہدایت ہوتی ہے اور ہدایت ، واقعیت و حقیقت کی آئینہ دار ہے ، اس لیے اللہ تعالٰی نے اس واقعیت کو ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن اس کی تنزیل ہے اور حامل قرآن اس کے رسول ہیں اور نیز وہ کامرانیِ حیات کی حسن راہ پر گامزن ہیں ، خود قرآن حکیم کو ہی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے :

یٰسٓ ج وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ لا اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ لا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ط (یٰسٓ ۳٦ : ۱ تا ۴) :

یٰسٓ : اور قرآن حکیم خود شاہد ہے کہ تو بلاشبہہ رسولوں میں سے ہے اور سیدھے راستے پر ہے .

اس سے یہ لطیف نکتہ بھی معلوم ہوا کہ جو شے حکمت کی آئینہ دار ہوگی وہ واقعیت و حقیقت پر بذاتِ خود دلیل ہوگی ۔ اس ضمن میں اللہ تعالٰی نے ایک اور حسین و بصیرت افروز دلیل سے کام لیا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ قرآن حکیم کی آئینہ داری حکمت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اسے اس خالقِ حقیقی نے نازل کیا ہے جو ”علیم و حکیم“ ہے :

وَ اِنَّکَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ عَلِیْمٍ ہ (النمل ۲۷ : ٦) :

اور بلاشبہہ تجھے قرآن ، حکیم و علیم کی طرف سے القا کیا جاتا

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے (یعنی تیرے دل پر اتارا جاتا ہے) .

اور

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ لا (ہود ۱۱ : ۱) :

الٓرٰ ـــــ یہ کتاب ہے جس کی آیتیں (اپنے مطالب و دلائل میں) مضبوط و مربوط کی گئیں ، پھر کھول کر واضح کر دی گئیں ۔ یہ اس کی طرف سے ہے جو حکمت والا ہے اور (ساتھ ہی) ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے .

فن کار چونکہ منصبِ شہادت پر قائم ہوتا ہے اس لیے اسے حقیقت و واقعیت کی تصدیق کرنا پڑتی ہے ۔ یہ اس کا ایک نہایت اہم اور مشکل فریضہ ہے ، جسے وہ علم و حکمت کی بدولت ہی خوش اسلوبی سے ادا کر سکتا ہے :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ o (اٰل عمرٰن ۳ : ۸۱) :

اور یاد کرو ، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ ہم نے تمھیں کتاب اور حکمت عطا فرمائی ہے ۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی دوسرا رسول تمھارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمھارے پاس موجود ہو تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی ۔ (یہ ارشاد فرما کر) اللہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

نے پوچھا : "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمّے داری اٹھاتے ہو ؟" ـــــ انھوں نے کہا : ہاں ! ہم اقرار کرتے ہیں ـ اللہ نے فرمایا : اچھا تو شاہد رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ شاہد ہوں .

اس آیت سے ثابت ہوا کہ علم و حکمت ہمیشہ حق کی تصدیق کرتے ہیں ـ حکمت چونکہ حقیقت کی مظہر و مصدق ہے اس لیے نوع انسانی کے قومی اور بین الاقوامی اختلافات کو مٹانے کا یہ ایک مؤثر و ناگزیر ذریعہ ہے :

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط (النحل ۱۶ : ۱۲۵) :

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور نصیحت کی حسین باتوں سے دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریق سے بحث کرو جو نہایت عمدہ اور حسین ہو .

اس تمام بحث کا ماحصل یہ نکلا کہ فن کار کی شخصیت کی تکمیل کے لیے حکمت ازبس ضروری ہے ، اس لیے فن کار کے لیے حکیم ہونا ناگزیر ہوا .

۵ - صلاحیت[۶] : فن کار کی تکمیل شخصیت کے لیے پانچویں شرط صلاحیت ہے ، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صلاحیت کے بغیر کوئی شخص حقیقی معنوں میں فن کار نہیں بن سکتا ، کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ کوئی فنی تخلیق اس وقت تک معرض وجود میں نہیں آ سکتی ، جب تک اس کے خالق میں تخلیقِ فعلیت کی صلاحیت نہ ہو :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط یَزِیْدُ فِی

toobaa-elibrary.blogspot.com

الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ o

(فاطر ۳۵ : ۱) :

سب حمد و ستائش اللہ کے لیے ہے جو آسانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے اور فرشتوں کو دو دو تین تین اور چار چار بازوؤں والے پیغامبر بنانے والا ہے۔ وہ تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے ـــ بلا شبہہ اللہ ہر شے (کی تخلیق کرنے پر) قدرت رکھتا ہے۔

خالق حقیقی چونکہ ہر شے کو تخلیق کرنے کی قدرت رکھتا ہے اس لیے جو شے چاہتا ہے، تخلیق کرتا ہے:

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ج وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ o (الروم ۳۰ : ۵۴) :

وہ جس شے کی چاہتا ہے، تخلیق کرتا ہے اور وہ بہت ہی علم والا اور بہت ہی قدرت رکھنے والا ہے۔

باری تعالیٰ چونکہ ہر شے کو بنانے پر قدرت رکھتا ہے، اس لیے وہ خلّاق ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط بَلٰى ق وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ o

(یٰسٓ ۳٦ : ۸۱) :

کیا وہ جس نے آسانوں اور اور زمین کی تخلیق کی، اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ان (یعنی انسانوں) ایسے (پھر) پیدا کر سکے، ہاں (وہ یقیناً ایسا کر سکتا ہے) اور وہ بہت بڑا خالق اور بہت زیادہ علم والا ہے۔

محولۂ بالا آیات کی رو سے ہمارا یہ موقف درست ثابت ہوا کہ فن کار کی تکمیل شخصیت کے لیے صلاحیت نہایت ضروری ہے، لیکن نوعیت کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعتبار سے صلاحیت دو طرح کی ہے ، فطری (یا وھبی) اور اکتسابی ۔ فطری صلاحیت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بنیادی حیثیت رکھتی ہے ، کیونکہ جس شخص میں فن کی فطری صلاحیت نہیں ہوتی وہ کبھی حقیقی فن کار نہیں بن سکتا ۔ اس امر کی توجیہ یہ ہے کہ کوئی شخص ہزار کوشش کے باوجود فطری شاعرانہ صلاحیت کے بغیر جو موزونیِ طبیعت سے عبارت ہے ، شاعری میں کمال نہیں حاصل کر سکتا ۔ اسی طرح مصور ہو یا موسیقار ، ادیب ہو یا سنگتراش ، فطری صلاحیت کے بغیر اس کا فن میں کمال حاصل کرنا امر محال ہے ۔ الغرض فن کی کوئی صنف ہو ، جب تک اس کے ساتھ کسی شخص کی فطری مناسبت نہ ہو وہ کبھی صحیح معنوں میں فن کار نہیں بن سکتا ۔

صلاحیت کی دوسری قسم اکتسابی ہے اور یہ اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ اس سے بھی فطری صلاحیت کا نشو و ارتقاء ہوتا ہے اور یہ خود مشق و مزاولت سے پیدا ہوتی ہے ۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ فطری صلاحیت ایک سچے ، مگر بے آب گوہر کی طرح ہے ، جو اکتسابی صلاحیت یا بالفاظِ دیگر مشق و مزاولت سے گوہر آبدار بنتی ہے ۔ لہٰذا فن میں کمال حاصل کرنے کے لیے فن کار میں وہبی اور اکتسابی دونوں طرح کی صلاحیتوں کا پایا جانا ضروری ہے ۔

اس ضمن میں یہ اہم نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حقیقی فن کار بننے کے لیے انسان میں دونوں قسم کی صلاحیتوں کا پایا جانا ضروری تو ہے ، لیکن اس کے ساتھ ان میں وحدت کا پایا جانا بھی ناگزیر ہے ، ورنہ ان سے مطلوبہ نتائج کا ظہور نہیں ہوگا اور فن کار فن میں کمال نہیں حاصل کر سکے گا ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض فن کار فطری اور اکتسابی دونوں طرح کی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود فن میں کمال حاصل نہیں کرتے ۔ اس جگہ اس امر کی صراحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ صلاحیتوں کی وحدت سے مراد یہ ہے کہ فن کار کی وہبی اور اکتسابی صلاحیتیں اعتدال و تسویہ کی حالت میں ہوں اور واقعہ یہ ہے کہ جب یہ دو قسم کی صلاحیتیں کمیت و کیفیت کے اعتبار سے متناسب و ہم آہنگ ہو جاتی ہیں تو ان میں خود بخود وحدت پیدا ہو جاتی ہے ، اور پھر اس وقت سے فن کار کی شخصیت میں اتقان و کمال پیدا ہوتا ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کمالِ شخصیت کا مکمل اظہار : ان تمام مباحث سے ثابت ہوا کہ محولۂ بالا پانچوں صفات فن کار کی تکمیل شخصیت کے لیے ناگزیر ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ فن کار باوجود کامل ہونے کے اس وقت تک اپنے فن میں کمال حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنے کمالِ شخصیت کا مکمل اظہار نہیں کرتا ۔ اس امر کی توجیہ یہ ہے کہ فن کار جب اپنی صفات ذاتی کو جامع طور پر اپنے فن پاروں میں منتقل کرتا ہے تو اسے کمالِ شخصیت کا مکمل اظہار کہتے ہیں ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فن کار کے کمالِ شخصیت کے اظہار کی کیفیت و کمیت پر ہی اس کے فن پاروں کی جمالیاتی قدریں منحصر ہیں، اور فن میں کمال پیدا کرنے کے لیے مکمل اظہار ناگزیر ہے۔

کمالِ شخصیت کے مظاہر جمال و جلال : اس جگہ اس امر کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ شخصیت انسانی کے کمال سے باطنی جلال و جمال پیدا ہوتا ہے جو مکمل اظہار کے بعد اس کی فنی تخلیقات میں منتقل ہو کر خارجی صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایک ناقد جلال و جمال کے ان مظاہر کی کیفیت و کمیت کو جانچ کر ہی فنی تخلیقات کی جمالیاتی قدروں کی تعیین کرتا ہے اور ان سے فن کار کے داخلی جمال و جلال یا کمالِ شخصیت کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جب قلب انسانی کو باری تعالیٰ کے باطنی جمال و جلال سے آشنا اور متأثر کرنا چاہتا ہے، تو اس کی توجہ کو فطرت کے خارجی مظاہر جمال کی طرف ہی منعطف کراتا ہے۔

انسانِ کامل : جمال اور جلال کے باہمی امتزاج سے چونکہ انسان کی شخصیت میں کمال پیدا ہوتا ہے اس لیے ثابت ہوا کہ وہی انسان حقیقت میں انسان کامل ہے، جس کی شخصیت جمال اور جلال دونوں کی آئینہ دار ہے ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ وہ تمام نظریات ناقص اور ادھورے ہوتے ہیں جو مردِ کامل کے لیے جمال و جلال میں سے صرف ایک مظہر کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۲) فنی تخلیق کا مواد اعلیٰ درجے کا ہو

کمالِ فن کی دوسری شرط یہ ہے کہ فنی تخلیق کی جس مواد سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

تشکیل کی جائے ، وہ جمالیاتی قدروں کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کا ہو ، اور مواد سے وہ عناصر ترکیبی مراد ہیں جن سے کوئی فنی تخلیق معرض وجود میں آتی ہے - فن کی چونکہ کئی ایک اصناف ہیں ، اس لیے ہر صنف کی فنی تخلیقات کے عناصر ترکیبی کا جداگانہ ہونا بھی ضروری ہے - اگرچہ فن کی تمام اصناف کو زیر بحث لانے میں کوئی حرج نہیں ، لیکن ایجاز و اختصار کے پیش نظر ہم صرف مندرجۂ ذیل دو اہم اصناف پر بحث کریں گے ، جن کے بنیادی اصول قریب قریب بقیہ تمام اصناف فن پر منطبق ہوتے ہیں :

ڈرامہ — اور — شاعری

ڈرامہ

ڈرامے کی کسی فنی تخلیق کے اہم اجزاء یہ ہیں :

(الف) نصب العین ؛ (ب) پلاٹ ؛ (ج) کرداراور (د) اسلوب .

(الف) نصب العین : باری تعالیٰ کی ہر تخلیق کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تخلیق بالحق ہے ؛ اور اس اصطلاح قرآنی کا مفہوم یہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ہر تخلیق میں کوئی نہ کوئی اعلیٰ افادی مقصدیت اور حکمت مضمر ہوتی ہے - اس کی ایک دلیل قرآن حکیم یہ دیتا ہے کہ باری تعالیٰ نے موجودات کی تخلیق کھیل اور تماشے کے موڈ میں نہیں کی ، بلکہ اس نے ہر شے کو حکیم و علیم مدبر الامور کی حیثیت سے ایک اعلیٰ نصب العین کے لیے پیدا کیا ہے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کی ہر تخلیق حسن و خوبی اور اعلیٰ افادی مقصدیت کی حامل ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ فن کار کی ہر فنی تخلیق ایک اعلیٰ نصب العین کے لیے ہونی چاہیے ، یعنی اس میں اعلیٰ افادی مقصدیت اور حکمت پائی جانی چاہیے .

باری تعالیٰ کی ہر تخلیق چونکہ ''بالحق'' ہے اور حق زمان و مکان سے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اپنی افادیت و حکمت میں عالمگیر دوامی حیثیت رکھتا ہے ، اس لیے فن کار کی فنی تخلیقات بھی افادیت و حکمت کے اعتبار سے عالمگیر دوامی قدروں کی حامل ہونی چاہییں - اللہ تعالیٰ کی حکمت کا چونکہ یہ خاصہ ہے کہ ہر شے موزوں اور حسین ہو ، اس لیے

toobaa-elibrary.blogspot.com

فن كار كى فنى تخليقات ميں جمالياتى قدريں بھى پائى جانى چاہييں ۔

اس بحث سے ثابت ہوا كہ وہى نصب العين حقيقت ميں اعلىٰ ہوگا جو زمانى ، نسلى ، ملى ، طبقاتى اور لسانى ہر قسم كى عصبيت كے اثرات سے پاک و منزہ ہو ۔ لہٰذا جو فنى تخليق اعلىٰ نصب العين كى حامل ہوگى ، وہ ہر زمانے اور ہر خطہٴ زمين كے كل انسانوں كے ليے ہوگى ۔

پلاٹ : پلاٹ كہانى اور مناظر پر مشتمل ہوتا ہے لہٰذا پلاٹ كے ان دونوں اجزاء پر علٰحدہ علٰحدہ بحث كى جاتى ہے ۔

كہانى مختلف صور حال (situations) واقعات و حادثات كے ايک مربوط سلسلے كا نام ہے ۔

ڈرامے كے كردار جب دفعةً ، پيچيدہ نازک يا خطرناک حالات سے دو چار ہوتے ہيں سے تو اصطلاح ميں صورت حال (situation) كہتے ہيں ۔ صور حال سے چونكہ ڈرامے ميں تعليق (suspense) اور عروج (climax) پيدا ہوتا ہے ليے اس يہ كہانى كے ايک جزو كى حيثيت ركھتى ہيں ۔

صورت حال كى نوعيت خواہ كچھ ہو ، ليكن نظر كے ليے تحيرانگيز اور دل كے ليے اہتزاز انگيز ضرور ہونى چاہييں ، اس ليے ان كا بوقلموں اور دلچسپ ہونا لازمى ہے ۔

صورت حال اپنى اصلى حيثيت ميں خواہ كتنى گھناؤنى ، كراہت انگيز اور ناسزاوار ديد ہو ، مگر ڈرامے ميں اسے اس طرح پيش كرنا چاہيے كہ جمالياتى ذوق پر گراں نہ گزرے ، اور اس غرض كے ليے لطيف اور مناسب حال استعارات و كنايات كا استعمال موزوں رہتا ہے اور اس كى بہترين مثاليں ہميں قرآن حكيم ميں ملتى ہيں ؛ مثلاً سورۂ يوسف جو نصب العين ، پلاٹ ، كردار نگارى اور اسلوب بيان كے اعتبار سے بے مثال ہے اور اس ليے احسن القصص كہلاتى ہے ، بہترين صور حال كا مرقع ہے ؛ اور اسى ليے اس ميں ڈراميت يا تمثيليت اپنے بہترين انداز ميں جلوہ گر ہے ۔ اس حسين كہانى سے ايک صورت حال پيش كى جاتى ہے ۔

مصر كى عظيم الشان سلطنت كے عزيز يا وزير اعظم كى حسين و نوجوان بيوى اپنے جمال دلآويز كى دلكشيوں اور نوخيز شباب كى جاذبيتوں كے ساتھ اپنے شبستان ميں جلوہ افروز ہے ۔ اس كے دل ميں جذبات محبت كے طوفان امڈ

toobaa-elibrary.blogspot.com

رہے ہیں اور وہ صہبائے عشق کی سرمستیوں میں نسوانیت کی سرحد سے نکل کر بے باک و نڈر ہو چکی ہے ، لیکن اس کا دل اپنے خوبرو جوان رعنا محبوب کی بے التفاتی سے داغدار ہے - وہ اس کی بے التفاتی کو گرویدگی اور پرستاری میں بدلنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھی ہے اور اس غرض کے لیے وہ اپنے محبوب ، یعنی حضرت یوسف[ؑ] کو اپنے خلوت کدے میں بلاتی ہے - جب وہ تشریف لاتے ہیں تو تمام دروازے بند کر لیتی ہے اور آغوشِ محبت کو ان کے لیے وا کر دیتی ہے - حسن و شباب کی اس سحرانگیز فضا میں نوجوان پیغمبر زادے کا دل مسحور ہوتے ہوتے بچ جاتا ہے اور وہ ملکۂ حسن سے اپنا دامن چھڑا کر دروازے کی طرف بھاگتا ہے - وہ بھی زخمی شیرنی کی طرح اس کا تعاقب کرتی ہے اور اسے دروازے پر جا لیتی ہے اور پیچھے سے اس کی قمیض پکڑ لیتی ہے تاکہ وہ دروازہ کھول کر بھاگ نہ جائے - حضرت یوسف[ؑ] لپک کر دروازہ کھول لیتے ہیں ، لیکن جب وہ باہر نکلنا چاہتے ہیں تو جھٹکے سے ان کی قمیض پھٹ جاتی ہے اور عین اس وقت اور اسی مقام پر عزیز مصر نمودار ہوتا ہے - اس صورت حال (situation) کو قرآن حکیم نے اپنے اعجاز بلاغت سے اس طرح بیان کیا ہے :

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ج وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَنْ رَّأَ بُرْهَانَ رَبِّهِ ط كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ط إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ٥ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ط (یوسف ۱۲ : ۲۳ تا ۲۵) :

اور اس عورت نے جس کے گھر میں وہ (یعنی یوسف[ؑ]) تھا ، اسے اپنے ارادے سے پھیر دینا چاہا (یعنی اسے اپنی طرف ملتفت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کرنا چاہا) ۔ چنانچہ اس نے (ایک دن) دروازے بند کر لیے اور بولی ''لو آؤ'' ۔ یوسفؑ نے (یہ دیکھ کر) کہا : معاذ اللہ ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی) ، میرے رب نے بلاشبہہ میرا مقام حسین بنایا ہے ، (چنانچہ) ظالم کبھی مراد کو نہیں پہنچتے ۔

اور واقعہ یہ ہے کہ وہ عورت یوسفؑ کی طرف ملتفت ہوئی اور (ایسی صورت حال پیدا ہو چکی تھی کہ) وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ، اگر وہ اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل نہ دیکھ لیتا ۔ یہ صورت حال ایسی اسی لیے ہوئی تاکہ ہم برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں ۔ بے شک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لیے چن لیے گئے ۔

اور پھر وہ دونوں (ایک دوسرے کے پیچھے) دروازے کی طرف بھاگے تاکہ وہ ایک دوسرے سے پہلے پہنچ جائیں اور اس عورت نے (اسے پکڑ کر تھامنے کے لیے) اس کی قمیض پیچھے سے پھاڑ ڈالی اور (پھر اچانک) دونوں نے دیکھا کہ عورت کا شوہر دروازے پر کھڑا ہے ۔

یہ صورت حال (situation) جو ہر اعتبار سے بے مثال ہے عروج کے بعد زوالِ عروج (anti-climax) نہیں پیدا کرتی ، بلکہ اس قسم کی تعلیق پیدا کرتی ہے جس سے کہانی میں انتہائی عروج پیدا ہو گیا ہے ، مثلاً عزیز مصر جب اپنی بیوی اور حضرت یوسفؑ کو ایسی حالت میں دیکھتا ہے تو وہ ششدر رہ جاتا ہے اور پیشتر اس کے کہ وہ کچھ کہے سنے ، عورت جھٹ بول اٹھتی ہے : ''یہ بتا کہ جو آدمی تیری بیوی کے ساتھ بری بات کا ارادہ کرے ، اس کی سزا کیا ہونی چاہیے ؟ کیا یہ نہیں ہونی چاہیے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا (کوئی اور) درد ناک سزا دی جائے ۔''[۸]

قران حکیم نے اس جگہ صرف ایک صورت حال سے عروج ، تعلیق اور عروج مکرر پیدا کر کے انسان کے لیے نہ صرف ڈرامیت کی ایک بہترین مثال قائم کی ہے بلکہ صورت حال کی اصل حقیقت کو بھی واضح کر دیا ہے ۔ یہ صورت حال اس واقعیت کی بھی آئینہ دار ہے کہ عشق و محبت کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

سرمستیوں ، جذب و انجذاب کی بے قراریوں اور جذبات کی وارفتگیوں کو استعارات و کنایات میں بیان کرنے سے اس کے حسن و خوبی اور اثر و نفوذ میں اضافہ ہو جاتا ہے .

واقعات و حادثات : کہانی کی تشکیل چونکہ صورِ حال اور واقعات و حادثات سے ہوتی ہے ، اس لیے مؤخرالذکر بھی کہانی کے ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتے ہیں — بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صورِ حال کہانی کا تانا اور واقعات و حادثات اس کا بانا ہیں ، اس لیے ان دونوں کا آپس میں پوری طرح سے مربوط ہونا ضروری ہے تاکہ وقت و مقام کے اعتبار سے بھی ان میں کوئی تناقض نہ پایا جائے .

واقعات و حادثات کو ہر حال میں دل چسپ ، حیرت افزا اور بصیرت افروز ہونا چاہیے اور اس کے لیے ان میں بوقلمونی اور ندرت کا پایا جانا ضروری ہے .

واقعات و حادثات نوعیت کے اعتبار سے چاہے اصولی ہوں یا فروعی اور حقیقت میں گھناؤنے ، عریاں اور مبتذل کیوں نہ ہوں ، لیکن ان کو کہانی میں ایسے پاکیزہ انداز میں پیش کرنا چاہیے کہ جمالیاتی ذوق یا مذاق سلیم پر گراں نہ گزریں اور اس کی بہترین مثالیں ہمیں قرآن حکیم میں ملتی ہیں ، مثلاً حضرت آدمؑ ، حضرت لوطؑ ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ کے حالاتِ زندگی میں ، جس طرح انھیں قرآن حکیم نے پیش کیا ہے - انھیں وجوہ کی بنا پر حضرت یوسفؑ کی کہانی کو اس نے "**احسن القصص**" کہا ہے .

مناظر : جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے پلاٹ کے دو اجزائے ترکیبی ہیں : کہانی اور مناظر - کہانی کا بیان گزر چکا ہے ، لہٰذا اب مناظر پر قرآن حکیم کی روشنی میں بحث کی جائے گی .

مناظر نوعیت کے اعتبار سے دو طرح کے ہیں : زمانی اور مکانی - زمانی مناظر سے مراد وہ نظارے ہیں جن کا تعلق وقت سے ہوتا ہے - چنانچہ اس لحاظ سے وہ تغیر پذیر ، آنی اور فانی ہوتے ہیں ، لیکن اس کے برعکس مکانی مناظر چونکہ خاص جگہوں سے تعلق رکھتے ہیں ، اس لیے عام طور پر دیرپا اور غیر متغیر ہوتے ہیں .

toobaa-elibrary.blogspot.com

مناظر کو واقعیت و حقیقت کے مطابق ہونا چاہیے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کی زمانی اور مکانی دونوں حیثیتوں میں ہم آہنگی پائی جائے۔

بوقلمونی چونکہ وجہ جاذبیت ہے، اس لیے پلاٹ کو حسین و دلچسپ بنانے کے لیے مناظر کا رنگِ اختلاف سے مزین ہونا ضروری ہے، لیکن مناظر کے اختلاف میں بحیثیت مجموعی مطابقت و ہم آہنگی کا پایا جانا بھی لازمی ہے اور اس کی حسین مثالیں اس عالمِ رنگ و بو میں ملتی ہیں۔

عریانی و ابتذال چونکہ سلیم طبائع پر ناگوار گزرتے ہیں اس لیے مناظر کو ان سے بے رنگ ہونا چاہیے۔

منظر نگاری کی بے نظیر مثالیں ہمیں قرآن حکیم میں خصوصیت کے ساتھ ان آیات میں ملتی ہیں جو مناظر جنت سے متعلق ہیں۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ پلاٹ، ڈرامے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اسے لازماً اعلیٰ پائے کا ہونا چاہیے؛ نیز وہی پلاٹ حقیقت میں اعلیٰ ہوگا، جو کہانی اور مناظر دونوں اعتبار سے اعلیٰ ہو اور اس کی حسین مثال ہمیں احسن القصص میں ملتی ہے۔

کردار: تمثیل کے جسد بے جان میں کردار کی حیثیت روح کی سی ہوتی ہے، اس لیے ڈرامے کا ہر کردار، زندگی، حرکت اور ہوش کا حقیقی مظہر ہونا چاہیے اور اسے نمودار ہوتے ہی اپنی ہستی کا احساس دلانا چاہیے اور یہ احساس شروع سے آخر تک قاری کے دل میں رہنا چاہیے۔

زندگی بہرحال دلکش و جاذبِ نظر ہے اس لیے کردار، ابلیس، نمرود اور فرعون کی طرح شیطانی ہوں، یا حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح انسانی، انھیں ہر حال میں زندہ حقیقی انسانوں کی طرح پیش کرنا چاہیے تاکہ قوت و حرکت کے اظہار سے ان کی شخصیت میں دلکشی و جاذبیت پیدا ہو سکے۔

عالم ہستی کے اسٹیج پر جو کردار بھی نمودار ہوتا ہے، وہ شکل و شباہت، لب و لہجہ، حرکات و سکنات، اخلاق و عادات، مذاق و مزاج، الغرض ہر شے میں دوسرے کرداروں سے مختلف ہوتا ہے، لہٰذا اسی طرح ہر ڈرامے کا کردار دوسرے کرداروں سے مختلف ہونا چاہیے، لیکن

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس طرح نسل انسانی کے افراد اختلاف و تضاد رکھتے ہوئے بھی فطری طور پر آپس میں ایک طرح کی مشابہت و مماثلت رکھتے ہیں ، اسی طرح ڈرامے کے کرداروں کے تضاد و تخالف میں بھی فطری مشابہت و مماثلت کا رنگ جھلکتا نظر آنا چاہیے ۔

زندگی ایک حقیقت ہے اور حقیقت تصنع کی حریف ہے ، لہٰذا ڈرامے کے ہر کردار کی زندگی کا ہر گوشہ رنگ تصنع سے نا آشنا ہونا چاہیے ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے ہر حال میں حقیقی یا اصلی نظر آنا چاہیے نہ کہ نقلی و وضعی ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے سلسلۂ حیات کی ہر کڑی دوسری کڑی سے مضبوطی سے جڑی ہوئی ہو اور یہ ربط و ضبط ہر حال میں وحدت و ہم آہنگی کا آئینہ دار ہو ۔

ڈرامے میں بعض اوقات ایسا کردار بھی ہوتا ہے جو پس منظر میں رہتا ہے ، لیکن ایسے کرداروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ آنکھوں سے اوجھل رہ کر بھی اپنی شخصیت اور موجودگی کا برابر احساس دلاتے رہیں ۔

جمود ، زندگی کی جاذبیت و دلکشی کا دشمن ہے ، اس لیے ڈرامے کو جمود کی بے کیفی اور بوریت سے بچانے کی برابر کوشش کرنی چاہیے ۔

الغرض ، ڈرامے کے کردار ہر حال میں زندہ انسانوں کی طرح زندگی سے بھرپور ، آزاد اور حقیقی ہونے چاہییں اور انھیں اس حقیقی انداز میں پیش کرنا چاہیے ، جس طرح قرآن حکیم نے مختلف کرداروں کو پیش کیا ہے ۔

اسلوب : کسی فنی تخلیق کے عناصر کی ترکیب و تشکیل کے طریقے کو اسلوب کہتے ہیں ، لیکن قرآن حکیم پر غور و فکر کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلوب کی یہ تعریف ناقص ہے کیونکہ اس میں ایک نہایت اہم چیز چھوڑ دی گئی ہے اور وہ ہے تسویہ و تعدیل کا عمل جو اسلوب کا ضروری جزو ہے ۔ لہٰذا قرآن حکیم کی رو سے اسلوب سے مراد کسی فنی تخلیق کے عناصر کو متناسب و ہم آہنگ صورت میں پیش کرنے کے طریق سے ہے ۔ اسلوب کی غیر قرآنی اور قرآنی تعریفوں میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر صرف ترکیب و تشکیل کے طریق عمل تک ہی محدود ہے جب کہ مؤخرالذکر تعریف میں ترکیب و تشکیل کے علاوہ تسویہ و

toobaa-elibrary.blogspot.com

تعدیل کے طریق عمل کو بھی ضروری سمجھا گیا ہے ۔ ظاہر ہے جس اسلوب سے کسی پیکر تخلیق کے عناصر ترکیبی میں تناسب و ہم آہنگی پیدا ہو ، وہ یقیناً ہر لحاظ سے احسن و اعلیٰ ہوگا ۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلوب کی تعریف جو قرآن حکیم کی روشنی میں کی گئی ہے اتنی جامع ہے کہ اس پر مزید کچھ لکھنا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا ۔ اس سلسلے میں یہ بات دہرا دینی کافی ہے کہ کسی فنی تخلیق کا مواد خواہ کتنا ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو ، اگر فن کار کا اسلوب ، اسلوب قرآنی نہیں ہوگا تو فنی تخلیق ہرگز اعلیٰ اور حسین نہیں ہو سکتی ۔

ان تمام مباحث سے ثابت ہوا کہ ڈرامے کے چاروں ضروری اجزا ، یعنی نصب العین ، پلاٹ ، کردار اور اسلوب کا ہر حال میں حسین اور اعلیٰ ہونا ناگزیر ہے ۔

شاعری

قرآن حکیم کا ارشاد ہے : "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا"[9] : یعنی لوگوں کے لیے حسین بات کہو ۔ لہٰذا بات نثر میں ہو یا نظم میں ، رنگوں اور خطوں میں ہو یا آواز کے زیر و بم میں اسے بہر صورت حسین ہونا چاہیے ۔ شعر میں حسین بات کہنے کے لیے ضروری ہے کہ شعر کا مواد یا اس کے عناصر ترکیبی حسین اور اعلیٰ درجے کے ہوں اور شعر کے ضروری عناصر ترکیبی چار ہیں : تخیّل یا فکر ، الفاظ ، وزن اور اسلوب ۔ اسلوب کی بحث چونکہ پہلے گزر چکی ہے لہٰذا اس کے سوا باقی سب پر فرداً فرداً بحث کریں گے ۔

تخیّل یا فکر : قلب جب ایک معین مقصد کے لیے صحیح خط پر سوچتا ہے تو اس سوچ کو فکر کہتے ہیں ، لیکن جب وہ کسی معین مقصد اور صحیح خطوط کی پروا کیے بغیر سوچتا ہے تو اس سوچ کو تخیل سے تعبیر کرتے ہیں ۔ چنانچہ تخیل جتنا زیادہ طاقت ور ہوتا ہے ، حقیقت و واقعیت کے خطوط سے اسی قدر زیادہ تجاوز کر جاتا ہے اور اسی میں اس کی سحر انگیزی کا راز مضمر ہے ؛ اور سحر ان لوگوں کی گمراہی کا باعث بن جاتا ہے جو اس سے مسحور ہو کر گمراہ تخیّل کی بے راہ روی کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

تقلید کرنے لگتے ہیں ۔ اس واقعیت کو قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے :

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِىْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (الشعرآء ۲۶ : ۲۲۴ تا ۲۲۶) :

اور شاعر — تو ان کی پیروی وہ لوگ کرتے ہیں جو گمراہ ہوتے ہیں ، کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ (عالم خیال کی) ہر وادی میں سرگرداں رہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو وہ کہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے ۔

ان آیات میں قرآن حکیم نے ایک نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ تخیل یا صاحبِ تخیل کی پیروی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو جادۂ حق سے پہلے ہی بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں ۔ منطق کی رو سے دیکھا جائے تو یہ بات بالکل قرین صواب ہے کیونکہ کوئی عقل مند شخص صحیح راستے کو جانتے بوجھتے غلط راہ اختیار نہیں کر سکتا ، بلکہ غلط راستے کو وہی شخص اختیار کرتا ہے جو صحیح راستے سے بے خبر ہوتا ہے ۔

محولۂ بالا آیات کی روشنی میں مندرجۂ ذیل مقدمات کو مرتب کیا جا سکتا ہے :

(۱) شاعر اس وجہ سے حیاتِ انسانی کی رہنمائی نہیں کر سکتا کہ اس کا تخیّل راہ مستقیم سے بھٹکا ہوا ہوتا ہے ۔
(۲) اور راہ گم کردہ لوگ ہی ایسے شاعروں کے کلام کو اپنا لائحۂ عمل بناتے ہیں ۔
(۳) شاعر اس وجہ سے بھی مسند رہبری کا سزاوار نہیں کہ وہ اپنے مقولات پر خود عمل نہیں کرتا ۔

ان مقدمات کی رو سے آسانی سے یہ نتائج مستنبط کیے جا سکتے ہیں :

(۱) شعر جو تخیل کے بجائے فکر کا حاصل ہو ، اس پر عمل

toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اور شاعر جو مفکر ہو اور اس کے ساتھ اپنے نتائجِ فکر کی صحت پر یقین کامل رکھتا اور عمل کرتا ہو، رہبری کا سزاوار ہو سکتا ہے۔

(۳) شعر اگر تخیّل کا حاصل ہوگا تو وہ حقیقت سے بے تعلق اور سحر انگیز ہونے کے سبب حیات انسانی کی رہنمائی کرنے کے قابل نہیں ہوگا، لیکن اس کے برعکس اگر وہ نتیجۂ فکر ہوگا تو وہ حقیقت کا آئینہ دار ہوگا، اس لیے اسے فکر و عمل کے لیے نشانِ راہ بنایا جا سکتا ہے۔

شعر کے متعلق زمانۂ قدیم سے اہل نقد و نظر کا عموماً یہ نظریہ رہا ہے کہ اسے محض تخیّل کی سحر طرازیوں کا آئینہ دار ہونا چاہیے، چنانچہ مبالغے کو اسی لیے محاسنِ شعر میں سے شمار کیا جاتا رہا ہے؛ لیکن فن میں مقصدیت کو ماننے والے علمائے جمالیات کی نظر میں چونکہ ہر فنی تخلیق کا ''بالحق'' ہونا ضروری ہے، اس لیے آئینہ داریِ حقیقت شعر کی لازمی خصوصیت ہوئی، بالفاظِ دیگر اس مکتبِ فکر کی رو سے شعر کو تخیّل کے بجائے فکر، یعنی بامقصد تخیل کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک اس مکتبِ فکر کا نظریۂ شعر قرآن حکیم کی رو سے صحیح اور درست ہے۔ لہٰذا شعر تخیّل کے بجائے فکر، یعنی بامقصد تخیل کی تخلیق ہونا چاہیے؛ اور فکر حسین ہونی چاہیے۔ قرآن حکیم کی رو سے اس فکر کو حسین کہیں گے جو حسن کی صفات کی آئینہ دار ہوگی، مثلاً بوقلمونی، موزونیت فنی جامعیت، اور پاکیزگی کی۔ اس موضوع پر چونکہ گزشتہ باب میں مفصل بحث گزر چکی ہے لہٰذا اعادہ تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا۔

الفاظ: محاسنِ شعر میں حسنِ فکر کے بعد حسن الفاظ کا درجہ ہے، اور الفاظ خارجی اور داخلی دونوں اعتبار سے حسین ہونے چاہئیں۔ الفاظ کے خارجی یا صوری حسن سے مراد یہ ہے کہ الفاظ مضمون کی نوعیت اور موقع و محل کے لحاظ سے جمالی و جلالی صفات کے آئینہ دار ہوں اور صوتی اعتبار سے مترنم ہوں، یعنی نطق سے نکلتے وقت ان سے غنایت و نغمگی کی موجیں رواں ہوں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

الفاظ کے داخلی یا معنوی حسن سے مراد یہ ہے کہ وہ معنی و مفہوم کے لحاظ سے ایسے متناسب و ہم‌آہنگ ، موزوں اور بلیغ ہوں کہ دل میں اترتے چلے جائیں اور انسان کو ایسا محسوس ہو کہ وہ اس کی روح کی صدائے بازگشت ہیں ۔ الغرض الفاظ کو حسن خارجی اور حسن معنوی دونوں کا آئینہ دار ہونا چاہیے ۔

وزن : وزن شعر کی لازمی خصوصیت ہے ، کیونکہ اس سے شعر میں موزونیت پیدا ہوتی ہے جسے موسیقی کی اصطلاح میں "لے" سے تعبیر کرتے ہیں اور لے ہی‌میں نغمگی و غنایت کا راز مضمر ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وزن ہی سے شعر میں موسیقیت پیدا ہوتی ہے ۔ یہ واقعہ ہے کہ موسیقیت ہی شعر میں رس گھولتی اور لذت پیدا کرتی ہے ، چنانچہ اس کے بغیر شعر اس پھل کی طرح ہے جو بے رس اور بے مزہ ہو ۔ اصل یہ ہے کہ کوئی شے اپنی تکوین و تخلیق کے اعتبار سے حسین نہیں ہو سکتی ، جب تک اس کے عناصر تخلیق میں وزن نہ ہو ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ کی ہر تخلیق میں جو ہر اعتبار سے حسین ہوتی ہے ، وزن پایا جاتا ہے اور یہ حسن آفرینی کا ناگزیر ذریعہ بھی ہے ۔ لہٰذا شعر میں وزن کا پایا جانا لازمی ہوا ۔

اسلوب : اس پر بحث ڈرامے کے عنوان کے تحت گزر چکی ہے ۔

(۳) فنی تخلیق کی شکل و صورت حسین ہو

ہم کسی گزشتہ باب میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حسن صورت کسی ایک ڈیزائن پر منحصر نہیں ۔ لہٰذا فنی تخلیق کا کوئی ڈیزائن ہو اس کے خد و خال میں تناسب و ہم‌آہنگی کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ اس میں نظر کے لیے جمال و جلال پیدا ہو سکے ۔

اس اعتبار سے صورت‌گری میں سب سے اہم شے یہ ہوئی کہ فنی تخلیق کے عناصر ترکیبی میں ایسی مناسبت و ہم‌آہنگی پیدا کی جائے جیسی کہ فطرت کی ہر شے میں پائی جاتی ہے ، خصوصاً صورتِ انسانی میں جو سب سے زیادہ حسین اور حسن صورت کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔ اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ فنی تخلیق کی کوئی بھی شکل و صورت ہو ، مگر اس

toobaa-elibrary.blogspot.com

پر فن کار کی شخصیت کی مہر ضرور ثبت ہونی چاہیے ، کیونکہ اس سے فن میں انفرادیت اور امتیازی خصوصیت پیدا ہوتی ہے .

(۴) فنی تخلیق سے جو نتیجہ مرتب ہو وہ ہر اعتبار سے بہترین ہو

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر شے کی افادیت و مضرت کا اندازہ اس کے نتیجے سے لگایا جاتا ہے اور اس اصول کی عالمگیر صداقت پر خود قرآن حکیم شاہد ہے ، کیونکہ اس کے اپنے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد بھی اسی اصول پر رکھی ہوئی ہے ۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ اس نے شراب اور جوئے کو اسی اصول کی بنا پر حرام قرار دیا ہے :

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ز وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط

(البقرۃ ۲ : ۲۱۹) :

تم سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں ۔ کہہ دو کہ ان میں لوگوں کے لیے بہت زیادہ نقصان ہے اور فائدے ہیں ، لیکن ان دونوں کے نقصان ان کے فوائد سے (بلحاظ کیفیت و کمیت) بہت زیادہ ہیں .

یہ اصول چونکہ اپنی صداقت میں ہمہ گیر حیثیت رکھتا ہے اس لیے اس کا اطلاق فن پر بھی ہوتا ہے ؛ لہٰذا کمالِ فن اس بات کا متقاضی ہے کہ فنی تخلیق سے جو نتیجہ مرتب ہو وہ ہر اعتبار سے بہترین ہو .

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب چہاردہم

۱- وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ٥ (القلم ٦٨ : ۴) :

اور (اے پیغمبرؐ) آپ بلا شبہہ بہت بڑے ُخلق پر ہیں .

۲- ربوبیت کے معنی کسی شے کو اس کے احوال و مقتضیات کے مطابق موزوں طریق سے نشوونما دیتے ہوئے پایۂ تکمیل کو پہنچانا ہے - چنانچہ مفردات راغب میں اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں :

ھُوَ انشاءُ الشَیْءِ حالاً فحالاً اِلٰی حَدِّ التمام

ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دینا یہاں تک کہ وہ اپنی حد کمال کو پہنچ جائے .

۳- (۱) وَ لَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَھُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ٥ (الزخرف ۴۳ : ۹) :

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تو وہ یہ بات ضرور کہیں گے کہ انھیں بہت طاقتور ، بہت زیادہ علم والے نے پیدا کیا .

اور

(۲) اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ (الحجر ۱۵ : ۸٦) :

بے شک تیرا پروردگار بہت بڑا خالق علم رکھنے والا ہے .

اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

(۳) اَوَلَیسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ ط بَلٰی ق وَھُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ o (یٰسٓ ۳۶ : ۸۱) :

کیا وہ جس نے آسانوں اور زمین کو پیدا کیا ، اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ وہ ان کی مثل پیدا کرے؟ ہاں ، اور وہ بہت بڑا خالق ، بہت زیادہ علم والا ہے .

۴۔ اس آیت کی رو سے اِلٰہ کے معنی ایسی محبوب ہستی کے ہوئے جس کا کہا ، بلا جانے بوجھے اور بغیر سوچے سمجھے برضا و رغبت مانا جائے ، اس بنا پر میں اِلٰہ کا ترجمہ : معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود کیا کرتا ہوں .

۵۔ محسن کے معنی میں نے حسن کار سیاہ کار کی رعایت سے کیے ہیں ۔ اس کے علاوہ محسن چونکہ حسن سے مشتق ہے اس لیے میرے نزدیک حسن کار کی اصطلاح دوسرے الفاظ کی بہ نسبت زیادہ جامع اور موزوں ہے .

۶۔ قدرت کا لفظ اردو زبان میں چونکہ عام طور پر ذات باری تعالٰی کے ساتھ مخصوص سمجھا جاتا ہے ، اس لیے میں نے قدرت کے بجائے "صلاحیت" کا لفظ استعمال کیا ہے .

۷۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف ۱۲ : ۳) :

ہم تجھے حسین ترین کہانی سناتے ہیں .

۸۔ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ o (یوسف ۱۲ : ۲۵) :

۹۔ البقرۃ ۲ : ۸۳ .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب پانزدہم

فن اور حقیقت

کمال فن کی شرائط کے عنوان کے تحت یہ معلوم کیا جا چکا ہے کہ فن کے لیے آئینہ دار حقیقت ہونا لازمی ہے - حقیقت اگرچہ کثیر الاستعمال لفظ ہے ، لیکن پھر بھی اس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

ہم چونکہ وہاں اس لفظ کے مفہوم کو موقع و محل کی مناسبت سے مجمل طور پر بیان کرنے پر مجبور تھے ، لہٰذا اس جگہ اس کی تشریح و تصریح کر دی جاتی ہے - اس سے پہلے کہ آیات قرآنی میں اس لفظ کے معنی و مفہوم کو معلوم کرنے کی کوشش کی جائے ، بعض اہم لغات و تفاسیر کی طرف رجوع کر لینا زیادہ مناسب ہوگا - لغت قرآنی کے مشہور امام راغب اصفہانی کے نزدیک حق کے اصلی معنی مطابقت و موافقت کے ہیں - وہ اپنی شہرۂ آفاق لغت **''مفردات''** میں لکھتے ہیں : ''یہ لفظ کئی طرح پر استعمال ہوتا ہے - اللہ تعالیٰ کو بھی حق کہا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چیزوں کو قضاے حکمت کے مطابق پیدا کرتا ہے :

ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰـھُمُ الْحَقِّ ط (الانعام ٦ : ٦٢) :

پھر قیامت کے دن تمام لوگ اپنے حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے .

اور اس کی تخلیقات کو اس لیے حق کہا جاتا ہے کہ وہ اقتضاے حکمت کے مطابق وجود میں آئی ہیں اور اسی طرح ہر اس فعل اور قول کو حق کہتے ہیں جو اس کے مطابق ہو ، جو واجب ہے اور اس کے علاوہ وہ اس انداز سے اور اس وقت ہو جو واجب'' ہے ؛ یعنی جو قول و فعل موزوں موقع و محل پر مناسب انداز میں ظہور میں آئے ، حق ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

تاج العروس میں لکھا ہے کہ حق کے بہت سے معنی ہیں ، جن میں صدق یا سچائی بھی ایک معنیٰ ہے .

الفرائدالدّریہ میں حق کے یہ معنی دیے ہیں ، ثبوت ، موزوں ، یقینی اور ضروری امر ، سچائی ، واجب ، اصلی حصہ ، عدل ، انصاف ، اور سزاوار .

مولانا ابوالکلام آزاد **ترجمان القرآن** میں لکھتے ہیں : "عربی میں حق کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے ، یعنی جو بات ثابت ہو ، اٹل ہو ، انمٹ ہو اسے حق کہیں گے - باطل ٹھیک ٹھیک اس کا نقیض ہے ، ایسی چیز جس میں ثبات و قیام نہ ہو ، ٹل جانے والی ، مٹ جانے والی ، باقی نہ رہنے والی - چنانچہ قرآن مجید میں جابجا ہے :

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ (الانفال ۸ : ۸) :

یہ اس لیے ، تاکہ حق کو ثابت و سچا کر کے دکھا دے اور باطل کو جھوٹا اور نابود کر کے .

اور وہ اللہ کی نسبت بھی الحق کی صفت کا استعمال کرتا ہے کیونکہ اس کی ہستی سے بڑھ کر اور کون سی حقیقت ہے جو ثابت اور اٹل ہو سکتی ہے ؟ :

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ (یونس ۱۰ : ۳۲) :

بس یہ تمہارا پروردگار الحق ہے .

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ (طٰہٰ ۲۰ : ۱۱۳) :

پس کیا ہی بلند درجہ ہے اللہ کا ، الملک (یعنی فرماں روا) الحق (یعنی ثابت) .

اب ہم حق کے مفہوم کو قرآن حکیم کی اپنی تصریحات میں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو سب سے پہلے ہماری نظر ان آیات پر پڑتی ہے :

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا

toobaa-elibrary.blogspot.com

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ
ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ
الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۭ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا
مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ
اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ۭ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ
وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ
جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ
الْحِسَابِ ڏ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ؏

(الرعد ۱۳ : ۱۷ تا ۱۸) :

اللہ نے جب آسمان سے پانی برسایا تو ندی نالوں میں جتنی گنجائش تھی اس کے مطابق بہہ نکلے اور جس قدر کوڑا کرکٹ تھا ، جھاگ بن کر اوپر آ گیا ، اسے سیلاب اٹھا کر لے گیا ۔ اسی طرح زیور یا کسی اور طرح کا سامان بنانے کے لیے (مختلف قسم کی دھاتیں) آگ میں تپاتے ہیں تو اس میں جھاگ اٹھتا ہے اور میل کچیل کٹ کر نکل جاتا ہے ۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان کرتا ہے ۔ جھاگ رائیگاں جائے گا (کیونکہ اس میں نفع نہ تھا) ، جس چیز میں انسان کے لیے نفع ہوگا ، وہ زمین میں باقی رہ جائے گی ، اسی طرح اللہ (حق و باطل کی) مثالیں بیان کرتا ہے ۔ (الغرض) جن لوگوں نے (حق کو) اپنے پروردگار کی خاطر قبول کیا ان کے لیے خوبی و بہتری ہے اور جن لوگوں نے اسے قبول نہ کیا ، اگرچہ ان کے پاس اس زمین کی ہر طرح کی دولت بھی ہو ، اور اتنی ہی اس پر اور بڑھا دیں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور بدلہ میں دے کر (مکافات عمل سے) بچنا چاہیں (جب بھی نہ بچ سکیں گے بلکہ) ان کی باز پرس ذلت آمیز طریقے سے ہوگی ، اور ان کی منزل آخر جہنم ہوگی اور وہ بھیانک قیام گاہ ہے .

محولۂ بالا آیات میں قرآن حکیم نے حق و باطل کی دو مثالیں دی ہیں - پہلی مثال میں اس نے حق کو پانی اور باطل کو کوڑا کرکٹ سے تشبیہ دی ہے ؛ اور دوسری مثال میں اس نے حق کو قیمتی دھات اور باطل کو میل کچیل سے تعبیر کیا ہے - ان مثالوں کا تجزیہ کرنے سے مندرجۂ ذیل نتائجُ آسانی سے مستنبط کیے جا سکتے ہیں :

حق چونکہ بارش کے پانی کی طرح ہے (پہلی مثال) اس لیے

(الف) یہ زندگی کی بقا اور نشو و نما کا ناگزیر ذریعہ ہے .

(ب) پانی کی طرح اس پر ہی گلستان زندگی کا حسن اور نکھار منحصر ہے - ثابت ہوا کہ پانی حسن آفرین بھی ہے اور حیات انسانی کی بقا کی وجہٗ حقیقی بھی وہی ہے .

(ج) زندگی کا نشو و ارتقاء اور حسن آفرینی چونکہ ارتقائی افعال ہیں ، اس لیے زندگی کا حسین ارتقاء بھی اس سے وابستہ ہوا .

(د) سیل حوادث میں حق کوڑے کرکٹ کی مانند فنا نہیں ہوگا بلکہ پانی کی طرح اس کا سلسلہ ہمیشہ جاری اور قائم رہے گا -[۱] اس سے یہ لطیف نکتہ معلوم ہوا کہ حق میں ثبات و دوام تو ہے ، لیکن جمود نہیں بلکہ اس میں ایک حرکت ہے جو مستقل اور دوامی ہے - لہٰذا یہ نتیجہ نکلا کہ حق میں ارتقائی حرکت کا ثبات و دوام پایا جاتا ہے .

حق چونکہ قیمتی دھات کی طرح ہے (دوسری مثال) ، اس لیے

(الف) یہ عالمِ حیات کی تزئین و تحسین کی ایسی شے ہے جو قائم بالذات ہے .

(ب) یہ میل کچیل کی طرح بے فائدہ ، بے اصل اور عارضی شے نہیں ، بلکہ مفید اور اصلیت کی ٹھوس شے ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تخلیق سے ایسی فنی تخلیق مراد ہے جو زندگی کی بقا، نشو و ارتقاء اور حسن و افادیت کے ثبات کے لیے معرض ظہور میں لائی جائے، اس لیے ہم زندگی کی ٹھوس عالمگیر اصلیت کے ثباتِ دوام کو ''حقیقت'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ اصلیت چونکہ زندگی کی بقا و نشو و نما اور حسن و افادیت کا ناگزیر ذریعہ ہے اس لیے یہ ایک طرف تو خود اپنی ذات کی تسویہ و تعدیل کی حالت پر دال ہے اور دوسری جانب اپنی افادی مقصدیت کی اضافی حیثیت کو ظاہر کرتی ہے۔ چنانچہ حقیقی قدر سے مراد وہ قدر ہے جو اپنی عالمگیر اصلیت کے ثباتِ دوام کی مظہر ہو۔ ہمارے استنباط کی تائید اس آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے:

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ o (الجاثیة ۴۵ : ۲۲):

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ ہر متنفس کو اس کے مطابق بدلہ دیا جائے جو اس نے کمایا ہے اور ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی جائے گی۔

ظاہر ہے یہ بات اسی شے سے ممکن ہو سکتی ہے جو اپنی عالمگیر اصلیت کے ثباتِ دوام کی مظہر ہو اور اس کی بہترین مثال، ہوا، پانی اور دھوپ ہے، کیونکہ یہ چیزیں ہر زمان و مکان میں، ہر جان دار شے کے لیے زندگی، راحت اور تسکین کے ناقابلِ تغیر ذرائع ہیں اور ہر شے ان سے اسی قدر فائدہ اٹھاتی ہے جس قدر اس میں صلاحیت ہوتی ہے۔

حقیقت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ فن بغیر حقیقت کے باطل ہوگا، یعنی وہ منفی قدروں کا حامل ہوگا۔ اس جگہ اس امر کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ منفی یا سلبی قدر باطل کی مضرت اور بے ثباتی کو ظاہر کرتی ہے اور مثبت یا ایجابی قدر حقیقت کی افادیت و ثبات کی آئینہ دار ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فن کو منفی قدروں سے مبرا رکھنے کے لیے ہمیں لازماً اس میں حقیقی قدر کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

سمونا ہوگا تاکہ فن زندگی کے لیے مضرت ، یعنی جمود و تعطل کا سبب نہ بن جائے - فن میں حقیقت کی اس اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم بار بار اس واقعیت کا غیر مبہم انداز میں ذکر کرتا ہے کہ باری تعالیٰ کا ہر پیکر تخلیق حقیقی قدر کا حامل ہے :

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط (العنکبوت ۲۹ : ۴۴) :

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا .

حقیقی فن کار : یہ یاد رہے کہ فنی تخلیق میں حقیقی قدر خود بخود نہیں پیدا ہو جاتی ؛ بلکہ فن کار شعوری اور ارادی طور سے اس قدر کو کسی واضح اور معین مقصد کی خاطر اپنی فنی تخلیق میں پیدا کرتا ہے ، جیسا کہ باری تعالیٰ کی سنت حسنہ ہے :

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ٥

(الدخان ۴۴ : ۳۸) :

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ، کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا .

اس سے ظاہر ہوا کہ تخلیقی فعلیت کوئی کھیل تماشا نہیں جسے فن کار تفنن طبع یا ذہنی تفریح کے لیے کرتا ہو ، بلکہ یہ بلند مرتبت ، سنجیدہ اور اہم عمل ہے جو کسی خاص ، مگر عالمگیر افادی مقصدیت کے لیے کیا جاتا ہے ، جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَ مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ٥ (الدخان ۴۴ : ۳۹) :

اور ہم نے ان کو محض عالمگیر افادی مقصدیت کے لیے تخلیق کیا ہے ، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے .

پھر وہ انسان کے دل سے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیتا ہے کہ وہ موجودات کو بے مقصد اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

لا یعنی تو بنا سکتا تھا ، مگر اس کی شانِ خالقیت کو ایسا فعل سزاوار نہ تھا ۔ اسی طرح ایک حقیقی فن کار سے تخلیق بالباطل کا فعل سر زد نہیں ہو سکتا :

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○
لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ق صلے
اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ
فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ○
(الانبیاء ۲۱ : ۱٦ تا ۱۸) :

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کچھ کھیل تماشا کرتے ہوئے نہیں بنایا ہے ۔ اگر ہمیں کھیل تماشا بنانا مقصود ہوتا (تو ہمیں اس سے کون مانع آ سکتا تھا ؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا بنا دیتے ، مگر ایسا کرنے والے نہیں تھے ، بلکہ ہم تو حق سے باطل پر ضرب لگاتے ہیں ، تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور اچانک اسے فنا کر دیتا ہے ۔ افسوس تم پر — تم کیسی کیسی باتیں بیان کرتے ہو ۔

محولۂ بالا آیات سے ہم مندرجۂ ذیل پانچ اہم نتائج مستنبط کر سکتے ہیں :

(۱) فن کی غایت حقیقی "تخلیق بالحق" ہے تاکہ اس سے باطل کی سحر انگیزی کا طلسم ٹوٹ جائے ۔

(۲) وہی فن کار اصل میں حقیقی فن کار ہے جس کی فنی تخلیقات حقیقی قدروں کی حامل ہوں ۔

(۳) جو تخلیق تخلیق بالحق نہیں ، یا وہ کھیل تماشے کے طور پر وجود میں آئی ہو ، وہ فن کے زمرے میں شمار نہیں ہو سکتی ۔

(۴) کسی فن کار کو یہ سزاوار نہیں کہ وہ اپنے بلند مقام سے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب چہاردہم

۱- وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ٥ (القلم ٦٨ : ۴) :

اور (اے پیغمبرؐ) آپ بلا شبہہ بہت بڑے خُلق پر ہیں .

۲- ربوبیت کے معنی کسی شے کو اس کے احوال و مقتضیات کے مطابق موزوں طریق سے نشوونما دیتے ہوئے پایۂ تکمیل کو پہنچانا ہے - چنانچہ مفردات راغب میں اس لفظ کے یہ معنی لکھے ہیں :

هُوَ انشاءُ الشَّیْءِ حالاً فحالاً اِلٰی حَدِّ التَمام

ایک چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف نشوونما دینا یہاں تک کہ وہ اپنی حد کمال کو پہنچ جائے .

۳- (۱) وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ٥ (الزخرف ۴۳ : ۹) :

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تو وہ یہ بات ضرور کہیں گے کہ انھیں بہت طاقتور ، بہت زیادہ علم والے نے پیدا کیا .

اور

(۲) اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ (الحجر ۱۵ : ۸٦) :

بے شک تیرا پروردگار بہت بڑا خالق علم رکھنے والا ہے .

اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب پانزدہم

۱۔ اس میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ باطل حق پر غالب آ جائے تو اس کی حیثیت کوڑے کرکٹ ایسی ہوتی ہے ، جو پانی کی سطح کو وقتی طور پر ڈھانپ لیتی ہے .

toobaa-elibrary.blogspot.com

باب شانزدہم

فن کار کا فرض منصبی

اس باب میں فن کی غرض و غایت اور فن کے فرض منصبی پر بحث کی جائے گی ۔ فن کی مقصدیت کا سوال ، فن کی تعریف کے مسئلے کی طرح ہمیشہ سخن گسترانہ رہا ہے اور مفکرین جمالیات اور نقادان فن کی ذہنی کاوشوں اور بحث و تمحیص کے باوجود اس کا آج تک کوئی ایسا فیصلہ نہیں ہو سکا جسے تمام مکاتب فکر تسلیم کر لیں ۔ جب مختلف مکاتب فکر میں اختلاف پیدا ہو جائے اور ان کے نظریات میں مطابقت و ہم آہنگی کی کوئی صورت باقی نہ رہے تو ایسے موقع پر ارشاد الٰہی کے مطابق وحی کی طرف رجوع کرنا انسان پر فرض ہو جاتا ہے[1] ۔ یہ واقعیت ہماری فکر و نظر کی کوتاہی اور تحقیقی کاوشوں کی نارسائی کی دلیل ہے کہ ہم نے اس بارے میں وحی الٰہی کے فیصلے کو معلوم کرنے کی طرف دھیان تک نہیں دیا ۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حیات انسانی کے دیگر اہم مسائل کی طرح اس مسئلے کو بھی صراحت و جامعیت کے ساتھ حل کر دیا ہے ۔

فن کار کے فرض منصبی کی حقیقت کو معلوم کرنے سے پہلے اس کے منصب و مقام کی حقیقت کو سمجھ لینا ضروری ہے ۔ فن کار کے منصب و مقام کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس کی حیات معنوی میں روحِ الٰہی کار فرما ہوتی ہے :

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُوا الْعَرْشِ ۚ يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۙ

(المؤمن ۴۰ : ۱۵) :

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ (انسان کے) مناسب و مقامات کو بلند کرنے والا ، عرش کا مالک ہے ، وہ روح کو اپنے حکم سے ، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ، نازل کرتا ہے ، تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے ۔

اس آیت کریمہ سے مندرجہ ذیل حقائق کا انکشاف ہوتا ہے :

اول : انسان کے وجود معنوی میں اس روح الٰہی کے نزول و ظہور ہی سے فن کاری کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ، جسے وہبی یا فطری صلاحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔

دوم : اس روح الٰہی کے بغیر کوئی شخص حقیقی فن کار نہیں بن سکتا اور نہ فن کے جلیل القدر منصب کا سزاوار ہی ہو سکتا ہے ۔

سوم : روح الٰہی کے نزول و ظہور سے انسان کا مقام ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے ، اس لیے فن کار کا منصب و مقام عوام کی سطح سے بہت بلند ہوتا ہے ۔

چہارم : یہ روحِ الٰہی فن کی محرکِ حقیقی ہے ۔

پنجم : فن کا مقصد انسان پر حیات انسانی کی حقیقی قدروں کو واضح کر کے اسے روز مکافات سے ڈرانا ہے ، جسے قرآن حکیم لقائے الٰہی کے دن سے تعبیر کرتا ہے ، اور حیات انسانی کی حقیقی قدروں کا راز اس کی مستقل انفرادی حثیثت کے ثباتِ دوام اور اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات کے ساتھ اس کے نا قابل شکست تعلق میں مضمر ہے ۔

تحقیق کے اس میدان میں آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں روحِ الٰہی کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا ہوگی ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ روح الٰہی کی حقیقت کا راز اس واقعیت میں مضمر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور سب سے پہلے اس کی صفت خالقیت کے ذریعے ہوا ، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔ باری تعالیٰ کی خواہش کہ وہ پہچانا جائے ، اس کی صفت خالقیت کے ظہور کا سبب ہوئی اور اس کی یہ خواہشِ پیدائی دراصل روحِ خلاقی ہے جو قرآن حکیم میں محض ''روح'' سے عبارت ہے ۔ یہ ''روح''

toobaa-elibrary.blogspot.com

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی شخص کے وجود معنوی میں نزول کرتی ہے تو اس میں خلاق کی صلاحیت و تحریک پیدا کرتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ جس شخص کے وجود معنوی میں روح خلاق نازل کر کے اسے فن کاری کے بلند مقام پر فائز کرتا ہے تو اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تخلیقی فعلیت کو اپنا شعار زندگی بنائے اور ساتھ ہی اسے فن کاری کے اس بنیادی اصول سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ اس کی فنی تخلیقات ، تخلیقات خداوندی کی طرح صوری اور معنوی لحاظ سے حسین ہونی چاہییں :

وَ ابْتَغِ فِیمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَالْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا وَ اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِی الْاَرْضِ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ o

(القصص ۲۸ : ۷۷) :

اور اللہ تعالیٰ نے جو تجھے (روح خلاق) عطا کی ہے اس کے ذریعے (یعنی اپنی فنی تخلیقات کے) آخرت کے (حسین و لازوال) گھر کی طلب و جستجو کر اور (اس طلب و جستجو میں) دنیا (کی نعمتوں) سے اپنے حصے کو فراموش نہ کر اور اسی طرح احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا اور زمین میں فساد برپا کرنے کی خواہش نہ کر — واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔

اس آیت مقدسہ کا خاص کر یہ ٹکڑا ”وَاَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ،، خاص توجہ کا مستحق ہے کیونکہ اپنے اندر معانی و مفہوم کے دفاتر سمیٹے ہوئے ہے ۔ چنانچہ سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ باری تعالیٰ کے انسان پر وہ کون سے احسانات ہیں جن کے کرنے کا اسے حکم دیتا ہے ۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انسان پر اتنے احسانات ہیں کہ کبھی شمار انسانی میں نہیں آ سکتے ۔ لہٰذا اس جگہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

صرف ان چند ایک احسانات کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا جو ہمارے موضوع سے ناگزیر تعلق رکھتے ہیں :

اولاً : اللہ تعالیٰ کا انسان پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اسے صوری اور معنوی اعتبار سے حسین بنایا .

ثانیاً : اس کو ذوقِ نظر بخشا ، لذتِ سمع عطا کی ؛ اس کو احساسات و جذبات دیے ، پھر اس میں عقل و حکمت کا چراغ روشن کیا .

ثالثاً : اس کی راہِ حیات اور منزل مقصود کی تعیین کی اور پھر انسان کی داخلی اور خارجی طور پر رہنمائی کی .

اب احسان باری تعالیٰ کی محولہ بالا تینوں شقوں پر علٰحدہ علٰحدہ بحث کی جائے گی .

اوّل : فاطر ہستی نے انسان پر سب سے بڑا احسان یہ کیا کہ اس کے وجود کے ظاہر و باطن کو ان جمالیاتی قدروں سے آراستہ کیا جس کا وہ مستحق تھا ، اس لیے قرآن حکیم نے انسان کو ''احسن التقویم'' کہا ہے ۔ اب اگر انسان کو ارشادِ الٰہی کی تکمیل میں کوئی شے تخلیق کرنی ہو تو اسے بھی اپنے پیکرانِ تخلیق کو صوری اور معنوی طور سے حسین بنانا ہوگا ، یعنی انھیں ان جمالیاتی قدروں سے آراستہ کرنا ہوگا جن کے وہ سزاوار ہیں ۔ اس ضمن میں ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے وجود انسانی کو تخلیقی فعلیت کے لیے بہترین فنی نمونہ قرار دیا ہے اور اس فنی نمونے کے مطابق انسان کو اپنی تخلیقات کو حسین بنانے کا حکم دیا ہے ۔ اس حکم میں دوسرے حکیمانہ اسرار کے علاوہ ایک راز یہ بھی ہے کہ وجود انسانی خلقتِ کائنات کے تمام اہم حسین نظاروں کا ایک دلکش مرقع ہے ۔ اس بے مثال فنی نمونے کے مطابق فنی تخلیقات کو تیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا اسلوب فن کاری بھی وہی ہونا چاہیے جو خالق حقیقی کا ہے اور

toobaa-elibrary.blogspot.com

جس سے کسی گزشتہ باب میں بحث گزر چکی ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کے جس فن پارے کی ترکیب صوری اس تکنیک کے مطابق ہوگی جو وجود انسانی کی تخلیق میں باری تعالیٰ کی ہے ، وہ صوری اور معنوی اعتبار سے یقیناً حسن و خوبی کا دلآویز شاہکار ہوگا ۔

دوم : باری تعالیٰ نے وجود انسانی کو حواس و قلب کی قوتوں سے آراستہ کیا ہے ، ظاہر ہے کہ انسان ایسا تو نہیں کر سکتا ، اس لیے اس کی تخلیقی فعلیت کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان قوتوں کو بیدار کرنا اور نفس انسانی کا تزکیہ کر کے اسے اپنی فطری حسین حالت پر واپس لانا ہے ، اس جگہ اس نکتے کی صراحت کر دینا ضروری ہے کہ انسان کے وجود معنوی کی اصل حالت ''احسن تقویم'' کی ہے ، جو جرم و معصیت کے داغوں سے بدل جاتی ہے ۔ لہٰذا فن کاری کا مقصد نفس انسانی کو گناہ کے داغوں سے پاک و صاف کر کے پہلے کی طرح حسین بنانا ہے ۔ نفس انسانی کا حالت قبیح سے اپنی اصلی حسین حالت کی طرف لوٹنا ، اصطلاح قرآنی میں ، ''رجوع'' سے عبارت ہے ۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

(الاعراف ۷ : ۱۷۴) :

اور اسی طرح ہم سچائی کی نشانیاں الگ الگ کر کے واضح کر دیتے ہیں ، تا کہ لوگ (اپنی فطری حسین حالت کی طرف) لوٹ آئیں ۔

عبرت کا لفظ بھی اسی مفہوم کا آئینہ دار ہے ، یعنی ایک حالت سے گزر کر دوسری حالت کی طرف جانا اور اصطلاح میں اس کے معنی شقاوت و سفالت کی حالت قبیح سے گزر کر رحم و سعادت کی حسین حالت کی طرف رجوع کرنے کے ہیں ۔ جمالیات میں سب سے پہلے ارسطو نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف **شعریات** (Poetics) میں کتھارسس (Catharsis) کے لفظ کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس مفہوم میں استعمال کرنے کی کوشش کی تھی ، جس میں قرآن حکیم نے ''رجوع'' اور ''عبرت'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں ۔ اہل مغرب چونکہ ہمیشہ سے روحانیت کے اسرار و رموز سے بیگانہ اور نفسیات انسانی کی اصل حقیقت سے کم آگاہ رہے ہیں ، اس لیے وہ کتھارسس کے اس یونانی لفظ کے اصل مفہوم کو نہ سمجھ سکے ۔

ارسطو کی رائے میں صرف المیہ ہی جسے انگریزی زبان میں ٹریجڈی کہتے ہیں کتھارسس ، یعنی تزکیہٴ نفس کرنے کے قابل ہے ۔ لہٰذا اس نے المیہ کو عبرت و رجعیت کا واحد بہترین ذریعہ قرار دیا ہے ۔ قرآن حکیم ارسطو کے اس نظریہٴ المیہ کو قابل اصلاح سمجھتا ہے ۔ اس کے نزدیک ہر المیہ تزکیہٴ نفس اور عبرت و رجعیت کا بہترین ذریعہ تو ہے ، مگر عبرت و رجعیت کا صرف یہی ایک ذریعہ نہیں جیسا کہ ارسطو کا خیال تھا ۔ المیہ کے متعلق ارشادِ قرآنی یہ ہے :

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ (الاحقاف ۴۶ : ۲۷) :

ہم نے تمہارے ارد گرد کی بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا اور ہم (ہلاکت و بربادی کے ان المیہ قصوں کو) بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ ان میں عبرت و رجعیت پیدا ہوا ۔

اس آیت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ المیہ عبرت و رجعیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے ، دوسرے یہ کہ یہ اس کا بہترین ذریعہ ہے ، لیکن قرآن حکیم کی رو سے المیہ کے علاوہ فرحیہ بھی عبرت و رجعیت کا ایک حسین ذریعہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ قصہٴ یوسف کو عبرت و رجعیت کے اعتبار سے بہترین کہانی قرار دیتا ہے اور یہ کہانی ظاہر ہے فرحیہ کی حسین ترین مثال ہے ۔ الغرض عبرت و رجعیت کا مبنیٰ المیہ یا فرحیہ نہیں ، بلکہ حسن بیان ہے ۔ لہٰذا علم کی جو صنف بھی حسن بیان کی جس قدر زیادہ مظہر ہوگی اس نسبت سے اس میں عبرت و رجعیت پیدا کرنے کی صلاحیت ہوگی ۔

اس جگہ نفسیات انسانی کی یہ حقیقت بھی بیان کر دی جاتی ہے کہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

عبرت و رجعیت سے انسان کا قلب اپنے حسن فطری سے منور ہو جاتا ہے اور اس کی مردہ جمالیاتی حس میں از سر نو زندگی عود کر آتی ہے اور اس طرح وہ حسن و قبح میں امتیاز کرنے اور تخلیقات خداوندی کے محاسن کو سمجھنے اور ان کی توصیف و ستائش کرنے کے قابل ہو جاتا ہے - واقعہ یہ ہے کہ انسان کی اس صلاحیت ستائش ہی میں اس کی فضیلت عبودیت اور شکر الٰہی کا راز مضمر ہے ، اور شکر الٰہی انسان کی ہدایت و سعادت اور اس کی زندگی کے حسن و کامرانی کی دلیل ہے :

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ط اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَإِنَّهُ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ط (النحل ١٦ : ١٢١ تا ١٢٢) :

وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجا لانے والا تھا ۔ اللہ نے اسے برگزیدگی کے لیے چن لیا اور اسے (کامرانی حیات کی حسین) راہ مستقیم پر لگا دیا ۔ اسے دنیا میں حسن زندگی عطا کیا اور بلاشبہہ آخرت میں بھی اس کی جگہ صالح انسانوں میں ہوگی .

اہل نظر جانتے ہیں کہ فطرت بہری اور گونگی نہیں ، یہ بے حس اور مردہ نہیں ، بلکہ اس کے برعکس یہ حال کے کانوں سے سنتی اور زبان حال سے بولتی ہے ۔ اس کا بیان بے صوت و الفاظ تو ہے ، مگر عبرت و رجعیت حاصل کرنے کے لیے بے مثال ہے ۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جا بجا انسان کو خلقت کائنات کے حسین و بوقلموں نظاروں کو دیکھنے اور ان پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور اس کی اس دعوت فکر و نظر کے سلسلے کو جاری رکھنا اور اسے ثبات و دوام دینا ، فن کار کا فرض منصبی ہے .

سوم : اللہ تعالٰی کا انسان پر تیسرا احسان یہ ہے کہ اس نے کامرانی حیات کی حسین راہ دکھائی ہے ، جسے وہ "ہدایت" کہتا ہے ۔ یہ ہدایت دو طرح کی ہے : معروضی اور موضوعی ۔ معروضی ہدایت سے مقصود وحی الٰہی ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور موضوعی ہدایت کا سرچشمہ انسان کی اپنی حسین فطرت ہے۔ معروضی ہدایت کی نوعیت اور غرض و غایت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا o

(النساء ۴ : ۱۶۵) :

تمام رسول (حسن عمل کے نتائج کی) خوش خبری دینے والے اور (اعمال سیّئہ کے نتائج سے) متنبہ کرنے والے تھے۔ (اور اس لیے بھیجے گئے تھے) کہ ان کے آنے (اور نیک و بد بتلانے) کے بعد لوگوں کے پاس کوئی حجت باقی نہ رہے جو وہ اللہ کے حضور پیش کر سکیں (یعنی یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں راہ حق کسی نے نہیں دکھلائی تھی) اور اللہ (اپنی مخلوق پر) غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں وحی الٰہی کی غرض و غایت کو تبشیر و تنذیر کے دو الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ تبشیر و تنذیر اس اعتبار سے ہدایت کے دو مثبت و منفی پہلو ہوئے۔ مثبت پہلو انسان کے لیے مژدۂ جانفزا ہے۔ اس سے اس کے دل میں رجائیت پیدا ہوتی ہے اور وہ ہمت و استقلال اور امید و نشاط کے ساتھ کامرانی حیات کی حسین و مستقیم راہ پر گامزن رہتا ہے۔ ہدایت کے منفی پہلو سے انسان کو گمراہی حیات کے بھیانک انجام سے متنبہ کر کے اس میں عبرت و رجعیت پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس انسان میں روح خلاق ڈالتا ہے اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی تمام تخلیقات کے مثبت و منفی دونوں پہلوؤں کی آئینہ دار ہونی چاہییں۔ حقیقت میں یہی لوگ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہوتے ہیں، کیونکہ وہ ان کے سلسلۂ ہدایت کو جاری رکھتے ہیں۔

موضوعی ہدایت کا سرچشمہ حسن فطرت انسانی ہے۔ انسان کا باطن یا قلب ایک منور آئینہ کی طرح ہے، جس کے ذریعے وہ حسن و قبح اور حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے، لیکن جب یہ آئینۂ دل جرم و معصیت

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے داغوں سے تاریک ہو جاتا ہے تو آدمی بھی حسن بصیرت سے محروم ہو جاتا ہے ۔ حسن بصیرت کی اس محرومی سے اولاد آدم کو اپنے حسن بیان سے بچانا اور اس کے ذریعے ان کے دلوں میں عبرت و رجعیت پیدا کر کے حسین و منور بنانا ، فن کار کا کام ہے ۔

افراد نسل انسانی میں سے کچھ لوگوں پر ہر عہد میں روح خلاق نازل ہوتی ہے اور ان میں سے ایک مکتب فکر ضرور ایسا موجود رہتا ہے جو حق و صداقت پر ہوتا ہے اور مختلف مکاتب فکر کے نظریات پر عدل و انصاف کے ساتھ تنقید کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ نوع انسانی کو کامرانی حیات کی حسین و مستقیم راہ بھی دکھاتا ہے ، جسے قرآن حکیم "ہدایت بالحق" سے تعبیر کرتا ہے :

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝

(الاعراف ۷ : ۱۸۱) :

اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ، ان میں ضرور ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو نوع انسانی کو حق کی (حسین و مستقیم) راہ دکھاتا ہے اور (ان کے مختلف نظریات زندگی حق و باطل کا فیصلہ بھی) عدل سے ہی کرتا ہے ۔

محولہٴ بالا آیت کی رو سے ثابت ہوا کہ فن کی روح مقاصد "ہدایت بالحق" اور "تعدیل" میں مضمر ہے اور یہی فن کار کے دو اہم ترین فرائض منصبی ہیں ، جن سے عہدہ برا ہونے ہی میں اس مقام کی عظمت و رفعت اور کامرانی حیات کا راز پنہاں ہے ۔ بحث و نظر کے دوسرے گوشوں کی طرف توجہ دینے سے پہلے ہم ہدایت بالحق اور تعدیل کی اصطلاحات کی صراحت کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ۔ ہدایت بالحق کی حقیقت کو قرآن حکیم نے مندرجہٴ ذیل آیت میں اس طرح بیان کیا ہے :

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ

toobaa-elibrary.blogspot.com

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○

(النحل ۱۶ : ۱۲۵) :

اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظت حسنہ سے بلاؤ اور ان سے بحث و نزاع کرو بھی تو ایسے طریقے سے جو حسن و خوبی کا طریقہ ہو ۔ واقعہ یہ ہے کہ صرف تمھارا پروردگار ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور کون راہ راست پر ہے ۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حکمت اور موعظت حسنہ ہدایت بالحق کے دو ضروری عناصر ہیں ۔ حکمت سے یہاں مقصود ایسا طرز بیان ہے جو موقع و محل کے لحاظ سے بہترین ہو ۔ چاہے فن کی کسی صنف سے متعلق ہو ، لیکن بیان کا حسین ہونا ہر حال میں ضروری ہے ؛ اور موعظت حسنہ سے مراد ایسا حسن بیان ہے جو خصوصیت سے فن کی اس صنف سے تعلق رکھتا ہو جسے المیہ کہتے ہیں اور المیہ جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں ، عبرت و رجعیت کا بہترین ذریعہ ہے ۔

فن کا دوسرا مقصد تعدیل ہے اور تعدیل سے مقصود یہاں علم و فن کے مختلف مکاتب فکر کے نظریات پر عدل و انصاف سے محاسبہ کرنا اور پھر اصل حقیقت کو واضح الفاظ اور انداز میں کرنا ہے :

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لا وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

(النحل ۱۶ : ۶۴) :

اور ہم نے تجھ پر الکتاب نہیں اتاری ہے ، مگر اس لیے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ، ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے ، اور ایمان والوں کے لیے یہ ہدایت اور رحمت ہے ۔

فن کے مقاصد کا خلاصہ معلوم کر لینے کے باوجود ہم معاملے کو اس جگہ ختم نہیں کر دینا چاہتے بلکہ اس کی تفصیلات میں جانا چاہتے ہیں تاکہ مسئلے کی حقیقت کے تمام پہلو واضح ہو جائیں ۔ سورۂ اعراف کی ایک

toobaa-elibrary.blogspot.com

آیت میں فن کار کے فرض منصبی اور فن کی غایت اس طرح بیان کی گئی ہے :

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ٥ (الاعراف ۷ : ۱۷۶) :

پس قصے بیان کر تاکہ وہ فکر کریں .

اس آیت میں حکایات کو فن کی کسی صنف میں اس غرض سے بیان کرنا کہ لوگ ان پر غور و فکر کریں ، فن کار کے فرائض منصبی میں سے قرار دیا گیا ہے .

اس سے ظاہر ہوا کہ فن کا ایک اہم مقصد فکر انگیزی بھی ہے اور اس مقصد کو قرآن حکیم نے جابجا بیان کیا ہے :

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ٥ (الحشر ۵۹ : ۲۱) :

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں .

فکر انگیزی کے علاوہ لوگوں میں اپنے قوائے عقلیہ سے کام لینے کی تحریک پیدا کرنا بھی فن کے مقاصد میں سے ہے :

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥ (الحدید ۵۷ : ۱۷) :

ہم نے تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو .

فن کا مقصد جب لوگوں میں تفکر و تعقل کی صلاحیتوں کو بیدار کرنا ہوا تو اس کام کو فن کار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان سے احسن طور پر سرانجام دے سکتا ہے :

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ٥ (الضحیٰ ۹۳ : ۱۱) :

اور جو نعمت بھی تیرے پروردگار کی ہے ، اسے بیان کرتا رہ .

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ مسلمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کمیت و کیفیت، رنگ و بو، لذت و سرور اور کشش و جاذبیت کے اعتبار سے بے حد و حساب ہیں اور یہ سب انسان کے لیے ہیں - یہ کائنات جو حسن کے جمیل و جلیل نظاروں کی جلوہ گاہ ہے، ربِ جلیل کی گونا گوں نعمتوں کا سرچشمہ ہے، جو ازل سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا - اولادِ آدم ان نعمتوں سے ہر روز بلکہ ہر آن مستفید ہوتی ہے، لیکن ظلم و جہل کی وجہ سے اکثر لوگ اس واقعیت سے غافل و کم آگاہ ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس کی ربوبیت و رحمت کی حسن سامانیوں کا شکریہ ادا نہیں کر پاتے - واقعہ یہ ہے کہ شکرِ الٰہی سے نفسیات انسانی پر نہایت حسین اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو اس کو اپنے عروج کمال پر پہنچنے میں بہت مدد دیتے ہیں - لہٰذا قرآن حکیم فن کار کو حکم دیتا ہے کہ وہ افرادِ نسلِ انسانی کو ان نعمتوں کی حقیقی قدروں سے بار بار آگاہ کرتا رہے تاکہ وہ اپنے باری تعالیٰ کی ربوبیت و رحمت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے، اپنی زندگی کی تکمیل کر سکیں۔

فن کار ایک اہم مقصد نوعِ انسانی کو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر علم و حکمت کی روشنی کی طرف لے جانا بھی ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحدید ۵۷ : ۹) :

وہی ہے جو اپنے بندے پر روشن آیات اتارتا ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے اور اللہ یقیناً تم پر مہربان (اور) رحم کرنے والا ہے۔

قرآن حکیم نے اس بات کا بھی فیصلہ کر دیا کہ وہی فن کار اس مقصد فن کو پورا کرتے اور اپنے فرض منصبی سے عہدہ برآ ہوتے ہیں جو رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و سلّم کے نقش قدم پر چلنے والے ہوتے ہیں، اور ایسے فن کار اپنے نور بصیرت سے اولادِ آدم کو ضلالت کی تاریکیوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے نکال کر حق و صداقت کی حسین و مستقیم راہ پر لگاتے ہیں :

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ قف عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ
مَنِ اتَّبَعَنِيْ ط وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ o
(یوسف ۱۲ : ۱۰۸) :

(اے پیغمبر !) تم کہہ دو : ''میری راہ تو یہ ہے - میں اور میرے نقش قدم پر چلنے والے لوگ اپنے (نور) بصیرت کی بنا پر اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں - اللہ کے لیے پاکی ہو - میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''.

آخر میں ہم قرآن حکیم کے اس فیصلے کو بھی نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جس میں اس نے فن کار کے نصب العین کی کامیابی اور ناکامی کی صراحت کر دی ہے :

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى لا
وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى لا فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ وَ اَمَّا
مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى o وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى لا
فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا
تَرَدّٰى ؕ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى صلے وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ
وَ الْاُوْلٰى o (الیل ۹۲ : ۴ تا ۱۳) :

بلاشبہ تمہاری کوشش (کا نصب العین اور طریق کار) مختلف ہے ، لیکن جو شخص (اللہ تعالٰی کی عطا کردہ نعمتوں میں سے) دیتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے اور حسن کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اسے امن و خوش حالی کی راہ پر چلائیں گے ، لیکن (اس کے علی الرغم) جو شخص (اللہ تعالٰی کی عطا کردہ نعمتوں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کو دینے میں) بخل سے کام لیتا ہے اور (لوگوں اور خدا کی) پروا نہیں کرتا اور (اس کے ساتھ ساتھ) وہ حسن کو جھٹلاتا بھی ہے تو اسے تنگی اور بد حالی کی راہ پر چلائیں گے اور جب اس کا خاتمہ ہوگا تو اس کا مال و دولت کچھ کام نہ آئے گا۔ (کامرانیِ حیات کا) راستہ دکھانا یقیناً ہمارا کام ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی زندگی ہمارے ہی لیے ہے!

محولہٗ بالا آیات کے اسرار و غوامض پر تدبر کرنے سے مندرجہٗ ذیل نتائجُ مستنبط کیے جا سکتے ہیں:

اوّل: وہی فن کار اپنے نصب العین میں کامیاب ہوتا ہے جو ہر حسین بات کی تصدیق کرتا ہے اور لوگوں کو خالق حقیقی کی عطا کردہ روحِ خلاقی یا فنی صلاحیت سے فائدہ پہنچاتا ہے۔

دوم: وہ فن کار جو اپنی صلاحیتوں سے نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے میں بخل سے کام لیتے ہیں اور حقوق العباد اور حقوق اللہ کی کوئی پروا نہیں کرتے اور پھر حسین باتوں کی تکذیب بھی کرتے ہیں تو وہ ہمیشہ اپنے نصب العین میں ناکام رہتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی تمام عطا کردہ نعمتیں ان کے کسی کام نہیں آتیں۔

سوم: افرادِ نسلِ انسانی کو ہدایت دینا، کسی انسان کی مرضی اور ارادے پر موقوف نہیں، بلکہ اس کا تمام تر انحصار اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت پر ہے۔ لہٰذا کسی فن کار کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو لوگوں کو زندگی کے کسی خاص گوشے میں رہنمائی نصیب نہ ہوتی۔

چہارم: دنیا کی زندگی ہو یا آخرت کی، اس کی غایتِ حقیقی رضائے الٰہی ہے۔ لہٰذا ہر کام جو حیات دنیوی سے متعلق ہو یا حیاتِ اخروی سے، صرف رضائے الٰہی کے لیے ہونا چاہیے اور یہی فن کی غایتِ حقیقی ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حواشی باب شانزدہم

۱- فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ع (النسآء ۴ : ۵۹) :

پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملے میں باہم جھگڑ پڑو (اپنے نظریات میں اختلاف پیدا ہو جائے) تو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے اسے تسلیم کر لو) اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو ، اسی میں تمھارے لیے بہتری ہے اور اسی میں انجام کار خوبی ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حرفِ آخر

ثقافت ارتقائے انسانیت کی آئینہ دار ہے ۔ اس کا حسن ، انسانیت کا حسن اور اس کی ترقی ، انسانیت کی ترقی ہے ، لیکن کسی قوم کی ثقافت کی ترقی اس کے افراد کی جمالیاتی حس اور جمالیاتی شعور کی بیداری پر منحصر ہے ۔ اس اعتبار سے جمالیات کا مطالعہ علمی اور عملی دونوں لحاظ سے انسانیت کے حسن و ارتقاء کے لیے ناگزیر ہے ۔ قرآن حکیم نے اسی لیے جمالیات کی اہمیت و ضرورت پر بجا طور پر زور دیا ہے ۔ وہ انسان کو ظاہری اور باطنی ، انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے حسن و خوبی کا پیکر دیکھنا چاہتا ہے ۔ اس کا ارشاد ہے کہ باری تعالٰی نے کائنات کی ہر شے کو انسان کے لیے حسن و خوبی کا پیکر بنایا اور پھر خود انسان کی شکل و صورت اور فطرت کو حسین بنایا تاکہ وہ اس حسین و نظرافروز دنیا میں لذت و سرور اور کیف و طمانیت کے عالم میں زندگی گزارے اور اپنے سفر زندگی میں وہ راہ اختیار کرے جو حسین ہو تاکہ حسن و سرور کی اس منزل آخر تک پہنچ سکے ، جسے اس نے ''حسن المآب'' اور ''جنت'' کے ناموں سے تعبیر کیا ہے ۔ الغرض وہ حیات انسانی کے ہر گوشے کو حسین اور انسان کو زندگی کے ہر حسین گوشے میں مطمئن و مسرور دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے ۔

یہ خواہش صرف اسلام ہی کی نہیں بلکہ خود فطرت انسانی کی بھی ہے ۔ ظاہر ہے انسان فطرت کے اس تقاضے کو اسی صورت میں احسن طور پر پورا کر سکتا ہے ، جب اسے یہ معلوم ہو کہ حسن کیا ہے اور وہ اس سے کس طرح مسرور و مستفید ہو سکتا ہے ؟ دوسرے لفظوں میں انسان کو فطرت کے منشاء کے مطابق حسین زندگی گزارنے اور اپنی ثقافت کو حسین و نظرافروز بنانے کے لیے فلسفۂ حسن یا جمالیات کا علم حاصل کرنا ازبس ضروری ہے ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصطلحات

A

Absolute مطلق
Adaptation موزوں ترتیب
Aesthetic form جمالیاتی صورت
Aesthetic Judgment
جمالیاتی محاکمہ
Aesthetic semblance
جمالیات مشابہت
Aesthetics جمالیات
Aesthetic sense جمالیاتی حس
Aesthetic value جمالیاتی قدر
Anti-climax
زوال عروج (ڈرامے میں)
Artistic creation فنی تخلیق

B

Biological حیاتیاتی
Bliss سرور

C

Catharsis
تزکیۂ نفس (ارسطو کی اصطلاح)
Climax عروج (ڈرامہ)
Communication ابلاغ
Creative activity تخلیقی فعلیت
Creative faculty
تخلیقی صلاحیت
Curve line ٹیڑھا خط

D

Dialectics جدلیات
Dynamic حرکی

E

Ego ایغو یا خودی
Epicureanism ایبقوریت
Experience مشاہدہ
Expression اظہار
Expressionism اظہاریت

F

Formative Arts
مشکّل یا مصوّر فنون

G

Gnostics غناسطی

H

Hedonisn لذتیت یا لذت پسندی

I

Iconoclasm تحریک بت شکنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

P

Perceiving consciousness شعور مدرکہ
Perfect harmony تسویہ
Plot پلاٹ
Positive value قدرایجابی یا مثبت
Purgation theory تطہیر (نظریہ)

Q

Quality کیفیت
Quantity کمیت

R

Realist حقیقت پسند
Reality حقیقت
Relative اضافی
Relativity اضافیت
Re-production تخلیق مکرر
Rhythm تال (موسیقی میں) تناسب (مشکل فنون میں)
Romantic رومانوی

S

Sculpture سنگ تراشی یا مجسمہ سازی
Sense-perception حسیاتی مشاہدہ
Senses حواس
Situation صورت حال (ڈرامے میں)
Stoicism رواقیت
Subjective موضوعی (داخلی یا باطنی)

Idealism تصوریت (فلسفہ) یا شیئیت
Idealist تصوریت پسند
Imitation نقالی
Infinity لامتناہیت
Inhibition مزاحمت (یارکاوٹ)
Instinct جبلت
Intuition وجدان

M

Measure وزن
Mechanical میکانکی
Mind قلب
Monasticism رہبانیت (خانقاہیت)
Monotheism تحریک توحید
Mysticism تصوف
Mythology دیو مالا

N

Negative value قدر (سلبی یا منفی)
Neo-Platonism نو افلاطونیت اشراقیت یا فلسفۂ اشراق
Nous نفس

O

Objective معروضی (خارجی یا ظاہری)
Objectivism معروضیت (خارجیت یا ظاہریت)

toobaa-elibrary.blogspot.com

Subjectivism موضوعیت (داخلیت یا باطنیت)

Sublime جلیل

Sublimity جلال

Symbolic مثالی

Symmetry تعدیل

T

Taste ذوق

Teleology غائیت (فلسفہ)

Temporal-phases لمحاتی جھلکیاں

The Play impulse جذبۂ خوش فعلیت

Time and Space زمان و مکان

Tone روپ

U

Ugliness قبح

Ultimate value قدر اساسی

Un-form arts نامصوّر فنون

Unity وحدت

Utility افادیت

V

Visible مشہود

Value قدر

Variety کثرت

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسمائے مغربی مصنفین

A

Aristotle ارسطو
Augustine آگستائین

B

Baumgarten بام گارٹن
Bertrand Russell برٹرنڈ رسل
Bosanquet (Bernard) بوزنکٹ
Burk برک

C

Conrad Lange کانرڈ لینج
Croce کروچے

D

Descartes دیکارٹ

F

Fichte فخطے
Freud فرائڈ

H

Hegel ہیگل
Herbert-Spencer ہربرٹ سپنسر
Hogarth ہوگارتھ
Hume ہیوم

J

James H. Cousins جیمز ایچ کوئینز

K

Kaimes کیمیز
Kant کانٹ
Karl Gross کارل گروس

L

Leibnitz لائیبنز
Lessing لیسنگ
Lipss لِپس

P

Plato افلاطون
Plotinus فلاطیونس

R

Reynolds رینولڈز
Robert (Vischer) رابرٹ وشر
Ruskin (John) رسکن

S

Schelling شیلنگ

toobaa-elibrary.blogspot.com

V

والکیٹ	Volket

W

وائٹ ہیڈ	Whitehead
ونکل مان	Winckelmann

شِلّر	Schiller
شوپن ہار	Schopenhauer
شیفٹس بری	Shaftesbury
اسپنوزا	Sipnoza
سقراط	Socrates

toobaa-elibrary.blogspot.com

مآخذ

مآخذ : (۱) اس امر کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ جہاں تک زیر نظر کتاب کے متن کا تعلق ہے اس کا اصل اور بنیادی مأخذ ایک ہی ہے اور وہ ہے قرآن حکیم ، جو زندہ خدا کی آخری زندہ کتاب ہے .

(۲) امام راغب اصفہانی : **المفرات** ، کراچی .

(۳) **لسان العرب** ، مطبوعہ مصر .

(۴) ڈاکٹر نصیر احمد ناصر : **تاریخ جمالیات** ، ۲ جلدیں ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۶۲ - ۱۹۶۳ء .

(۵) وہی مصنف : **اقبال اور جمالیات** ، اقبال اکیڈمی ، کراچی ۱۹۶۵ء .

BIBLIOGRAPHY

1. Allen, Grant, *Physiological Aestheties*, London 1877.
2. Ibid, *The Origin of Sublime*, in *Mind*, July 1878.
3. Bascom, John, *Aesthetics or the Science of Beauty*, 1867.
4. Baudouin, *Psycho-analysis and Aesthetics*, London 1924.
5. Birkhoff , G. D., *Aesthetic Measure*, Cambridge 1933.
6. Blackie, J. S., *On Beauty*, London 1858.
7. Bosanquet, Bernard, *A History of Aesthetic* , London 1911.
8. Buermeyers, Laurence, *The Aesthetic* Experience, London 1924.
9. Bullough, Edward, *Aesthetic*, Cambridge 1957.
10. Burke, Edmund, *Essay on the Sublime and Beautiful*, England 1756.

toobaa-elibrary.blogspot.com

11. Carritt, E. F., *Philosophies of Beauty*, Oxford 1931.
12. Ibid, *The Theory of Beauty*, London 1928.
13. Chandler, A. R., *Beauty and Human Nature*, New York 1934.
14. Croce, Bendetto, *Aesthetic as Science of Expression and General Linguistic*, translated from Italian by Dougles Ainslie,[2] London 1922.
15. Dunham, B., *Study in Kant's Aesthetic, the Universal Validity of Aesthetic Judgments*, New York 1914.
16. *Encyclopaedia Britannica* (especially 9th edition).
17. Khun, Helmut and Kathrine Gilbert, *A History of Aesthetics*, New York 1939.
18. Knight, William, *The Philosophy of the Beautiful*, 2 vols. London 1903.
19. Knox, 1., *Aesthetic theories of Kant, Hegel aud Schopenhaur*, New York 1936.
20. Laird, *The Idea of Value*, Cambridge University Press, 1929.
21. Landholm, *The Aesthetic Sentiment*, 1941.
22. Lee, V., *The Beautiful*, 1913. Ibid, *Beauty and Ugliness*, 1912.
23. Longinus, *De Sublimate*, English. tr. named *Longinus, on the Sublimate*, by Robortelli, Basle 1854.
24. Lundholm, Helge, *Aesthetic Sentiment*, 1941.
25. Marshall, H. R., *Aesthetic Principles*, 1895. Ibid, *The Beautiful*, 1924.
26. Meredith, J. C., *Kant's Critique of Aesthetic Judgment*, Oxford 1911.
27. Mather, F. J., *Concering Beauty*, Princeton, 1935.
28. Maurn, C., *The Nature of Beauty*, English. tr. Fry, London 1927.
29. Ibid, *Aesthetic and Psychology* (English tr. from Fernch) London 1935.

toobaa-elibrary.blogspot.com

30. Miles, S., *Intuiton and Beauty*, 1925.

31. Moffat, James C., *An Introduction to the study of Aesthetics*, 1856.

32. Monk, S. H., *The Sublime*, New York 1935.

33. M'vicar, Dr., *On the Beautiful, the Picturesque and the Sublime*, London 1837.

34. Newton, Eric, *The Meaning of Beauty*, 1950.

35. Osborne, Harold, *Aesthetics and Crticism*, 1955.

36. Parker, De Witt., *Principles of Aesthetics*, 1920.
Ibid, *The Analysis of Art*, 1926.

37. Puffer, *Psychology of Beauty*, 1905.

38. Rader, *A Modern Book of Aesthetics*, 1935.

39. Read, Herbert, *Meaning of Art*, London 1950.
Ibid, *Art and Society*, London.

40. Reid, L. A., *A Study in Aesthetics*, 1931.

41. Ruskin, John, *Modern Painters*, 5 vols., London 1843 - 60.

42. Ibid, *Unto this Last*, London 1862.

43. Sainsbury, George, *A History of Criticism*, 3 vols., London 1934.

44. Santayana, George, *The Sense of Beauty*, New York 1896.

45. Schelling, *Aesthetic*, London 1802.

46. Schoen, Max, *Art and Be auty*, 1932.

47. Sharif, M. M., *Beauty and Expression*, London 1949.
Ibid, *Beauty Objective or Subjective*, Lahore 1948.

48. Solger U. W. F. *Lectures on Aesthetics*, London 1929.

49. Vischer, *Aesthetic as the Science of the Beautiful*, 1846-57.

50. Whitehead, North Alfred, *Adventures of Ideas*, New York 1950.

toobaa-elibrary.blogspot.com

اشاریہ

الف

آدم[ع] : ۲۲۸ ، ۲۷۱ -

اَذانٌ : ۱۱۴ ، ۱۳۷ -

اَذانٌ یَسمَعُونَ بِهَا : ۲۵۱ -

اَذانِہِم وَقراً : ۱۳۵ -

آرزو : ۱۲۰ ، ۱۲۹ -

آرزو اور قلب : ۱۲۱ -

آرزوے حسن : ۲ ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ -

آریہ قبائل : ۲۸ -

آزاد قدر : ۴۶ -

آزادی : ۴۷ ، ۶۴ -

آزدی اور حسن : ۲۶ -

آزادی کی شعوری فعلیت : ۴۸ -

آفاق : ۲۴۶ -

آفاق و انفس : ۲۲۸ ، ۲۲۹ ببعد ، ۲۳۳ ، ۲۴۷ -

آفریدن ؟ : ۵۶ -

آگستائن : ۳۷ -

آمد : ۴۲ -

آمد و آورد : ۲۷ -

آنکھ اور کان کی تربیت : ۳۸ -

آنکھوں پر پردہ پڑنا : ۱۴۷ -

آنکھوں کی ٹھنڈک : ۷۱ ، ۱۷۹ ، ۱۸۸ -

آنکھ کے وظائف : ۱۱۴ -

آواز کا حسن : ۱۲۱ -

آورد یا آمد : ۲۷ -

آھنگ : ۱۷۶ -

آھنگوں : ۱۵۲ -

آئیڈیا (ہیگل) : ۴۸ -

آئینۂ حسن : ۵۵ -

آئینۂ حق : ۵۵ -

آئینۂ دل : ۲۹۶ ببعد -

آیت : ۸۳ -

آیتِ الٰہی : ۲۲۹ -

آیاتِ انفس و آفاق : ۱۳۴ ، ۱۳۵ -

آیاتِ رحمٰن : ۱۰۶ -

ابراہیم[ع] (حضرت) : ۲۷۱ -

اَلْاَبْصَارَ : ۸۷ ، ۹۶ ، ۱۰۹ ، ۱۱۲ ، ۱۱۷ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۴۲ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۲۴۸ -

ابلاغ : ۵۶ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

ابلیس (کردار) : ۲۷۱ -
ابو الکلام آزاد (مولانا) : ۲۰۲ ، ۲۸۱ -
اتقان : ۲۴ ، ۲۵ ، ۸۴ ، ۱۶۴ ، ۲۰۲ ، ۲۲۳ -
اَتقَن : ۸۴ ، ۱۶۵ -
اثر پذیری حسن : ۲۳ ، ۲۴ -
اثر پذیری و اثر آفرینی : ۱۱۶ -
اِثمِ کبیر : ۲۷۷ -
احساس : ۲۹ ، ۴۵ ، ۹۲ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۱۱۲ -
احساسات : ۵۲ ، ۵۳ ، ۱۱۳ ، ۱۲۹ -
احسان (تعریف) : ۱۷۹ -
احسانِ الٰہی : ۲۹۱ ، ۲۹۲ ، ۲۹۵ بیعد -
اَحسَن : ۹۶ ، ۲۹۱ -
اَحسنِ تقویم : ۶۹ ، ۸۵ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ -
احسن الخالقین : ۱۸۸ ، ۱۹۷ ، ۱۹۸ ، ۲۰۵ -
اَحسَنَ صُوَرَکُم : ۸۵ -
اَحسَنَ کُلَّ شَیءٍ خَلَقَهُ : ۷۳ ، ۲۲۲ ، ۲۴۷ -
احسن القصص : ۲۷۰ -
اختلاف : ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۷۵ -
اختلافِ رنگ : ۱۵۶ -
اختلاف لیل و نہار : ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، بیعد -
اختلاف و تضاد : ۱۷۵ -
اُخروی زندگی : ۱۴۲ -
اخلاص اور فنکار : ۲۹ -
اخلاق : ۴۷ -
اخلاقِ حسنہ : ۳۰ -
اخلاقیات : ۳۲ -
اخلاقیات (ارسطو کی کتاب) : ۳۳ -
اخلاق مقصدیت : ۳۳ -
ارادہ : ۵۰ -
ارادۂ مطلق (شوپن ہاور) : ۴۹ -
اربابِ دانش : ۱۳۰ ، ۱۵۸ -
ارسطو : ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۴۹ ، ۲۹۳ ، ۲۹۴ بیعد -
ارتقاء : ۱ ، ۹۰ ، ۱۵۲ -
ارتقاے انسانیت : ۶۳ ، ۱۲۹ -
ارتقاے حیات : ۱۰ ، ۹۸ ، ۱۲۶ -
ارتقائی مدارج : ۱۹۷ ، ۱۹۸ -
الارض : ۸۲ -
اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُم : ۱۲۷ -
ازدواج : ۱۵۸ ، ۱۵۹ -
ازدواجی زندگی : ۱۵۸ -
ازلی تصورات : ۳۱ -
اساسی جمالیاتی قدریں : ۱۰۸ بیعد ، ۱۱۰ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

اسپنوزا : ۳۷ -
اسرار و رموز : ۵۴ -
اسلام : ۲ ، ۲۸ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ،
۳۰۴ -
اسلوبِ فن : ۴۰ ، ۴۲ ، ۱۹۲ ،
۲۷۲ ، ۲۷۳ ، ۲۹۲ -
اشراقیت : ۹۳ -
اضافی وحدتِ شعور : ۲۱۷ -
اظہار : ۳۲ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۴۵ ،
۴۶ ، ۵۰ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۴ -
اظہار ذات : ۱۳ ، ۱۵ -
اظہار عشق : ۹۳ -
اظہار کمال (نظریہ) : ۹۳ -
اظہار مکمل : ۵۱ -
اظہاریت : ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ،
۵۱ ، ۵۶ ، ۹۳ -
اعتدال : ۳۳ ، ۶۶ ، ۶۸ ، ۱۰۸ ،
۱۱۰ ، ۱۱۷ ، ۱۲۵ ، ۱۳۱ ،
۱۹۳ ، ۲۰۵ -
اَعمیٰ اَبصارہم : ۱۳۸ -
افادیت : ۴۸ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ،
۱۹۱ ، ۱۹۲ -
افادیت اور حسن : ۴۸ -
افادیتِ فن : ۳۰ -
افادی مقصدیت : ۲۸۴ ، ۲۸۵ ؛
۲۸۷ -
افادی نظریۂ فن : ۳۰ -
افادیت و مضرت کا معیار : ۲۷۷ -
افلاطون : ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۳ ،
۴۰ ، ۹۲ -
اَلاَفئِدَۃَ : ۸۷ ، ۹۶ ، ۱۰۹ ،
۱۱۲ ، ۱۱۷ ، ۱۴۲ ، ۲۴۸ -
اقبال (علامہ) : ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۶ ،
۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ ، ۵۶ ، ۵۷ ،
۷۷ ، ۷۸ ، ۹۳ -
اقدار (تعیین) : ۱۹۴ -
اقرب المورد : ۱۰۰ -
اقفالُہا : ۱۳۸ -
اقوالِ محال : ۴۲ -
اکتساب : ۹۵ -
اَکِنَّۃً : ۱۳۳ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ -
اگاتھوس : ۳۰ -
اِلٰہ : ۱۴۶ ، ۱۷۹ ، ۲۵۳ ،
۲۵۵ -
اللہ تعالیٰ : ۳۶ ، ۶۶ ، ۷۳ ،
۱۲۵ ، ۱۲۶ -
اللہ جمیلٌ یحِبُّ الجمال : ۷۳ -
اللہ تعالیٰ حسن و نور ہے : ۳۶ -
اللہ کا ذکر جمیل : ۱۲۵ ، ۱۲۶ -
اللہ تعالیٰ کی فطرت : ۸۵ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

اللّٰہ نور السموات و الارض : ۷۳ -
الفاظ : ۲۷۳ ، ۲۷۵ ، ۲۷۶ -
المیہ ، ۲۹۴ ، ۲۹۸ -
الوان : ۱۵۳ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ -
اُلوھیت : ۳۶ -
الہامی صحیفے : ۱۰۵ -
الہامی کتاب : ۱۰۵ -
الہامی کتابیں : ۱۰۶ -
إماماً : ۱۰۵ -
امراضِ قلب کے اسباب : ۱۱۷ ، ۱۱۸ -
امثال کا عالم : ۳۱ -
امرِ ربّی : ۸۴ -
امیال و عواطف : ۱۱۹ -
انجذاب : ۱۰ ، ۹۴ ، ۱۵۸ -
اندھا پن (قلب کا) : ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۲۵۲ -
انسان : ۵۶ ، ۶۶ ، ۸۱ ، ۹۶ ، ۱۲۹ ، ۲۶۵ -
انسان کامل : ۲۶۵ -
انسانیت اور ثقافت : ۳۰۴ -
انفاخِ روح : ۸۷ ، ۱۹۴ ، ۲۰۵ -
انفرادیتِ فن : ۲۷۷ -
انفس و آفاق : ۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۲۸ ، ۲۲۹ ، ۲۳۳ ، ۲۴۶ -
انفعالات : ۱۱۳ -
انفعالی قوت : ۹ ، ۷۷ -
اَلَآ تَنۡھَر : ۷۸ -
اُولی الالباب : ۱۳۰ ، ۱۵۶ ، ۱۵۸ ، ۱۹۰ ، ۲۳۲ ، ۲۵۸ -
اُولوالعلم : ۲۵۳ -
اہلِ جنت : ۸۹ ، ۹۰ -
اہلِ حسن و محبت : ۱۷۸ ، ۱۸۲ -
اہلِ ذوق و نظر : ۱۷۶ -
اہلِ علم : ۲۵۱ ، ۲۵۴ -
ایستھیٹکس ، ۲۳ -
ایّام اللّٰہ : ۲۴۳ -
إیغو : ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۸۴ -
ایمان : ۱۲۲ ، ۱۲۶ ، ۱۴۳ -
ایمان و اطمینان : ۱۴۳ -

ب

باصرہ : ۲۷ ، ۸۷ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ -
باطل : ۷۴ ، ۱۱۹ ، ۲۸۱ ، ۲۸۲ -
الباطل : ۲۸۱ ، ۲۸۲ ، ۲۸۶ -
باطل تخلیق : ۳۱ -
بام گارٹن : ۲۳ ، ۳۹ ، ۹۳ -
بانگ درا : ۵۴ ، ۵۵ -
بحث و نزاع کا طریقہ : ۲۹۸ -
بخل : ۳۰۱ ، ۳۰۲ -
بخل و إستغنیٰ : ۳۰۱ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

بد صورتی : ۴۴ -
بدی اور نیکی : ۳۸ -
برک : ۴۴ ، ۱۷۸ -
برگساں : ۳۵ ، ۹۳ -
برہما دیوتا : ۲۹ -
بشر : ۶۷ -
بشرًا : ۱۰۹ -
بشرًا سویًا : ۶۸ ، ۱۱۰ -
البصر : ۱۱۵ ، ۱۴۷ ، ۲۳۰ ، ۲۴۹ -
بصرہ : ۲۵۵ -
بصیرت : ۵۲ ، ۶۹ ، ۱۱۵ -
بطون : ۱۱۲ -
بکم : ۲۵۲ ، ۲۵۳ -
بنی اسرآءیل : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
بوزنکٹ : ۳۹ ، ۱۵۱ -
بوقلوں سناظر : ۱۵۶ -
بوقلمونی : ۵ ، ۲۴ ، ۴۱ ، ۱۳۱ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۵۵ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۱۷۵ ، ۲۰۳ -
بوقلمونی کی حقیقت ؟ : ۱۵۱ بیعد -
بہرا کرنا : ۱۳۹ -
بہرے : ۲۵۲ ، ۲۵۳ -
بیستوں : ۵۵ -
بیمار تخیلات و جذبات : ۱۱۹ -
بیمار دل : ۱۲۰ ، ۱۲۱ -
بیماری قلب : ۱۱۴ ، ۱۱۹ ، ۱۲۱ -

پ

پاکیزگی : ۲۴ ، ۲۵ ، ۳۹ ، ۱۵۱ ، ۱۶۶ -
پاکیزہ بات : ۱۶۷ ، ۱۶۸ ، ۱۶۹ -
پاکیزہ لٹریچر : ۱۷۰ -
پانی کی صلاحیت : ۲۰۰ -
پانی کے خواص : ۲۰۰ بیعد -
پلاٹ : ۲۶۷ ، ۲۷۱ ، ۲۷۳ -
پیچیدگی اور تسلسل بوقلمونی : ۴۰ -
پیدائش : ۹۷ ، ۱۰۹ -
پیکر تخلیق : ۸۳ ، ۸۴ ، ۱۰۱ ، ۱۲۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۵ ، ۱۹۲ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ -

ت

تاج العروس : ۱۰۰ ، ۲۸۱ -
تاریخ اور شاعری : ۳۳ -
تاریخ اور فن : ۳۳ -
تاریخ جمالیات (بوزنکٹ) : ۵۰ -
تاریخ فنون (ونکل مان کی) : ۴۰ ، ۴۱ -
تاریخی واقعیت : ۱۲۷ -
تازہ خدائے : ۵۶ -
تال : ۵۰ ، ۱۷۷ -
تبشیر و تنذیر : ۲۹۶ بیعد -

toobaa-elibrary.blogspot.com

تَحِیَّۃً : ۷۲ -
تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ : ۱۲۵ -
تخلیق : ۳۶ ، ۴۸ ، ۱۰۱ ، ۱۰۸ ،
۱۰۹ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۱۹۶ ،
۱۹۷ ، ۱۹۸ ، ۱۹۹ ، ۲۰۱ ،
۲۰۲ ، ۲۲۸ ، ۲۸۴ -
تخلیق بالباطل : ۲۸۶ -
تخلیق بالحق : ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۸۹ ،
۲۸۶ -
تخلیقی صلاحیت : ۳۳ -
تخلیقی عناصر : ۲۰۳ ، ۲۰۴ ،
۲۰۵ -
تخلیقی فعلیت : ۱۴ ، ۲۶ ، ۳۲ ،
۶۷ ، ۸۴ ، ۸۶ ، ۱۰۸ ،
۱۰۹ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۶۱ ،
۱۸۸ ، ۱۸۹ ، ۱۹۱ ، ۱۹۲ ،
۱۹۳ ، ۱۹۸ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ ،
۲۰۲ ، ۲۰۴ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ ،
۲۰۸ ، ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۲۴ ،
۲۲۸ ، ۲۳۴ -
تخلیقی فعلیت کی تکنیک : ۱۹۲ ببعد ،
۱۹۸ ، ۲۰۶ -
تخلیقی فعلیت کی علت غائی : ۲۰۹ -
تخلیقی فعلیت کے محرکات : ۲۰۸ ،
۲۰۹ -
تخلیقی قوت : ۲۰۱ -
تخیل : ۲۴ ، ۲۹ ، ۳۲ ، ۳۴ ،
۳۶ ، ۵۱ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ ،
۲۷۳ ، ۲۷۴ ، ۲۷۵ -
تخیلات : ۵۱ ، ۱۱۹ -
ترتیب : ۵۲ -
ترجمان القرآن : ۲۰۲ ، ۲۸۱ -
ترکیب : ۶۶ -
ترکیبِ صوری : ۶۷ ، ۱۰۸ ،
۱۹۴ ، ۲۰۵ -
تذکّر : ۹ -
تزکیۂ نفس : ۲۵ ، ۱۶۷ ، ۲۹۴ -
تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ : ۷۰ ، ۱۷۹ -
لِتَسْکُنُوْا : ۱۵۸ -
تسکین آفرینی : ۷۲ -
تسکین کی وجۂ حقیقی : ۸۳ -
تسکینِ حواس : ۷۳ -
تسویہ : ۵ ، ۱۴ ، ۶۶ ، ۶۸ ،
۶۹ ، ۷۰ ، ۷۴ ، ۸۴ ، ۸۵ ،
۸۶ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ،
۱۵۳ ، ۱۹۴ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ،
۲۰۵ ، ۲۸۴ -
تصور : ۵۲ -
تصورات : ۳۲ ، ۳۸ ، ۵۱ -
تصوراتِ ازلی : ۳۱ -
تصور کا حسن : ۳۸ -
تصوف : ۱۸۳ -
تصویر : ۱۱۰ ، ۱۵۲ ، ۱۷۷ ،
۲۰۳ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

تصویریت : ۳۱ ، ۳۲ ، ۱۶۴ ،
۱۷۶ ، ۲۰۴ -
تصوریت (افلاطون) : ۳۱ -
تضاد و اختلاف : ۲۰۳ -
تضاد و تخالف : ۸۳ ، ۱۵۲ -
تعدیل : ۵ ، ۱۴ ، ۴۹ ، ۶۷ ،
۶۸ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۱۰۸ ،
۱۱۰ ، ۱۵۳ ، ۱۹۴ ، ۲۰۳ ،
۲۰۴ ، ۲۷۳ ، ۲۸۴ ، ۲۹۷ ،
۲۹۸ -
تعقّل : ۳۶ ، ۱۱۶ -
تعلیق (Suspense) : ۲۶۷ ، ۲۶۸ -
تَعْمَی الْاَبْصَارُ : ۱۱۴ ، ۱۳۷ ،
۲۵۱ -
تَعْمَی الْقُلُوْبُ : ۱۱۴ ، ۱۳۸ ،
۲۵۱ -
تقفّلِ قلب : ۱۳۸ -
تعیین اقدار : ۲۰۴ ، ۲۰۵ -
تغیر : ۹۰ -
تغیّر و تنوع : ۱۵۹ -
تفکر انفس و آفاق : ۲۰۹ -
تقلید : ۴۲ -
تقدیر : ۱۰۰ -
تَقْدِیْرًا : ۹۹ -
تقویم : ۶۹ -
تکذیبِ حق : ۱۱۸ -
تکذیب و تضحیک : ۱۳۴ -
تکذیب و تکفیر : ۱۳۲ ، ۱۳۵ ،
۱۳۶ -
تکفیر و تکذیب : ۱۳۵ -
تکّلف : ۴۲ -
تکمیل شخصیت اور رحمت : ۲۲۱
ببعد -
تکمیل شخصیت اور صفت ربوبیت :
۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱ -
تکنیک : ۱۰۸ ، ۱۹۸ ، ۲۰۶ -
تَلَذُّ الْاَعْیُنُ : ۱۷۹ ، ۱۸۹ -
تمثیل : ۲۰۳ ، ۲۷۱ -
تمثیلی خطوط : ۴۹ -
تناسب و ہم آہنگی : ۳۰ ، ۳۵ ،
۳۷ ، ۴۰ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۶۶ ،
۸۶ ، ۱۰۱ ، ۱۰۸ ، ۱۹۳ ،
۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵ ،
۲۷۶ -
تناقضات : ۵۲ ، ۵۳ -
تنزیل : ۱۰۴ -
تنقید (افلاطون کے نزدیک) : ۳۲ -
تنقید بالحق : ۲۹۷ -
تنذیر : ۲۹۶ ببعد -
توازن : ۱۶۴ ، ۱۷۷ -
تَوْبَۃً نَّصُوْحًا : ۷۸ -
توحید : ۱۳۵ -
ٹریجڈی : ۲۹۴ -
ٹھنڈک (تعریف) : ۱۸۰ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

ث

ثبات : ۹۰ -
ثقافت : ۱ ، ۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۱۷۸ ، ۳۰۴ -
ثقافت یافتہ (Cultured) : ۱۷۸ -
ثقافتی اظہار : ۲۴ -

ج

جاذبیت و نظر افروزی : ۱۵۲ ، ۱۶۰ -
جان رسکن : ۳۹ -
جبلتِ تجسس : ۱۶۱ -
جبلی جذبہ : ۹۳ -
جذب : ۱۵۸ -
جذبات : ۱۱۹ -
جذب کی قوت : ۹۴ -
جذب و انجذاب : ۱۰ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۱۷۲ -
جذبۂ تخلیق : ۲۰۹ ، ۲۱۰ ، ۲۱۱ -
جذبۂ حسن : ۵۱ -
جذبۂ خالقیت : ۲۰۹ -
جذبۂ خوش فعلیت : ۴۶ -
جذبۂ عبودیت : ۱۷۸ ، ۱۷۹ -
جذبۂ محبت : ۱۵۸ -
جلال : ۱۰ ، ۱۱ ، ۲۵ ، ۲۸ ، ۳۴ ، ۴۲ ، ۴۴ ، ۱۶۳ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۲۷۶ -
جلال (لونجائنس کی کتاب) : ۳۴ -
جلوہ : ۷۴ -
جلیل : ۴۴ ، ۷۶ -
جلیل و جمیل صورتیں : ۷۶ -
جمال : ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۲۴ ، ۲۸ ، ۳۹ ، ۴۴ ، ۵۴ ، ۷۰ ، ۷۳ ، ۸۲ ، ۹۲ ، ۹۸ ، ۱۱۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۹ ، ۱۵۵ ، ۱۶۳ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۸۷ ، ۲۰۱ ، ۲۲۲ ، ۲۶۵ -
جَمَالِ حِسَن تْرِیحُون : ۲۲۲ -
جمالیات : ۱ ، ۲ ، ۱۶ ، ۲۳ ، ۲۸ ، ۶۳ ، ۹۲ ، ۳۰۴ -
جمالیاتی اثر : ۴۹ -
جمالیاتی اختلاف : ۱۷۵ -
جمالیاتی پسند : ۱۷۵ -
جمالیاتی تخلیق : ۴۸ -
جمالیاتی تقاضا : ۱۸۰ -
جمالیاتی ثقافت : ۲۶ -
جمالیاتی ثقافت پر خطوط : ۲۶ -
جمالیاتی حس : ۹ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۴۱ ، ۶۵ ، ۶۹ ، ۹۵ ، ۹۸ ، ۱۱۶ ، ۱۲۲ ، ۱۵۲ ، ۱۵۷ ، ۱۶۱ ، ۱۶۳ ، ۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۶ ، ۱۹۲ ، ۲۰۴ ، ۲۲۴ ، ۲۹۵ ، ۳۰۴ -
جمالیاتی حظ : ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

جمالیاتی خنکی : ۱۸۰ -
جمالیاتی ذوق : ۱۷۲ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۶ -
جمالیاتی شعور : ۴۳ ، ۳۰۴ -
جمالیاتی صورت : ۴۶ -
جمالیاتی فعلیت : ۵۱ -
جمالیاتی قدر یا قدریں : ۱۴ ، ۲۷ ، ۳۱ ، ۴۱ ، ۴۵ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۰ ، ۹۵ ، ۱۰۸ ، ۱۱۰ ، ۱۲۸ ، ۱۶۱ ، ۱۹۸ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ -
جمالیاتی قوت محاکمہ : ۴۲ ، ۴۶ ، ۴۸ -
جمالیاتی لمحات : ۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ -
جمالیاتی مشابہت : ۴۶ -
جمالیاتی مشاہدہ : ۸۷ ، ۱۱۳ ، ۱۷۶ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ -
جمالیاتی مغالطہ : ۱۷۳ ، ۱۷۵ -
جمالیاتی وجدان : ۴۷ -
جمیل : ۵۶ ، ۷۶ ، ۸۳ ، ۱۶۱ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ -
جنّت : ۷۱ ، ۷۲ ، ۷۸ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ -
جنسی جبلت : ۹۳ -
جنسی خواہشات : ۱۲۲ -
جوہر : ۷۴ -
جہاد : ۲۲۴ ، ۲۲۵ ببعد -
جہالت و ضلالت : ۳۰۰ -
جیمز ایس کوئنرنز : ۲۶ -

چ

چھاپ لگنا (قلوب ، کانوں اور آنکھوں پر) : ۱۴۳ -

ح

حاسّہ : ۸۸ -
حاصلِ زندگانی : ۳۷ -
حال و مقام : ۸۹ -
حالی : ۷۷ ، ۷۸ -
حجابِ دل : ۱۳۳ -
حدیث قدسی : کُنتُ کَنزاً مخفیاً : ۲۰۹ -
حرکتِ ارتقائی : ۷۶ ، ۷۸ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۸۴ ، ۹۳ -
حرکتِ مدام : ۷۷ ، ۷۸ ، ۹۰ -
حرکی نظریۂ حسن : ۷۶ ، ۷۹ -
حرّیتِ فکر و نظر : ۶۳ ، ۹۴ -
حسِ جمال : ۹ ، ۶۹ ، ۱۱۶ -
حسِ ذائقہ : ۱۷۲ -
حسِ لامسہ : ۱۷۲ ، ۱۷۴ -
حُسن : ۱ ، ۲ ، ۵ ، ۶ ، ۹ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۳۰ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۲ ،

toobaa-elibrary.blogspot.com

۴۳ ، ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۴۸ ،
۴۹ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۵۳ ، ۵۴ ،
۵۵ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶ ،
۶۸ ، ۶۹ ، ۷۰ ، ۷۴ ، ۷۷ ،
۷۸ ، ۸۱ ، ۸۳ ، ۸۷ ، ۹۲ ،
۹۳ ، ۹۴ ، ۹۶ ، ۹۸ ، ۹۹ ،
۱۰۸ ، ۱۱۰ ، ۱۱۳ ، ۱۱۹ ،
۱۲۱ ، ۱۲۷ ، ۱۳۵ ، ۱۵۱ ،
۱۵۲ ، ۱۶۳ ، ۱۷۲ ، ۱۷۳ ،
۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ،
۱۷۸ ، ۱۸۲ ، ۱۸۷ ، ۱۹۲ ،
۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۵ ، ۲۰۱ ،
۳۰۲ -

حُسناً : ۲۷۳ -

حسن آفرینی : ۱۴ ، ۶۷ ، ۱۶۴ ،
۲۱۱ -

حسنِ آواز : ۴۳ ، ۱۲۱ ، ۱۷۳ ،
۱۸۳ -

حسن آئینۂ حق : ۵۵ -

حسنِ ازل : ۵۵ -

حسنِ اشیاء : ۷۴ ، ۷۵ -

حسنِ الٰہی : ۳۷ ، ۷۳ ، ۷۷ -

حسنِ الفاظ (شعر میں) : ۲۷۵ ،
۲۷۶ -

حسنِ باطنی : ۳۷ ، ۷۷ ، ۷۸ ،
۷۹ ، ۸۹ -

حسنِ بصیرت : ۲۹۷ -

حسنِ بُو : ۱۷۲ -

حَسُنَت مُستَقَرًّا وَّ مُقَامًا :
۷۲ -

حسنِ تمام : ۶۶ -

حسنِ تقویم : ۶۹ -

حسن حرکی و ارتقائی : ۱ ، ۵۵ ،
۷۹ -

حسنِ حقیقت : ۱۲۲ -

حسنِ حقیقی : ۵۵ ، ۷۷ ، ۱۶۹ ،
۱۷۹ -

حسنِ حیات : ۸۹ -

حسنِ خطوط : ۱۷۳ -

حسنِ ذوق : ۲۵ -

حَسُنَ رَفِیقًا : ۲۵۴ -

حسنِ رنگ : ۱۷۳ -

حسنِ زندگی : ۷۳ ، ۱۲۷ -

حسنِ زندہ : ۳۵ -

حسنِ صورت : ۱۰۱ ، ۱۲۱ ،
۲۷۵ -

حسنِ عبادت : ۱۷۹ -

حسنِ عمل : ۳۰ -

حسنِ فطرت : ۱۰۱ -

حسنِ فطرتِ انسانی : ۲۹۶ -

حسنِ فطری : ۶۵ -

حسن قائم بالخودی ہے (اقبال) :
۵۴ -

حسنِ قلب : ۱۰ ، ۳۲ ، ۷۸ ،
۷۹ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۱۷ -

حسن کاری ، ۲۷ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

حسنِ کائنات : ۳، ۷۴، ۷۲، ۱۱۲ -
حسنِ کلام : ۵۵ -
حُسنِ مآب : ۲، ۷۲، ۸۹، ۱۸۲،
۳۰۴ -
حسن مابعد الطبیعی : ۷۳ -
حُسنِ متوسل : ۴۳ -
حسنِ مجازی : ۵۵ -
حسنِ مردہ : ۳۵ -
حسنِ مطلق : ۳۰، ۳۱، ۴۸،
۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۹، ۸۶،
۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۲۷ -
حسنِ معروضی : ۴۵، ۵۳، ۷۹،
۹۴، ۹۶، ۹۷ -
حسنِ معنوی : ۹۶، ۱۱۰ -
حسن موضوعی : ۴۳، ۷۹، ۸۱،
۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴،
۹۸ -
حسنِ نظر : ۱۱۶ -
حسن نور ہے (فلاطینوس) : ۳۵،
۹۳ -
حسن ، نیکی اور عقل : ۳۱ -
حسن ، نیکی اور مسرت : ۳۳ -
حسن نیکی ہے (ارسطو) : ۳۳ -
حُسنُھُنَّ : ۹۶، ۱۷۹ -
حسن و آزادی : ۲۶ -
حسن و اخلاق (فخطے) : ۴۷ -
حسن و ارسطو : ۳۳ -
حسن و افادیت : ۴۳ -
حسن و حقیقت : ۸۲، ۱۳۶ -
حسن و خوبی : ۲۰۴ -
حسن و زندگی : ۳۵، ۹۳ -
حسن و زینت : ۱۶۲ -
حسن و سرور : ۷۱، ۷۲ -
حسن و صداقت : ۵۱ -
حسن و فن : ۱۴، ۲۳، ۲۷،
۳۰، ۴۸، ۵۷ -
حسن و قبح : ۳۸، ۹۴، ۱۱۹،
۲۹۶ -
حسن و قلب : ۱۱۶، ۱۱۷،
۱۲۲، ۱۳۸ -
حسن و کمال : ۴۳ -
حسین بات : ۲۷۳ -
حسین بات کی تصدیق : ۳۰۲ -
حسین چیزیں : ۱۶۳ -
حسین و صحت مند دل : ۱۲۰ -
حسیاتی قوتیں : ۲۷ -
حسی جمالیاتی تقاضا : ۱۸۰ -
حسی قوت : ۱۱۴ -
حسی مشاہدہ : ۵۱ -
حضوری و وصال : ۳۷ -
حظ : ۴۳، ۴۶ -
الحق : ۷۴، ۱۰۰، ۱۰۳،
۱۰۴، ۲۵۰، ۲۸۰، ۲۸۱ -
حق : ۷۴، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۱۸،
۱۲۵، ۲۳۴، ۲۸۰، ۲۸۱،
۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۳۰۱ -
حق و انصاف کی محبت : ۱۲۵ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

حقائق خارجی و نفسیاتی : ۱۳۴ -
حق و باطل : ۲۸۲ ، ۲۸۳ ، ۲۸۶ ، ۲۹۶ -
حق و صداقت : ۱۱۸ ، ۱۲۲ ، ۳۰۱ -
حقیقت : ۵ ، ۶ ، ۸ ، ۱۰ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۴۶ ، ۴۸ ، ۷۴ ، ۸۱ ، ۸۵ ، ۱۰۰ ، ۱۱۵ ، ۱۴۳ ، ۱۹۱ ، ۲۳۶ ، ۲۸۴ ، ۲۸۷ -
حقیقت پسند : ۳۲ -
حقیقت کی حرکی قوت : ۸۱ ، ۸۵ -
حقیقت کی نقالی : ۳۴ -
حقیقتِ مطلقہ : ۴۸ -
حقیقت مطلقہ کے تین مظاہر : ۳۳ -
حقیقت و فن : ۲۸۴ ، ۲۸۷ -
حقیقت و مشابہت : ۴۶ -
حقیقت و واقعیت : ۱۱۸ ، ۱۱۹ -
حقیقی تصور مطلق (آئیڈیا) : ۴۸ -
حقیقی فنکار : ۲۸۵ ، ۲۸۶ -
حقیقی قدریں : ۳۰ -
حواس و قلب کی ہم آہنگی : ۷۱ -
حکمت : ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ -
اَلْحِکْمَۃَ : ۲۹۷ ببعد -
حکیم : ۱۲۰ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ -
حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ : ۱۹۳ -
اَلْحَمْدُ : ۱۵۸ -
حواس و قلب : ۹ ، ۲۷ ، ۳۸ ، ۸۷ ، ۸۸ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۸ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۶ ، ۱۱۷ ، ۱۲۹ ، ۱۳۱ ، ۱۳۹ ، ۱۴۸ ، ۱۷۳ -
حواس کے مشاہدات و تجربات : ۱۲۹ -
حیات : ۱۱ ، ۳۵ -
حیات انسانی : ۳۰ ، ۳۴ ، ۷۷ ، ۸۱ ، ۱۲۷ -
حیاتِ اُخروی : ۷۸ ، ۷۹ -
حیاتِ دنیا : ۷۸ -
حیات کائنات : ۷۶ ، ۹۳ -
حیات و ممات : ۱۲۴ -
حیاتیاتی تخلیق : ۲۰۱ -
حیاتیاتی عملِ تخلیق : ۲۰۲ -
حیرت : ۱۴ -

خ

خاسرون : ۱۴۲ -
خالقِ حقیقی : ۷۳ ، ۸۳ ، ۸۶ -
خالقیت کا جذبہ : ۲۰۹ -
خالقیت و ربوبیت کا تعلق : ۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۲۱ -
خبیث بات : ۱۶۸ -
ختم : ۱۴۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۲۵۵ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

خَتَمَ : ۲۵۵ -
خشیۃ اللہ : ۱۲۳ -
خشیتِ الٰہی : ۱۲۴ -
خط : ۲۰۳ -
خطِّ حُسن (نظریہ ہوگارتھ) : ۳۹ -
خَلَقَ : ۹۹ -
خَلْق الْعَلِيْم : ۲۶۳ -
خَلْق الرَّحمٰن : ۱۶۵ -
خَلَقَکَ : ۸۶ ، ۱۰۸ -
خُلق : ۱۷۶ -
خُلقِ عظیم : ۲۱۶ -
خلاّق : ۱۳ -
الخمر : ۲۷۷ -
خواہشاتِ نفسانی : ۱۱۹ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۸۱ ، ۲۵۵ -
خوب سے خوب تر : ۱ ، ۵۶ ، ۷۶ ، ۷۸ ، ۱۱۹ -
خودی ، ۱۲ ، ۳۵ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ ، ۵۶ ، ۸۴ ، ۹۳ -
خوش فعلیت : ۳۶ -
خوشبو : ۱۷۳ -
خوب صورت : ۱۳ ، ۳۶ ، ۴۴ ، ۴۹ ، ۵۱ ، ۱۱۰ -
خونِ جگر اور فنکار : ۲۹ ، ۲۰۲ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ -
خونِ دل : ۲۰۲ -
خیرِ محض : ۳۱ -
الخیر : ۳۱ -

د

دائرہ : ۴۰ ، ۴۸ -
دل : ۸ ، ۹ ، ۱۲ ، ۲۷ ، ۵۵ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۵ ، ۹۷ ، ۱۱۳ ، ۱۲۹ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۵ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ -
دل آئینہ حق : ۵۵ -
دل پر پردہ ڈالنا : ۱۳۵ -
دل کا ٹیڑھاپن : ۱۲۷ ، ۱۲۸ -
دل کی بیماری : ۱۲۲ -
دل کی کجی : ۱۲۹ ، ۱۳۰ -
دل کے اندھے : ۱۳۸ -
دل و دماغ پر پردہ پڑنا : ۱۳۴ ، ۱۳۶ -
دل و دماغ پر چھاپ : ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ۱۴۳ ، ۱۴۴ ، ۱۴۵ ، ۱۴۶ -
دل و دماغ پر قفل چڑھنا : ۱۳۸ ، ۱۳۹ -
دماغ : ۸ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۲۷ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۱۱۳ ، ۱۱۶ ، ۱۲۹ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ -
دھر : ۲۴۳ ، ۲۴۴ -
الدِّيْنِ حَنِيْفًا : ۲۴۸ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

دینِ حنیفہ کی اساس : ۱۴۸ -
الدِّیْنُ الْقَیِّمُ : ۲۴۸ -
دیوانِ حالی : ۵٦ -
دیوتا : ۳٦ -
دیو مالا : ۲۸ ، ۲۹ -
ڈرامہ : ۲٦٦ تا ۲۷۲ ببعد -
ڈرامے کے اجزا : ۲۷۳ -
ڈیزائن : ۴۰ ، ٦۷ ، ۱۰۸ ، ۲۷٦ -
ڈینیوب (دریاے) : ۳۴ -

ذ

ذاتِ الٰہی : ۳۰ -
ذائقہ : ۲۷ ، ۸۷ ، ۱۱۲ -
ذکر الٰہی : ۱۲٦ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ -
ذکر حسن : ۱۸۲ -
ذکر حق : ۱۲۵ -
ذکر وحدہ : ۱۳۵ -
ذوق : ۲۵ ، ۲۰۵ -
ذوقِ تجسّس : ۱۵۲ -
ذوقِ زمانہ : ۲٦ -
ذوقِ حسن : ۲٦ ، ۷۱ ، ۱۳۸ -
ذوق کی قوت محاکمہ : ۴۲ ، ۴۳ -
ذوقِ نظر : ۷۱ ، ۷۷ ، ۱۸۸ -
ذوالجلال : ۱۷٦ -

ر

راغب اصفہانیؒ : ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۲۸۱ -
رَانَ : ۱۳۱ -
رائن (دریاے) : ۳۴ -
رب جلیل : ۱۷٦ -
ربوبیّت : ۱۰۳ ، ۲۱۹ -
رجعیت : ۲۹۴ ، ۲۹۵ ، ۲۹۸ -
رجوع : ۲۹۳ ، ۲۹۴ -
رحمٰن : ۱۰٦ ، ۲۲۳ -
رحمت : ۸۳ ، ۱۰۳ ، ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۰٦ ، ۱۳۰ ، ۲۲۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۲۷ ، ۲٦۰ ، ۲۹۸ -
رَحْمَةً : ۸۳ ، ۱۰۵ ، ۱۵۸ -
رحمةً للعٰلمین : ۱۰٦ -
رِزْقًا حَسَنًا : ۲۳۸ ببعد -
رسولؐ : ۱٦ ، ۱۲۰ ، ۱۴۱ ، ۳۰۰ -
رضاے الٰہی : ۳۰۲ -
رَگْبَک : ۸٦ ، ۱۰۸ ، ۱۹۲ -
رموز قرآنی : ٦۵ -
رنگ : ۳۵ ، ۳۷ ، ۴٦ ، ۷۰ ، ۷۱ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۷۳ ، ۱۷٦ ، ۱۷۸ ، ۲۰۳ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

رنگِ تغیر : ۷۷-
رنگِ تخالف و تضاد : ۱۷۸ -
رنگِ جمال و جلال : ۱۷۶ -
رنگت : ۱۵۵ ، ۱۵۶ -
روپ : ۱۱۰ -
رواق : ۹۲ ، ۹۳ -
روایت : ۴۱ -
الرُّوح : ۲۸۹ -
روح : ۱۲ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۶۸ ، ۸۴ ، ۹۷ ، ۱۲۵ ، ۲۰۸ ، ۲۹۰ -
روحِ الٰہی : ۲۰۸ ، ۲۴۷ ، ۲۴۸ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ -
روحِ اُلوہیت : ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ -
روحانی موت : ۱۲۴ -
روحِ ایمانی ۱۲۵ -
روح پھونکنا : ۱۰۹ ، ۱۱۰ -
رُوحَنَا : ۶۸ -
روحِ حیات : ۸۴ -
روحِ عبادت : ۱۷۹ -
رُوحہ : ۸۷ ، ۹۶ ، ۲۴۷ -
رُوحِی : ۶۷ ، ۱۰۹ ، ۱۹۳ -
روحِ خلّاق : ۲۹ ، ۲۰۸ ، ۲۹۰ ، ۲۹۱ ، ۲۹۷ ، ۳۰۲ -
روحِ فنکار : ۲۰۶ -
روح کی سکینت و رفعت : ۳۰ -
روح کی غذائیت : ۱۲۵ -
رومانی فن : ۳۴ -
رومانوی : ۴۹ -
ریاض و مزاولت : ۹۵ -
ریاضی (نظام) : ۳۱ -
رینلڈز : ۴۰ -

ز

زَاغُوْا : ۱۲۷ -
زبور عجم : ۵۴ ، ۵۶ -
زُخرف : ۱۶۲ -
زمان و مکان : ۱۱ ، ۳۰ ، ۳۱ ، ۵۴ ، ۶۵ -
زمانہ : ۱۱ ، ۲۴۳ ، ۲۴۴ -
زمانہ اور زندگی : ۱۱ -
زمانے کی لوحِ محفوظ : ۲۴۳ -
زندگی : ۱ ، ۵ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۳۵ ، ۴۶ ، ۵۱ ، ۷۶ ، ۷۹ ، ۸۲ ، ۸۴ ، ۹۸ ، ۱۲۴ ، ۱۶۰ ، ۲۰۵ ، ۲۱۴ ، ۲۸۴ ، ۳۰۲ -
زندگی قوت ہے (نطشے) : ۳۵ -
زندگی کا سرور و ارتقاء : ۹۸ -
زندگی کی غایتِ حقیقی : ۱۲۴ ، ۳۰۲ -
زندگی کے عناصر ترکیبی : ۱۰ -
زنگ : ۱۳۱ ، ۱۳۲ -
زنگ آلودگیِ (قلب) : ۱۳۱ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

زوج : ۱۷۲ -
زَوْجٍ کَرِیْمٍ : ۸۲ ، ۸۳ -
زَوْجَیْنِ : ۸۲ -
زَیغَ : ۱۲۹ -
زیغِ قلب : ۱۲۷ ، ۱۲۹ -
زیب و زینت کی چیزیں : ۱۶۳ ،
۱۶۴ -
زینۃ اللہ : ۱۶۳ -
زِیْنَتَکُمْ : ۱۶۳ -
زینۃ الکواکب : ۱۶۲ -
زینت : ۱۹۶ -
زِیْنَۃً : ۱۸۸ -
زینتیں (خدا کی) : ۱۶۳ -
زَیَّنَا : ۱۹۴ ، ۱۹۵ -

س

سٰجِدِیْنَ : ۱۰۹ -
سامعہ : ۲۷ ، ۸۷ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ،
۱۱۴ ، ۲۳۰ -
سائنس کا مقصد : ۵۰ -
سچا مشاہدہ : ۱۱۶ -
سخت دلی : ۱۲۴ -
سُر : ۳۷ ، ۱۵۲ ، ۱۷۶ ، ۱۷۷ ،
۲۰۳ -
سُرور : ۱۵ ، ۷۱ ، ۷۳ ، ۸۱ ،
۹۴ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ -
سرور انگیزی : ۱۳ ، ۶۹ ، ۷۰ ،
۷۱ ، ۷۲ -
سسرال : ۱۶۱ -
سفر زندگی : ۱۳۴ -
سقراط : ۳۰ ، ۳۱ ، ۹۲ -
سَکَرًا : ۲۳۸ بیعد -
سکینت : ۷۷ ، ۸۳ -
سَلْماً : ۷۲ -
سلامتی : ۷۷ ، ۷۹ -
السَّمْعَ : ۸۷ ، ۹۶ ، ۱۰۹ ،
۱۱۲ ، ۲۳۰ ، ۲۳۸ ، ۲۳۹ -
سمع : ۹۶ ، ۱۳۲ ، ۱۳۷ ،
۱۳۸ ، ۱۳۹ -
سُمْعِہٖ : ۲۵۵ -
سُنت اللہ : ۲۲۹ ، ۲۳۰ -
سنگتراشی : ۳۹ -
سنگِ میل : ۱۳۴ -
سواء السَّبیل : ۱۳۵ -
سوز اور فنکار : ۲۹ -
سوزِ دروں : ۹۳ -
سوزِ زندگی : ۵۵ -
سوزِ عشق : ۲۲۶ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

سُوہا : ۸۵ ، ۸۷ ، ۹۶ ، ۹۷ ،
۲۴۷ -
سُویتہ : ۱۰۹ ، ۱۹۳ -
سیاست و ثقافت : ۲۶ -
سیر و سیاحت : ۱۱۵ ، ۱۳۸ ،
۲۴۱ ، ۲۴۲ -
فَسِیرُوا فِی الْاَرْضِ : ۲۴۰ ،
۲۴۱ بعد -
یَسِیرُوا فِی الْاَرْضِ : ۲۵۱ بعد -

ش

شاعر : ۳۲ ، ۲۰۳ ، ۲۷۴ ،
۲۷۵ -
شاعری : ۳۳ ، ۳۴ ، ۴۵ ، ۴۹ ،
۲۷۳ -
شامہ : ۲۷ ، ۸۷ ، ۱۱۲ ، ۱۷۲ -
شان : ۷۶ ، ۸۹ ، ۹۰ -
شاہد : ۲۶۱ ، ۲۶۲ -
شر : ۴۳ -
شرح صدر : ۱۲۶ -
شَرَّ الدَّوَآب : ۲۵۳ -
شرائط ثقافت : ۲۵ ، ۲۶ -
طرائط فن : ۱۹۱ بعد -
شعر : ۴۴ ، ۱۱۰ ، ۱۶۴ ، ۱۷۷ ،
۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵ -
الشُّعَرَآءُ : ۲۷۴ -
شعریت : ۱۶۴ ، ۲۰۴ -
شعریات (ارسطو کی کتاب) : ۳۳ ،
۲۹۳ بعد -
شعور : ۹۲ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۱۱۲ ،
۱۱۳ ، ۱۱۹ ، ۲۱۶ -
شعوری عقل : ۴۴ -
شِفَآءٌ : ۱۰۵ -
شفا و رحمت : ۲۲۷ ، ۲۵۹ -
شِقَاقٍ بَعِیدٍ : ۱۲۰ -
شقاوت : ۱۲۴ ، ۱۲۷ -
شکر الٰہی : ۳۰۰ بعد -
شلّر : ۲۶ ، ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۷ ،
۹۳ -
شوپن ہاور : ۴۹ -
الشُّھَدَآءُ : ۲۵۴ -
شہرت اور فنکار : ۲۰۹ -
شیطان : ۱۲۰ -
شیفٹس بری : ۳۸ ، ۹۳ -
شیلنگ : ۴۷ ، ۴۸ -
شیئیت پسند : ۳۲ -
شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ : ۸۳ -

ص

صالح : ۱۸۲ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

الصّٰلحِیْنَ : ۲۵۳ -
صحبت طالع : ۱۸۲ -
صحت مند تخیلات و جذبات : ۱۱۹ -
صحت مند قلوب : ۱۲۲ -
صُحُفًا مُّطَهَّرَةً : ۱۶۶ -
صداقت : ۳۰ ، ۳۸ ، ۱۱۸ ، ۱۹۱ -
صدق : ۱۱۰ ، ۱۱۸ ، ۲۲۳ -
صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی : ۳۰۱ -
صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ : ۱۰۳ -
صراط المستقیم : ۱۳۵ -
الصُّدُوْرِ : ۱۱۳ ، ۱۳۸ -
الصِّدِّیْقِیْنَ : ۲۵۳ -
صفاتِ حسن : ۱۵۱ ببعد -
صلاحیت و فنکار : ۲۶۲ ، ۲۶۳ ، ۲۶۴ -
صَلْصَالٍ : ۱۹۳ -
صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ : ۱۹۹ -
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ : ۱۹۹ -
صُمٌّ : ۲۵۲ ، ۲۵۳ -
صُنْعَ اللّٰہِ : ۸۳ ، ۱۶۵ -
صنعت و حرفت : ۲۰۵ ، ۲۰۶ -
صورت : ۳۲ ، ۳۶ ، ۸۳ ، ۱۰۸ ، ۱۲۱ ، ۱۹۳ -
صورۃ : ۸۶ ، ۱۰۸ ، ۱۹۲ -
صورتِ حال (Situation) : ۲۶۷ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۲۷۰ -
صور حال (Situations) : ۲۶۷ ، ۲۷۰ ببعد -
صورت گری : ۵۲ ، ۲۰۵ ، ۲۷۶ -
صورتیں : ۶۶ -
صَوَّرَکُمْ : ۶۶ ، ۸۵ -
صوری حسن : ۳۰ -
صِہر : ۱۶۰ -

ض

ضربِ کلیم : ۵۶ -
ضلال مبین : ۱۲۶ -

ط

طالع : ۱۸۲ -
طَبَعَ اللّٰہُ : ۱۳۲ -
طبع قلب : ۱۳۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ -
طبعِ موزوں : ۱۶۳ -
طبیعیات : ۵۱ -
طغیان : ۱۱۷ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

طمانیت : ۷۱ ، ۷۹ ، ۸۱ ، ۹۴ ، ۱۶۳ ، ۱۸۰ -
طہارت : ۲۵ -
طیّب (تعریف) : ۱۶۶ ببعد -
الطّیّبت - ۱۶۳ -
طِین : ۴۲ ، ۹۴ ، ۱۰۹ ، ۲۴۷ -

ظ

ظلمت : ۷۴ -
ظلم و ستم : ۱۲۳ -
ظن : ۲۴۹ -
ظن اور حق : ۲۴۹ -
ظن و تخمین : ۱۸۷ -
ظنیات اور فن : ۲۵۰ -

ع

عالم : ۲۵۴ ، ۲۵۵ -
عالمِ انفس و آفاق : ۲۳۰ بعبد ، ۲۳۳ -
عالمِ حسن : ۳۱ -
عالمِ حقیقت : ۳۱ -
عَبدٍ مُنِیبٍ : ۲۳۴ ببعد -
عبدیت کا مقام محمود : ۱۸۲ -
عبودیت : ۱۷۹ -
عبرت : ۲۹۴ -
عبرت (تعریف) : ۲۹۳ ، ۲۹۴ -
عبرت و رجعیت : ۲۹۵ ، ۲۹۸ -
عبقریت : ۴۴ ، ۵۰ -
عدل : ۱۱۰ -
عرض : ۷۴ -
عرفان : ۹ ، ۱۰ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۳۱ ، ۲۳۶ -
عَرَفَ رَبَّہٗ : ۲۴۶ -
عَرَفَ نَفْسَہٗ : ۲۴۶ -
عروج (climax) : ۲۶۷ ببعد -
عشق : ۲۹ ، ۳۱ ، ۷۱ ، ۸۱ ، ۹۳ ، ۲۲۴ ، ۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ -
عطائی : ۹۵ -
عقل : ۱۰ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۵۱ ، ۸۸ ، ۱۳۰ ، ۱۳۸ ، ۲۳۶ ، ۲۳۸ ، ۲۳۹ ، ۳۵۲ ، ۲۵۳ -
عقلِ سلیم : ۱۰ ، ۱۲ ، ۱۵۶ -
عقلِ عملی : ۴۳ -
عقلِ محض : ۴۳ -
”عقل محض پر تنقیدی تحقیق“ (کانٹ) : ۴۲ -
عقلی وجدان : ۴۷ -
علم : ۲۴ ، ۳۱ ، ۸۷ ، ۱۰۴ ، ۱۱۲ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۷ ، ۱۴۶ ، ۱۴۷ ، ۲۲۸ ، ۲۳۰ ، ۲۳۱ ، ۲۴۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳ ، ۲۵۴ ، ۲۵۵

toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۵۶ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۶۱ ،
۲۹۵ ، ۳۰۰ -
عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ : ۲۲۸ -
علم آفاق و انفسی : ۲۲۹ -
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ : ۲۱۹ ببعد -
اَلْعِلْمُ بَغْیاً : ۲۵۶ -
علماء : ۱۵۳ -
علمائے جمالیات (مغربی) : ۳۰ -
علیم : ۱۲۰ ، ۲۶۰ ، ۲۶۳ -
علی رض (حضرت) : ۲۴۶ -
عملِ تخلیقی : ۱۹۸ -
عملِ صالح (تعریب) : ۲۱۸ -
عُمْیٌ : ۲۵۲ -
عناصرِ تخلیقی : ۸۴ -
عناصر کا ظہور ترتیب : ۸۴ -
عینیت (افلاطون کا نظریہ) : ۳۱ -

غ

غالب : ۱۴ ، ۱۷ ، ۵۶ -
غایت (فلسفہ) : ۳۱ -
غُرْفَة : ۷۲ -
غِشَاوَةٌ : ۱۴۷ ، ۱۴۹ -
غفلت و جہالت : ۱۳۶ ، ۱۳۷ -
غُلْف : ۱۴۶ -
غمر : ۱۳۶ ، ۱۳۷ -
غنایت : ۱۷۶ ، ۲۰۴ -
غور و فکر : ۱۲۴ -
غور و فکر کرنے والے : ۱۵۹ ،
۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۳۸ ، ۲۳۹ -

ف

اَلْفِتْنَة : ۱۲۹ -
فتنہ : ۱۲۰ -
فخطے : ۴۶ ، ۴۷ -
الفرائد الدُّرِّیَة : ۲۸۱ -
فرائڈ : ۹۳ ، ۱۸۱ -
فرحت (تعریف) : ۱۸۰ -
فرحیہ : ۳۳ -
فرشتوں : ۱۰۹ -
فرعون (کردار) : ۲۷۱ -
فساد : ۱۱۹ ، ۱۲۹ ، ۱۳۸ ،
۱۳۹ -
فسق : ۱۲۴ -
فَسُوکَ : ۸۶ ، ۱۰۸ ، ۱۹۲ -
فسوی : ۸۳ -
فطرت : ۳۰ ، ۳۴ ، ۳۹ ، ۴۰ ،
۴۴ ، ۴۵ ، ۴۹ ، ۶۴ ، ۷۸ ،
۸۵ ، ۹۳ ، ۱۲۷ ، ۱۳۵ ،
۲۷۶ ، ۳۰۴ -
فطرتِ الٰہی : ۷۷ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

فِطْرَتَ اللہ : ۸۵ ، ۲۴۸ -
فطرتِ انسانی : ۸ ، ۶۹ ، ۷۷ ،
۷۸ ، ۱۲۷ ، ۱۲۹ ، ۱۳۸ ،
۱۶۳ ، ۲۴۸ -
فُطُور : ۱۶۵ -
فَعَدَلَکَ : ۸۶ ، ۱۰۸ ، ۱۹۲ -
فعلی قوت : ۹ ، ۷۷ -
فَقَدَّرَ : ۹۹ -
فکر (تعریف) : ۲۸ ، ۶۴ ،
۲۷۳ ، ۲۷۵ ، ۲۹۹ -
فکری مغالطہ : ۱۷۸ -
فلاطیونس : ۳۵ ، ۳۶ -
فلسفہ : ۳۲ ، ۴۷ ، ۴۸ -
فلسفۂ اخلاق : ۲۷۷ -
فلسفۂ اشراق : ۳۵ -
فلسفۂ جمال : ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۸ ،
۲۸ ، ۳۶ -
فلسفۂ حسن : ۲۳ ، ۳۸ ، ۳۰۴ -
فلسفۂ خودی : ۵۵ ، ۹۳ -
فلسفۂ غایت : ۳۱ -
فلسفیانہ اظہار و ابلاغ : ۳۲ -
فن : ۱۴ ، ۲۳ ، ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۰ ،
۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۶ ، ۳۸ ،
۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۴۳ ،
۴۴ ، ۴۵ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۴۸ ،
۴۹ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۵۶ ،
۶۷ ، ۱۸۷ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ،
۱۹۱ ، ۱۹۲ ، ۱۹۸ ، ۲۰۳ ،
۲۰۶ ، ۲۰۹ ، ۲۱۳ ، ۲۱۶ ،
۲۵۰ ، ۲۸۰ ، ۲۸۴ ، ۲۸۵ ،
۲۸۷ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۲۹۷ ،
۲۹۸ ، ۲۹۹ ، ۳۰۲ -
فن اور اخلاقیات : ۳۲ -
فن اور تاریخ : ۳۳ -
فن اور حقیقت : ۲۸۰ ، ۲۸۷ -
فن اور زندگی : ۲۹ ، ۳۰ -
فن اور فطرت : ۲۹ -
فن اور کمال : ۲۰۶ ، ۲۰۹ ،
۲۱۳ -
فن برائے زندگی : ۱۴ ، ۲۸۷ -
فن برائے فن : ۱۴ ، ۲۸۷ -
فن پارہ : ۱۱۰ -
فن تعمیر : ۴۹ ، ۵۰ -
فن کا اسلوب : ۴۰ -
فن کا پیام : ۳۲ -
فن کا سرچشمہ : ۲۹ -
فن کا فرضِ منصبی : ۲۸۹ ،
۲۹۷ ، ۲۹۹ ، ۳۰۰ -
فن کا قانون : ۳۹ -
فن کا محرک حقیقی : ۲۹ -
فن کا معیار : ۳۹ -
فنِ عبقریت (کانٹ) : ۴۴ -
فن کا مقصد : ۱۴ ، ۳۸ ، ۴۱ ،
۴۵ ، ۵۰ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ ،
۲۹۸ ، ۲۹۹ -
فن کی تکمیل و عظمت : ۲۱۶ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

فن کی روح : ۲۹۷ ببعد ۔
فن کی غرض و غایت : ۲۸۹ ، ۲۹۹ ، ۳۰۲ ۔
فن کی عظمت : ۳۲ ، ۴۲ ۔
فن کی قوت : ۵۰ ۔
فنکار : ۲۷ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۲ ، ۳۴ ، ۴۱ ، ۴۹ ، ۵۱ ، ۱۶۴ ، ۱۹۸ ، ۲۰۲ ، ۲۰۶ ، ۲۲۶ ، ۲۶۲ ، ۲۸۹ ، ۲۹۷ ، ۲۹۹ ، ۳۰۰ ، ۳۰۲ ۔
فن کار اور روایت : ۴۱ ۔
فن کار اور روحِ الٰہی : ۲۸۹ ۔
فن کار اور سوز : ۲۹ ۔
فن کار اور فطرت کی نقالی : ۴۹ ۔
فن کار کا نصب العین : ۳۰۲ ۔
فن کار کا کردار : ۳۲ ۔
فن کار کا مقصد : ۳۰۰ ۔
فن کار کا منتہاے کمال : ۲۲۶ ۔
فن کاری : ۲۶ ، ۶۴ ، ۱۰۸ ۔
فن کاری کی تکنیک : ۱۰۸ ۔
فن مصوری کی ابتدا : ۲۸ ۔
فنونِ لطیفہ : ۳۶ ، ۴۵ ، ۵۰ ۔
فن استعداد : ۲۹ ۔
فنی تخلیق : ۱۴ ، ۲۷ ، ۴۰ ، ۴۸ ، ۴۹ ، ۶۷ ، ۶۸ ، ۷۳ ، ۱۹۲ ، ۱۹۹ ، ۲۰۴ ، ۲۰۵ ، ۲۰۶ ، ۲۶۵ ، ۲۸۴ ۔
فنی تخلیقات : ۱۳ ، ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۲ ، ۱۱۰ ، ۱۵۱ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۰۵ ۔
فنی جامعیت : ۸۴ ، ۱۵۱ ، ۱۶۴ ، ۱۵۵ ، ۱۶۶ ، ۲۳۴ ، ۲۳۵ ۔
فنی سطحیت : ۱۶۵ ۔
فنی شعور : ۴۹ ۔
فنی صلاحیت : ۳۰۲ ۔
فؤاد : ۸۷ ۔
الفُؤاد : ۲۳۰ ، ۲۴۹ ۔
فہدٰی : ۸۳ ۔

ق

قانونِ تزویج : ۸۲ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۷۲ ، ۱۷۴ ، ۱۷۶ ۔
قانونِ مکافات : ۱۳۵ ۔
قانونیت : ۴۹ ۔
قائم بالذّات : ۷۷ ۔
قُبح : ۳۳ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۹ ، ۵۰ ، ۹۴ ، ۱۱۹ ۔
قبیح : ۵۶ ، ۷۴ ، ۹۴ ۔
قدر : ۱۴ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۸۴ ، ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۱ ، ۱۰۲ ، ۱۰۳ ، ۱۲۸ ، ۲۰۴ ، ۲۸۴ ، ۲۸۵ ۔
قَدَّرَ : ۸۳ ۔
فَقَدَّرَ : ۱۹۳ ۔
قدریں : ۳۱ ، ۱۲۸ ۔
قدیر : ۲۶۳ ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن حکیم : ۱۶ ، ۱۸ ، ۲۸ ، ۵۵ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶ ، ۶۷ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ -
قرارِ مکین : ۲۰۲ -
قرب و حضور : ۱۷۹ ، ۱۸۲ -
قُرۃِ اَعینِ : ۷۱ ، ۷۲ ، ۱۷۹ ، ۱۸۸ -
قرۃ العین : ۷۲ -
قساوتِ قلب : ۱۲۰ ، ۱۲۳ ، ۱۲۴ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۳۸ ، ۱۸۳ -
قلم و علم : ۲۱۹ ، ۲۲۰ -
قلب : ۸ ، ۹ ، ۱۱ ، ۲۷ ، ۳۸ ، ۵۲ ، ۷۱ ، ۷۳ ، ۷۷ ، ۸۷ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ ، ۱۲۳ ، ۱۲۴ ، ۱۲۵ ، ۱۲۶ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱ ، ۱۳۲ : ۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۴۱ ، ۱۴۲ ، ۱۴۳ ، ۱۴۴ ، ۱۴۵ ، ۱۴۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۴۹ ، ۱۷۲ ، ۲۰۰ ، ۲۳۰ -
قلب بیمار : ۱۱۹ -
قلبِ سلیم : ۱۳۱ -
قلب کا اندھا ہونا : ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۳۸ -
قلب پر پردہ پڑ جانا : ۱۳۳ ، ۱۳۴ -
قلب پر چھاپ لگنا : ۱۴۰ -
قلب پر قفل چڑھنا : ۱۱۷ ، ۱۳۸ -
قلب پر مہر لگنا : ۱۴۶ -
قلب کا تقفل : ۱۱۷ -
قلب کا ٹیڑھا ہونا : ۱۲۹ -
قلب کا حجاب : ۱۱۷ -
قلب کا داخلی حسن : ۹ -
قلب کی بیماری : ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ -
قلب کی ختم : ۱۱۷ -
قلب کی زنگ آلودگی : ۱۱۷ -
قلب کی سکینت و سلامتی : ۷۷ -
قلب کی طبع : ۱۱۷ -
قلب کی غفلت و جہالت : ۱۱۷ -
قلب کی کجی : ۱۱۷ -
قلب کے امراض : ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹ -
قلب کے وظائف : ۱۱۴ -
قلب و حواس : ۱۱۶ ، ۱۱۷ -
قلب و نظر : ۱۱۵ -
قلوب : ۱۲۰ ، ۱۳۷ ، ۱۴۲ -
قلوب پر چھاپ لگنا : ۲۵۳ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ : ۱۴۶ -
قُلُوبُهُمْ شَتّٰی : ۲۱۶ -
قُلُوبٌ یَعْقِلُوْنَ بِهَا : ۲۵۱ ببعد -
قَلْبِہٖ : ۲۵۵ -
قلبی امراض : ۱۱۹ -
قوت : ۵۳ ، ۵۶ -
قوتِ اثر آفرینی : ۱۱۳ -
قوتِ انجذاب : ۱۰ -
قوتِ جذب : ۱۰ -
قوانینِ فن : ۴۱ -
قوتِ حیات (برگساں) : ۳۵ -
قوتِ حیاتیہ : ۹۳ -
قوت خودی (اقبال) : ۳۵ -
قوتِ محاکمہ : ۴۴ -
قَوْلُ الثَّابِت : ۱۶۶ ، ۱۶۹ -
قوموں کی زندگی کا قانون : ۱۲۵ -
قوموں کی موت : ۱۲۴ -
قَوْمٍ یَتَفَكَّرُوْنَ : ۸۳ ، ۱۵۵ ، ۱۵۹ -
لِقَوْمٍ یَذَّكَّرُوْنَ : ۱۵۴ -
قہاری و عظمت : ۱۷۶ -

ک

کان ، آنکھ اور قلب : ۱۱۰ -
کانٹ : ۳۴ ، ۴۲ ، ۴۳ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۷ ، ۴۸ ، ۱۷۸ -
کانوں میں گرانی : ۱۳۵ -
کائنات : ۵ ، ۹ ، ۱۳ ، ۳۰ ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۶ ، ۴۷ ، ۴۸ ، ۵۴ ، ۷۳ ، ۷۴ ، ۷۶ ، ۸۱ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۸ ، ۱۲۲ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۹ ، ۱۷۷ -
کُتُبُ مُوسیٰ : ۱۰۵ -
كُتُبٌ قَیِّمَةٌ : ۱۶۶ -
کتھارس (Catharsis) : ۲۹۳ ، ۲۹۴ ببعد -
کثافت : ۷۴ ، ۱۷۵ -
کثرت : ۵ ، ۱۷۵ ، ۲۰۳ -
کثرت میں وحدت : ۳۹ ، ۵۱ -
کجیِ قلب : ۱۲۷ -
کرائی سپس : ۹۲ -
کردار (ڈرامہ) : ۲۷۱ ، ۲۷۲ ، ۲۷۳ -
کروچے : ۳۹ ، ۵۱ ، ۹۳ -
کذب : ۱۱۸ -
کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی : ۳۰۱ -
کسبی : ۹۵ -
کششِ کائنات : ۸۱ -
کشش و جاذبیت : ۱۷۲ -
کشش و محبت : ۸۳ -
کفر : ۱۴۲ ، ۱۴۳ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

کفرانِ نعمت : ۱۶۳ -
کلاسیکل فن : ۴۹ -
کلاسیکی موسیقی : ۱۷۳ -
کلامِ (ربّ) : ۱۱۰ -
کلچر ، ۲۳ -
اَلْکَلِمُ الطَّیِّبُ : ۱۶۹ -
کلِمہ : ۱۱۰ -
کَلِمَۃِ خَبِیْثَۃٍ ۱۶۸ -
کَلِمَۃً طَیِّبَۃً : ۱۶۷ -
کلمۂ کن : ۷۶ -
کلیاتِ غالب : ۵۶ -
کمال ۱ ، ۳۶ ، ۳۹ ، ۴۳ ، ۵۳ ، ۶۷ ، ۷۹ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۵ -
کمالِ شخصیت : ۲۶۵ -
کمالِ فن : ۲۰۶ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ، ۲۱۵ ، ۲۶۵ ، ۲۷۷ -
کُن : ۷۶ -
کَنْزًا مَخْفِیًا : ۲۰۹ -
کُنْ فَیَکُوْنُ : ۱۸۹ -
کور ذوق : ۲۵ ، ۱۳۸ -
کوہکن : ۵۵ -
کہانی (ڈرامہ) : ۲۶۷ ، ۲۶۸ ببعد ، ۲۷۰ -
کیف (تعریف) : ۱۸۰ -
کیف و سرور ، ۱۴ -
کیمز : ۱۷۸ -

گ

گلاب : ۱۰۱ ، ۱۰۲ -
گمراہی و نامرادی : ۱۳۰ -
گناہ و ثواب : ۳۸ -
گونگے : ۲۵۲ ، ۲۵۳ -
گوئٹے : ۲۶ ، ۵۰ -

ل

لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا : ۱۳۰ -
لَعِبِیْنَ : ۱۸۹ -
لاکون (لیسنگ) : ۴۱ -
لامسہ : ۲۷ ، ۸۷ ، ۱۱۲ -
لائبنز : ۳۹ -
لپس : ۹۳ -
لذت (تعریف) : ۱۸۰ -
لذت کا حسن : ۱۷۲ -
لذتِ چشم : ۱۷۹ -
لسان العرب : ۱۰۰ -
لطافت : ۷۴ ، ۸۲ -
لطافت و جمال : ۸۲ -
لطیف و جمیل جوڑے : ۸۳ -
لون جائی نس : ۳۴ ، ۱۷۸ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

لَوْنُھا : ۷۰، ۱۷۹ -
لبان : ۷ -
لیسنگ : ۴۰، ۴۱، ۴۲ -
"لے" : ۱۱۰، ۱۶۴، ۲۷۵ -
لیلۃ القدر : ۱۸۳ -
لیل و نہار : ۴۴ بعد -

م

ماءٍ و مَھِین : ۹۶، ۲۴۷ -
مادّی حسن : ۴۰، ۴۱ -
متشابہات : ۱۲۹، ۱۳۰ -
متصوفانہ بصیرت : ۵۲ -
مثی : ۲۰۱ -
مثالی حکومت : ۳۲ -
مثالی فن : ۴۹ -
مثبت قدریں : ۳۸ -
مثبت و منفی قوتیں : ۸۲ -
مجاز : ۸، ۱۴ -
مجازیت : ۸ -
مجازی صورتیں : ۳۱ -
مجسمے : ۳۵ -
محاکمۂ جمال : ۴۴ -
محاکمۂ ذوق : ۴۳، ۴۴ -
مُحکمات : ۱۲۹، ۱۳۰ -
محبت : ۷۱، ۸۳، ۱۵۸، ۱۷۲ -
محبتِ الٰہی : ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶ -

مَحْجُوبُوْنَ : ۱۳۲ -
محسنین : ۱۰۵ -
محمّد صلی اللہ علیہ و سلم : ۱۰۴ -
مسجِدٍ : ۱۶۳ -
مسرت : ۳۲، ۳۳، ۴۷، ۸۱، ۹۳، ۱۶۳ -
مسرِفین : ۱۶۴ -
مسرور : ۷۲ -
مسئلۂ حیات : ۶۵ -
مشابہت اور حقیقت : ۴۶ -
مشاہدہ : ۱۰، ۱۴، ۱۵، ۳۱، ۳۷، ۴۱، ۴۳، ۴۵، ۴۸، ۵۲، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۳، ۹۶، ۹۷، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۹، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۶۴، ۱۷۸، ۱۷۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۲ -
مشہود : ۹۳ -
مصور : ۳۲، ۱۹۶، ۲۰۳ -
مصوری : ۴۹، ۱۵۲، ۱۶۴ -
مطلق وحدتِ شعور : ۲۱۷ بعد -
مطابقت و ہم آہنگی : ۴۹، ۹۷، ۱۰۹ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

مُطہر (تعریف) : ۱۶۷ -
مظہر فطرت : ۱۲۴ -
مظہر فنون : ۴۵ -
معارفِ قرآنی : ۶۵ -
مُعرِضُوْن : ۲۳۲ :
معرفت ، ۱۴ ، ۷۳ ، ۶۸ ، ۲۳۰ -
معروضیت : ۸ ، ۴۵ -
معنوی زندگی : ۱۲۵ -
مفرداتِ راغب : ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۲۸۰ -
مُقامًا : ۷۲ -
مقامِ محمود : ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۱۷۹ ، ۱۸۲ -
مقصدِ زندگی : ۳۳ -
مقصدِ فن : ۱۴ ، ۲۹۹ ، ۳۰۰ بعد -
مقصدیت : ۱۴ ، ۴۵ ، ۱۲۸ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ، ۱۹۱ ، ۱۹۴ -
مقصدیت بغیر مقصد : ۴۳ -
مکان : ۱۱ ، ۵۴ -
ملائکہ : ۶۷ ، ۱۰۹ -
مناسبت و ہم آہنگی : ۶۶ ، ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۸۴ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۶۴ -
مناظر (ڈرامہ) : ۲۷۰ ، ۲۷۱ -
منافقین : ۱۴۱ -
منزلِ مقصود (آخری) : ۳۷ -
منکرانِ حق : ۱۲۳ -
موت : ۸۴ -
مَوَدَّۃ : ۸۳ ، ۱۵۸ -
مودّت و رحمت : ۲۳۹ بعد -
مَوْزُوْنٍ : ۱۶۱ -
موزونی یا موزونیت : ۲۴ ، ۲۵ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۵۱ ، ۵۲ ، ۸۳ ، ۸۴ ، ۱۰۱ ، ۱۰۳ ، ۱۵۱ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ۱۶۴ ، ۲۰۳ ، ۲۷۵ -
موسیٰ (حضرت) : ۱۰۵ ، ۱۲۷ ، ۱۲۸ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ ، ۲۷۱ -
موسیقی : ۳۲ ، ۳۸ ، ۴۶ ، ۴۹ ، ۵۰ ، ۱۱۰ ، ۱۵۲ ، ۱۶۴ ، ۱۷۳ ، ۱۷۶ ، ۱۸۳ ، ۲۰۳ ، ۲۷۵ -
موسیقیت اور شعر : ۲۷۵ -
موضوعیت : ۸ ، ۴۵ ، ۷۷ -
موضوعی تصوریت کا نظام (شیلنگ) : ۴۷ -
موضوعی تفکر : ۲۴۷ بعد :
مَوْعِظَۃٌ : ۱۰۵ -
اَلْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ : ۲۶۲ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

مومن (تعریف) : ۲۲۴ ، ۲۲۵ -
مہر لگنا : ۱۳۶ ، ۱۴۷ ، ۱۴۹ ،
۲۵۵ -
اَلْمَیْسَر : ۲۷۷ -

ن

ناپاک بات : ۱۶۸ -
ناپاک فنی تخلیق : ۱۶۸ -
ناخوب : ۷۴ -
النَّبِیُّ : ۷۸ ، ۷۹ ، ۱۲۰ -
نبی اکرمؐ کی بعثت : ۱۰۶ -
النَّبِیِّنَ : ۲۵۴ -
نر اور مادہ : ۱۰ -
نذیر : ۱۰۳ -
نزاکت : ۱۷۳ -
نسب : ۱۶۰ ، ۱۶۱ -
نشانِ راہ : ۱۳۴ -
نصب العین : ۲۷۳ ، ۲۶۶ -
النّصریٰ : ۲۵۶ ، ۲۵۷ -
نصرت : ۷۲ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ -
نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ : ۱۴۰ ،
۱۴۱ -
نطشے : ۳۵ -
نظامِ حواس و قلب : ۱۷۳ -
نظامِ عقل : ۳۱ -
نظر : ۱۱۵ -
نظر افروزی ، ۲۴ -
نظر افروزی و جاذبیت : ۸۲ -
نظر افروزی و سرور انگیزی : ۱۳ -
نظر کی ٹھنڈک : ۱۷۴ -
نظریۂ اظہاریت : ۹۳ -
نظریۂ المیّہ : ۲۹۴ -
نظریۂ جمال (بام گارٹن) : ۳۹ -
نظریۂ حسن : ۳۹ -
نظریۂ حسن : (ارسطو) : ۳۳ -
نظریۂ حسن (فخطے) : ۴۶ -
نظریۂ حسن (قرآن حکیم) : ۷۱ -
نظریۂ حسن (وائٹ ہیڈ) : ۵۲ -
نظریۂ فن : ۳۴ -
نظریۂ فن (افلاطون) : ۳۲ -
نظریۂ وحدت جمال : ۹۲ -
نغمہ : ۳۷ -
نغمگی : ۱۶۴ -
نَفَخْتُ : ۱۰۹ -
نَفَخَ مِنْ رُّوْحِهٖ : ۲۴۷ -
نفوذِ شخصیت : ۲۰۵ -
نفس : ۷۱ ، ۸۴ ، ۸۵ ، ۹۶ ،
۲۴۶ ، ۲۵۴ -
نَفْسٍ : ۸۵ ، ۹۶ -
نفسِ امّارہ : ۱۴۸ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

نفسیاتِ اجتماع : ۷ ، ۲۳ ؛ -
نفسیاتِ انسانی : ۱۲۵ -
نفسیاتی امراض : ۱۲۱ -
نفسیاتی انقلاب : ۱۸۲ -
نفسیاتی بیماریاں : ۱۱۸ ، ۱۲۲ ، ۱۴۸ -
نقل : ۳۲ -
نقالی : ۲۹ ، ۳۲ . ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۶ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۴۹ -
نگارے : ۷۸ -
نماز : ۱۸۳ -
نمرود (کیردار) : ۲۷۱ -
نوامیسِ فطرت : ۱۴۲ ، ۱۴۷ -
نور : ۳۶ ، ۳۷ ، ۷۳ ، ۷۴ ، ۷۹ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۱۲۶ ، ۱۹۵ ، ۲۴۲ ، ۲۴۳ -
نور الہی : ۷۶ ، ۲۳۱ -
نُورنا : ۷۸ ، ۹۰ -
نور بصیرت : ۱۲۷ ، ۱۳۷ -
نور حسن : ۱۱۵ ، ۱۱۶ -
نور کی تکمیل : ۷۹ ، ۹۰ -
نور مشاہدہ : ۹۰ -
نُورھُم یسعی : ۷۸ -
نیشنل بک فاؤنڈیشن : ۳ -
نیکی : ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۵ ، ۳۸ ، ۴۲ ، ۴۸ ، ۱۱۹ -
نیکی اور حسن : ۴۲ -
نیکی اور مسرت : ۳۲ -
نیکی مسرت ہے (ارسطو) : ۳۳ -
نیکی کی فطرت : ۳۵ -
نیل : ۳۴ -
نیوٹن : ۴۴ -

و

واقعات و حادثات (ڈرامہ) : ۲۷۰ ببعد -
واقعیت : ۵ ، ۷ -
والکیٹ : ۹۳ -
وائٹ ھیڈ : ۲۳ ، ۳۷ ، ۵۲ ، ۵۳ -
وجدان : ۹ ، ۱۰ ، ۴۷ ، ۷۰ -
وجودِ انسانی : ۶۸ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۱۳ ، ۲۰۱ -
وحدت : ۵ ، ۱۰ ، ۱۵ ، ۲۴ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۲ ، ۴۹ ، ۵۱ ، ۶۷ ، ۷۱ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۸۲ ، ۸۳ ، ۸۴ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۷ ، ۸۸ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۴ ، ۹۸ ، ۱۵۲ ، ۱۷۶ ، ۱۹۶ ، ۲۰۳ ، ۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۸ -
وحدتِ جمال : ۱۵ ، ۹۲ ، ۹۷ ، ۹۸ -
وحدتِ حسن : ۱۵ -
وحدتِ حواس و قلب ، ۱۱۲ ببعد -

toobaa-elibrary.blogspot.com

وحدتِ شاعرات و مدرکات : ۲۱۵ -
وحدتِ شعور : ۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۲۱۹ -
وحدتِ عمل : ۱۱۳ -
وحدتِ مشاہدہ : ۱۵ ، ۸۶ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۹۱ -
وحدتِ وجودی : ۵۵ -
وحی الٰہی : ۷۶ ، ۹۷ ، ۲۹۷ -
وحی الٰہی کی غرض و غایت : ۲۹۶ ببعد -
وحی و تنزیل : ۱۷ ، ۱۸ ، ۶۴ ، ۱۰۳ ، ۱۰۴ ، ۱۰۶ ، ۲۸۹ ، ۲۹۵ ، ۲۹۶ -
وزن : ۹۹ ، ۱۱۰ ، ۱۶۴ ، ۱۷۷ ، ۲۷۳ ، ۲۷۵ -
وسوسۂ شیطانی : ۱۲۰ -
وِشر (رابرٹ) : ۹۳ -
وصال و حضوری کی منزل : ۳۷ -
وصل و دید : ۱۷۹ -
وضعیت : ۴۰ ، ۴۲ -
وضعی تصور حسن : ۴۰ -
وظائف حیات : ۱۲۹ -
وقر : ۱۳۵ ، ۱۳۶ -
ونکل مان : ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۲ -
الوھاب : ۱۳۰ -
وولف : ۳۹ -

ہ

ھدًی : ۱۰۵ -
ہدایت : ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۲۸ ، ۱۲۹ ، ۲۶۰ ، ۲۹۶ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ -
ہستی و نیستی : ۵۴ -
ہم آہنگی : ۳۷ ، ۳۹ ، ۵۱ ، ۵۳ ، ۶۶ ، ۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۵ ، ۸۲ ، ۸۴ ، ۸۵ ، ۸۶ ، ۸۹ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۱۰۱ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۶۴ ، ۱۹۳ ، ۲۰۲ ، ۲۰۳ ، ۲۷۳ -
ہندسی تصور حسن : ۴۰ -
ہندسی تناسب : ۴۰ -
ہندو دیومالا : ۲۹ -
ہندو فلسفہ : ۱۱ ، ۲۸ -
ہندو قوم : ۲۸ ، ۲۰ -
ہندو مت : ۲۸ -
ہندوؤں کے جمالیاتی نظریات : ۲۸ -
ھُوِیّہ : ۱۴۶ -
ہوگارتھ : ۳۹ ، ۴۰ -
ہیبت و جبروت : ۱۷۶ -
ہیگل : ۴۸ ، ۴۹ -
ہیوم : ۳۸ -

ی

یاما دیوتا : ۲۹ -

toobaa-elibrary.blogspot.com

يَتَفَكَّرُوْا فِىْ اَنْفُسِهِمْ : ۲۱۰ -
يَتَفَكَّرُوْنَ : ۱۹۰ -
يَذَّكَّرُوْنَ : ۱۹۰ -
يَطْبَعُ : ۲۵۳ -
يَنْطِقُ بِالْحَقِّ : ۱۳۶ -
یوسفؑ (حضرت) : ۱۴۳، ۱۴۴، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰ -
یونانی فلسفہ : ۲۹ -
الیہود : ۲۵۵ ببعد -

☆ ☆ ☆

toobaa-elibrary.blogspot.com